# محمود الفتاویٰ

جلد ہشتم

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ترتیب

مفتی عبد القیوم راجکوٹی

مکتبہ محمودیہ

محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

# محمود الفتاویٰ (مبوب)

## جلد ہشتم

بقیۃ کتاب الحظر والاباحۃ، کتاب السیاسۃ
متفرقات، کتاب الفرائض

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر
مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

# تفصیلات

نام کتاب: ............................................... محمود الفتاویٰ (جلد ہشتم)

مرتب: ............................................... مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی

کمپیوٹر سیٹنگ: ........... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی ، عبد اللہ بن اشرف مانگرولی

ناشر: ............................................... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

## ملنے کے پتے

مکتبۂ انور، محمود نگر، ڈابھیل، 9924693470

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ، 9904886188 / 9913319190

ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد مدنی مسجد، مدنی روڈ، دیوبند، 9997953255

# فہرست

## ضبط تولید اور متعلقہ مسائل

# باب العلاج والتداوی

# بقية باب الحجاب

## بے پردہ عورتیں کیا زانیہ کے مانند ہیں؟

سوال: گاؤں کی مسجد کا امام اپنی دینی تقریر کے درمیان پردہ کا حکم ذکر کرتے ہوئے کہے کہ جو عورتیں بے پردہ بازاروں میں نکلتی ہیں وہ ویشیاں (رنڈیاں) ہیں، اور ان کے گھر کے لوگ کافر ہیں، کیا یہ الزام کسی حدیث یا فتویٰ سے ثابت ہے؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلفاء راشدین، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بے پردہ عورتوں کے لیے کبھی ایسی ذلیل مثال دی تھی، اگر یہ مثال جو امام کی من گھڑت اور بے بنیاد ہے، تو ایسے امام کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عن أبي موسىٰ قال: قال رسول الله ﷺ: كل عين زانية، وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا، يعني زانية رواه الترمذي ولأبي داؤد والنسائي نحوه.(مشكوة:٩٦)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: جو آنکھ (اجنبی عورت کو شہوت سے دیکھے وہ) زنا کرنے والی ہے، اور بے شک عورت جس وقت خوشبو لگاتی ہے پھر (مردوں کی) مجلس کے پاس سے گذرتی ہے (جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو دیکھتے ہیں) وہ عورت ایسی ایسی ہے یعنی زنا کرنے والی

ہے۔ (مشکوۃ شریف ۹۶ بحوالہ ترمذی شریف)

اس روایت کی تشریح میں شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیل فرمائی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو زانیہ اس لیے فرمایا کہ اس نے خوشبو کے ذریعہ مردوں کی شہوت کو بھڑکایا اور ان کو اپنی طرف دیکھنے پر آمادہ کیا، اور یہ آنکھ کا زنا ہے اور اس عورت نے اپنی اس حرکت سے اس کو اپنی طرف جو مائل کیا، اور اس کے دل میں شہوانی خیالات کو برانگیختہ کیا، تو اس طرح وہ اس کے آنکھ کے زنا کا باعث بنی، اس طرح وہ بھی زانیہ ہوئی۔ (مرقاۃ ۳/۵۸)

اس عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گذرنا بے پردگی کی ایک صورت ہے چاہے برقعہ پہنے ہوئے ہو، اب اگر کوئی عورت مکمل بے پردگی کے ساتھ بازار میں جائے تو کیا وہ اس تمثیل کی مصداق نہ ٹھہرے گی؟۔

امام صاحب کو چاہیے کہ نصیحت اور وعظ میں ایسا انداز اختیار نہ کریں جس کے نتیجہ میں لوگ متوحش اور متنفر ہوں، اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ کسی واقعی خرابی اور معصیت پر امام صاحب اپنے وعظ میں تنبیہ فرمائیں تو اس کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نہ پڑ جائیں؛ بلکہ اپنی کوتاہی کی اصلاح کی فکر کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# عورتوں کا کمانے کے لیے فیکٹری میں جانا

**سوال**: میرے شوہر کئی سالوں سے بے روزگار ہیں، اور گورنمنٹ ہمیں جو خرچ دیتی ہے، وہ پورا نہیں ہوتا، وہ بہت کم ہوتا ہے، اور ہمارے گھر میں میرے

علاوہ میری تین بیٹیاں اور ایک بہو ہیں، ہم اگر گھر پر سلائی کا کام کریں تو بھی ملتا ہے، اور اگر پاس پاس فیکٹریاں ہیں جہاں سب عورتیں سلائی کا کام کرتی ہیں وہاں جائیں تو بھی کر سکتی ہیں؛ مگر میرے شوہر کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ بتلائیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس وقت ہم دو ہزار پونڈ سے زائد رقم کے مقروض ہیں، وہ کہاں سے ادا ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کو قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وقرن في بیوتکن﴾ (اپنے گھروں میں رہو) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "إذا خرجت المرأة استشرفها الشیطان". (ترمذي) یعنی عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے۔ (اور اس طرح اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے) صحیح ابن خزیمہ وابن حبان میں یہ الفاظ بھی ہیں: "وأقرب ماتکون من وجه ربها وهي في قعر بیتها". یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔ (از معارف القرآن ۷/ ۲۱۵،۲۱۶)

عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اسی لیے عورتوں کو کسی بھی نماز کے واسطے مسجد جانے کی اجازت نہیں دی گئی؛ حالاں کہ مسجد میں جماعت کی نماز کی شریعت میں بڑی تاکید آئی ہے؛ لیکن فقہاء نے عورتوں کو اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے آپ نہ خود جائیں اور نہ اپنی بہو بیٹیوں کو فیکٹری میں جانے کی اجازت دیں، حکومت جو دیتی ہے اور گھر رہ کر سلائی کے کام سے جو یافت ہو جاتی ہے، اسی پر کفایت شعاری

سے گذر اوقات فرمائیں، اپنی ضرورت کو کچھ محدود فرمائیں اور قرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں، وہ مسبب الاسباب ہیں، ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اس دعا کا اہتمام کریں: "اللّٰهم اكفني بحلالك عن حرامك، وأغنني بفضلك عمن سواك". اگر پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو انشاء اللہ ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

## ولادت کے بعد ستر والے حصہ کی مالش کرانا

(سوال): اس علاقہ میں زچگی کے بعد چند ایام کوئی عورت زچہ کی مالش کرتی ہے، بین السرۃ والرکبۃ بھی بغیر ستر کے مالش کی جاتی ہے، اس کی گنجائش ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر بطور علاج ہے، تو گنجائش ہے، دوسری عورتیں نہ دیکھیں، اور مالش کرنے والی بھی حتی الامکان غض بصر سے کام لے۔ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورت کے لیے ڈاکٹر کے ذریعہ دانت کی صفائی کرانا

(سوال): اگر عورت کے دانت کالے داغ کی وجہ سے بدنما ہوں، تو غیر مسلم مرد ڈاکٹر کے ذریعہ اس کی صفائی اور پھر اس پر خول چڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ یہ معالجہ برائے زینت ہے، اس لیے غیر محرم کے ہاتھوں درست نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورتوں کا آپس میں مصافحہ کرنا

سوال: عورتوں کو عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، یہ ایک عالم کا قول ہے، کیا مصافحہ کی مشروعیت صرف مردوں کے لیے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مصافحہ کے سلسلہ میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں وہ دیگر احکام شرعیہ میں واردشدہ نصوص کی طرح عام ہی ہیں؛ اس لیے مصافحہ کا یہ حکم مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ عورتوں کو بھی شامل ہے، جو عالم صاحب تخصیص کے مدعی ہیں ان پر دلیل تخصیص ضروری ہے؛ نیز مصافحہ کو حدیث پاک میں تتمۂ سلام فرمایا گیا ہے، ترمذی شریف میں ابن مسعود کی روایت ہے: من تمام التحیة الأخذ بالید.(باب ما جاء فی المصافحة ۲/۹۷) اس حدیث کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ مصافحہ مردوں کے ساتھ مخصوص نہ ہو؛ اس لیے کہ سلام کا حکم مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورتوں کا بغیر محرم کے سفر کرنا

سوال: چند عورتیں اپنے محرموں کے ساتھ سفر کر رہی ہو، اور سفر بھی سفر شرعی کی

مسافت کا ہو، تو کیا ان عورتوں کے ساتھ کوئی دوسری عورت بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے؟ اور فتنہ سے امن بھی ہے۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کوئی عورت سفر شرعی بغیر شوہر یا بغیر محرم کے نہیں کرسکتی ہے۔ فأفاد هذا كله ان النسوة الثقات لا تكفى الخ(البحر الرائق ۲/ ۳۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## خسر کے بھائی اور شوہر کے ماموں سے پردہ ہے

**سوال**: عورت کو اپنے خسر کے بھائی اور شوہر کے ماموں سے پردہ ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں لوگ کہتے ہیں کہ تقویٰ کی رو سے ان سے پردہ کا حکم ہے؛ البتہ فتوی کے اعتبار سے ان کے سامنے بغیر پردہ کے آنا جائز ہے۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

عورت کے لیے خسر کا بھائی اور شوہر کا ماموں (بشرطیکہ کوئی دوسرا رشتۂ حرمت موجود نہ ہو) محارم میں سے نہیں ہیں، اس لیے ان سے پردہ کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مسلم اسکول کا قیام اور اس میں عورتوں کے تقرر کا مسئلہ

**سوال**: سرکاری اسکولوں کے حالاتِ بد (تعلیماً و اخلاقاً) کے پیشِ نظر ایک

مسلم اسکول کا قیام عمل میں آیا، جس کا نظام حتی الوسع اس طرح کا ہے کہ مسلم طلبہ کے عقائد کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق کی بھی نگرانی کی جائے اور لباس بھی اسلامی ہو، اور آٹھویں، نویں، دسویں کلاس میں ضروری مسائلِ فقہیہ داخلِ نصاب ہیں، قیامِ اسکول کے یہ چند مقاصد ہیں علاوہ پختہ نظامِ تعلیم کے۔

حضرت! قابل دریافت امر یہ ہے کہ درجۂ اطفال کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، جس میں تین سال کے بچوں کا داخلہ ہوگا اور اس درجۂ اطفال کی چنداں ضرورت نہیں، اس کے نہ ہونے سے کوئی ناقابلِ برداشت نقصان نہیں، درجۂ اطفال میں تین، چار سال کے لڑکوں کی تربیت کے لیے سند درکار ہے، اس کو اکثر عورتیں حاصل کیے رہتی ہیں، شعبۂ تعلیم کے ماہرین کا نظریہ بھی یہی ہے کہ اس درجہ کے لیے عورتیں زیادہ موزوں ہیں، اور ایک سے سات کلاس تک بھی عورتوں کا تقرر ہوتا ہے، اور مسلمان بھی اس کی موزونیت کے قائل ہیں۔

(۱) اگر کوئی معلمہ تمام شرعی حدود کے ساتھ تعلیم دے تو جواز اپنی جگہ پر؛ مگر مسلمان اربابِ حل وعقد کا دنیوی تعلیمی نظام میں عورتوں کی ضرورت کا محسوس کرنا عورتوں کو اعلیٰ دنیوی تعلیم دلانے کے مرادف ہے، جس کے مفاسد اظہر من الشمس ہیں؛ اس لیے فی زماننا شرعی حدود کو قائم رکھتے ہوئے دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول کا فقدان ہے، تو کیا مسلمانوں کو صورتِ مذکورہ میں پابند عورتوں کے میسر ہوتے ہوئے اس اقدام سے رک جانا چاہیے یا پھر انسداد کی حاجت نہیں۔

(۲) ضرورتِ شدیدہ نہ ہوتے ہوئے حجاب کی پابندی نہ کرنے والی عورتوں کو ملازمت کے لیے مقرر کرنا نظریۂ اسلام کی حمایت ہے یا مخالفت؟

③ دنیوی تعلیم کی ضرورت بالفرض مسلم مردوں سے پوری نہ ہو تو غیر مسلم مردوں سے پوری کرلینا چاہیے یا مسلم عورتیں اس کے لیے زیادہ موزوں ہیں؟

④ نظام مسلمانوں کے اختیار میں ہوتے ہوئے بے حجاب عورتوں کا انٹرویو؛ بغیر حجاب کے اہتمام کے لینا جائز ہے؟

⑤ درجۂ اطفال (بال واڑی) میں صرف طلبہ کو حروف کی شناخت اور عدد کی شناخت کروائی جاتی ہے؛ لہٰذا اربابِ حل وعقد نے ان آلات کے لیے جن کے ذریعہ ان طلبہ کو تعلیم دی جائے گی اور ان کو مانوس کرنے کے لیے کھلونے کا نظم کیا ہے، اور اس میں ۲۵ / ہزار صَرف کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ اقدام مسلم کے لیے کہاں تک صحیح ہے اس درجۂ اطفال کی ضرورت پیش نظر رکھتے ہوئے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے یہ بات قابلِ تنقیح ہے کہ اس طرح کے الگ اسکول قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو جیسا کہ آپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سرکاری اسکولوں کے حالاتِ بد کے پیش نظر یہ اقدام کیا گیا ہے؛ البتہ آپ نے ان حالاتِ بد کی وضاحت بین القوسین کرتے ہوئے صرف تعلیمی اور اخلاقی انحطاط کا تذکرہ کیا؛ لیکن موجودہ حکومتوں نے ہندو احیاء پرستی کے نظریہ کے ماتحت جو تعلیمی پالیسی اپنائی ہے اس میں صرف اتنا ہی بگاڑ نہیں ہے؛ بلکہ مسلمان بچوں کو ہندو مذہب، ہندوانہ تہذیب وثقافت سے رنگنے کا سلسلہ جس قوت سے شروع کیا گیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں، ان حالات میں مسلم اسکولوں کے قیام سے سب سے بڑا فائدہ جو ہوگا وہ اس سیلاب پر روک لگانے کا ہے، دوسری چیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان اسکولوں میں ایسی

مسلم خواتین معلمات کا مہیا اور میسر ہونا جو مکمل طور پر حجابِ شرعی کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں ناممکن تو نہیں؛ لیکن دشوار ضرور ہے، مدارسِ عربیہ (للبنات) کو ایسی معلمات کم ہی میسر آتی ہیں تو بیچارے یہ اسکول والے کہاں سے لائیں گے؟ (یہ یاد رہے کہ صرف برقعہ اوڑھ لینا یہ حجاب شرعی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے) اس لیے ایسے مواقع میں "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما" والے اصول پر ہی عمل ہوتا ہے؛ نیز جہاں عام مسلم معاشرہ اور سماج میں شرعی پردہ کا رواج نہیں ہے وہاں اسکول کے لیے شرعی پردہ والی استانی مہیا کرنے کا مطالبہ اسکول کی انتظامیہ سے کرنا کہاں تک قرینِ انصاف ہے؟ اس لیے میرے نزدیک ان تمام مشکلات واشکالات کا حل تو یہ ہے کہ اولاً یہ فیصلہ کیا جائے کہ کیا ایسے اسکول کی ضرورت ہے؟ اگر ہے تو پھر اس کے قیام کے لیے ایسے افراد کو تجویز کیا جائے جو اسکول کی افادیت کے ساتھ ساتھ اس کے قیام میں زیادہ سے زیادہ شرعی تقاضوں اور اصولوں کی رعایت کرنے والے ہوں، اور بقیہ امور کو ان کی دیانت وامانت پر چھوڑ دیا جائے، ایسا نہیں کہ ایک ایک جزئیہ میں ان کا تعاقب کیا جائے، اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر درجۂ اطفال کے نہ ہونے سے جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ناقابل برداشت نقصان نہیں ہے تو کیا نفسِ نقصان کو آپ تسلیم کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے اور انتظامیہ اس نقصان سے بچاؤ کے لیے دیانۃً اس کا قیام ضروری سمجھتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کے لیے بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ شریعت کی پابندی کا اہتمام کرنے والی عورت جو اس لائن میں میسر آسکتی ہے اس کے تقرر کی سعی کرے۔

(۲) بلا ضرورت تو پابند اور باحجاب کا مقرر کرنا بھی درست نہیں ہے؛ بلکہ خیانت ہے۔

③ تمہید میں ذکر کردہ امور کا تقاضہ یہ ہے کہ غیر مسلم مردوں کے مقابلہ میں مسلم عورتیں لائق ترجیح ہیں۔

④ آپ صرف انٹرویو ہی میں حجاب کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟

⑤ اگر اس کی ضرورت ہے تو رقم دینے والوں سے اس کی وضاحت کر کے رقم لی جائے تو صرف کر سکتے ہیں، اور بلا ضرورت ایک پائی بھی درست نہیں ہے؛ بلکہ خیانت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## عورت ٹیچرنگ کر سکتی ہے؟

سوال: کیا عورت ٹیچرنگ کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

عورت لڑکیوں کو یا چھوٹے بچوں کو تعلیم دے سکتی ہے، اور اگر بڑے لڑکوں کو حجاب کے شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے تعلیم دے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ تعلیم جائز امور کی ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## موجودہ دور میں لڑکیوں کے مدارس کا حکم

سوال: علمائے دین اور مفتیان شرعِ متین سے دریافت کرنا ہے کہ آج کل

کے مروجہ مدارس البنات شریعت کی پاک روشنی میں جائز ہیں یا نہیں؟ مسئلہ ہذا اس وجہ سے پیشِ خدمت ہے کہ بندہ کی ناقص نگاہ میں مزاجِ شریعت کے مخالف اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون ہی سے اجتماعِ نساء للصلوٰۃ کو بوجہ خطرۂ فتنہ روکا گیا، ۱۴۰۰ سال کے بعد یہ فتنہ بدرجہ اولی بلکہ یقینی ہوگا، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب وقت قلیل کے لیے بوجہ اندیشۂ فتنہ اجتماع کی ممانعت ہے، تو وقتِ طویل کے لیے بدرجہ اولی ممانعت ہوگی، نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قاعدہ بیان فرمایا کہ کسی چیز میں جب نفع موہوم ہو اور خطرہ یقینی ہو تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ اس مروجہ شکل میں نفع موہوم نہیں ہے؛ بلکہ یقینی ہے، تو خطرہ بھی اس زمانہ میں خاص طور پر یقینی ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب اباحت اور محظور جمع ہو جائیں تو محظور کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا جائز نہ ہونا چاہیے، نیز بہت سی بالغ اور نابالغ لڑکیاں مسافتِ سفر سے زیادہ مقدار طے کر کے آتی ہیں، تو سوال ہے کہ بغیر محرم کے ان کا قیام ان دار الاقامات میں جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بہت سی لڑکیاں اپنے گھر رہ کر ضروری تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، لہٰذا اپنے والدین، بھائی بہنوں کو چھوڑ کر گھر سے نکلنا بغیر ضرورت کے شرعاً کیسا ہے؟ ہاں جن لڑکیوں کی تعلیم کی فرض مقدار گھر پر پوری نہیں ہو سکتی، تو ان کے نکلنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن یہ گنجائش مطلق نہیں رہے گی؛ بلکہ مقید رہے گی، اس قاعدہ کی وجہ سے ''الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ'' لہٰذا ان مدارس البنات میں فرض مقدار سے زائد دورۂ حدیث تک نصابِ درس کا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کے لیے لڑکیوں کو روکنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے درخواست ہے کہ مسئلہ ہذا کی

پوری وضاحت بیان فرمائیں، اور ادلۂ شرعیہ کو بھی بیان فرما کر اپنی فقاہت سے دل کے تمام سوالات کو رفع کر کے مسئلہ کو الم نشرح فرمائیں گے اور شکریہ کا موقع دیں گے، عین نوازش ہوگی۔ بينوا توجروا فجزاكم الله أحسن الجزاء.

| | |
|---|---|
| إذا ما اعتز ذو علم بعلم | فعلم الفقه أولى باعتزاز |
| فكم طيب يفوح ولا كمسك | وكم طير يطير ولا كباز |

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

باسمہ تعالیٰ محترمی زید احترامہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جن امور کی نشاندہی فرمائی ہے، انہی امور کی وجہ سے مدارس البنات کے قیام پر احقر کو بھی تأمل رہا، اور اب تک اطمینان نہیں ہوا، اپنے بعض اکابر کے سامنے ان باتوں کو پیش بھی کیا، تو انہوں نے آخری علت کی بنیاد پر گنجائش دی، نیز اب جب کہ مسلمانوں میں عام رجحان لڑکیوں کو اسکول، کالج میں بھیجنے کا پیدا ہو چکا ہے اور اس کی وجہ سے وہ غیروں کی شکار ہو کر اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں تو اس کے سدِ باب کے لیے مدارس البنات کا قیام اہون البلیتین شمار کیا جا سکتا ہے۔ فقط والسلام

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ر محرم ۱۴۱۴ھ

## عورتوں کو کمیٹی کا ممبر بنانا

سوال: (۱) عورت کو اسلامی ادارے مثلاً مسجد، مدرسہ، اسلامی اسکول میں

بحیثیت بورڈ ممبر منتخب کرنا کیسا ہے؟ منتخب شدہ بورڈ ممبر مرد اور عورت کا بلا حجاب ملنا، میٹنگ کرنا کیسا ہے؟

(۲) اسلامی اسکول میں مہتمم (پرنسپل) کا عورتوں اور مردوں کو ایک کمرہ میں جمع کرکے بلا حجاب دینی تعلیم یا درس، تقریر کرنا کیسا ہے؟ کیا سب شرکت کرنے والے گنہگار ہوں گے یا مہتمم (پرنسپل)؟

(۳) اگر شرعاً عورت کا انتخاب جائز نہیں پھر بھی اسلامی ادارے میں منتخب کرلیا گیا، اور عورت کو ہٹانا مشکل ہوگیا تو سوال یہ ہے کہ

(الف) اس عورت کا منتخب ہونا قبول کرلیا جائے، اور گناہ صرف انتخاب کرنے والے کو ملے،

(ب) کیا احتجاجاً دوسرے ممبران استیفاء (استعفاء) دیں،

(ت) یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے۔

## عورتوں کی خلافت وقیادت

سوال: (۴) پاکستان میں بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنی، اس کے بارے میں ہمارے علماء کی کیا رائے تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ایسے امور میں جن کا تعلق عورتوں سے ہو، بوقتِ ضرورت گاہے گاہے عورتوں سے مشورہ لیا جاسکتا ہے، اور اس سلسلہ میں حدیبیہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لینے (کمافی المقاصد الحسنۃ: ۲۴۶) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لینے (کما فی الشامی علی الدر ۲/۴۳۲) سے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے لیے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ وہ عورت صاحب فضل وکمال ہو، (کما فی المقاصد)۔ لیکن کسی عورت کو بورڈ کا ممبر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مستقلاً یہ حیثیت دی جا رہی ہے جس کے نتیجہ میں اس عورت کا مردوں کے ساتھ اختلاط لازم آوے گا، جو مقاصد شرع کے صراحۃً خلاف ہے، اور یہ چیز فتنہ کا بھی باعث ہے، وہ تمام کام جن کی انجام دہی میں یہ محذور لازم آتا ہو، شریعت نے عورت کے لیے درست قرار نہیں دیے۔

لأن النساء أمرن بالقرار في البيوت فكان مبنى حالهن على الستر. (شامي ۱/۴۰۵) وفى الأشباه من أحكام الأنثى اختار فى المساير جواز كونها نبيةً لا رسولة. (درمختار)(قوله بناء حالهن على الستر) اى والرسول يحتاج إلى مخالطة الذكور بالتعليم وإقامة الحجج عليهم وغير ذلك مما لا يكون إلا من الذكور.(شامي۳۹٦/٤)

وأما اذان المرأة لأن المؤذن يستحب له أن يشهر نفسه ويؤذن على المكان العالى ويرفع صوته، والمرأة منهية عن ذلك كله. (زيلعى ۹٤/۱)

(۲) بلا حجاب مل کر بیٹھنا ممنوع ہے، اس لیے تمام شرکاء گنہگار ہوں گے؛ البتہ مہتمم کو دوہرا گناہ ہوگا کہ خود شریک ہونے کے علاوہ تمام ممبران کے اس طرح بلا حجاب مل کر بیٹھنے کا ذریعہ اور داعی بنا۔

(۳) اس کو روکنے کی ممکنہ تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۴) ہمارے موجودہ اکابر میں سے ایک فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن

صاحب گنگوہی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) کا ایک تفصیلی فتوی اس موضوع پر فتاوی محمودیہ جلد دہم (از ۱۲۱ تا ۱۳۱) میں بعنوان عورت کی خلافت وامامت موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں، ان کی رائے کا خلاصہ عدم جواز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

## کسبِ معاش کے لیے عورت کا نکلنا

سوال: یہاں کینڈا میں کسی کی تنخواہ بہت زیادہ ہوتی ہے اور کسی کی کم، میری تنخواہ بہت کم ہے، ۹۰۰/ ڈالر مجھے ملتے ہیں، ۲۰۰/ ڈالر بچے کو گورنمنٹ کی طرف سے ملتے ہیں، جس میں ۷۰۰/ ڈالر گھر کا کرایہ ادا کرنا ہوتا ہے، ۱۰۰/ ڈالر میں کام پر جانے کا کرایہ میں خرچ ہوجاتا ہے، باقی پیسہ سے گھر کا خرچ چلانا بہت مشکل ہوتا ہے، کیا اس صورت میں بیوی کام پر جاسکتی ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ میرے ساتھ جو ایک صاحب کام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عورت کا کام پر جانا حرام ہے، کیا اسلام میں عورت کا کام پر جانا منع ہے؟ اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہاں پر اگر کسی کی تنخواہ کم ہو تو یہاں کی گورنمنٹ مدد کرتی ہے، کیا اس صورت میں مدد لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت اسلامیہ نے عورت کی کفالت کی ذمہ داری شادی سے پہلے اس کے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر ڈالی ہے، اور عورت کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکلے؛ لہٰذا کسبِ معاش کے لیے عورت کا نکلنا جائز

نہیں ہے۔(فقہی مقالات ۱/ ۲۴۸)

تنخواہ کم ہونے کی صورت میں گورنمنٹ جو مدد کرتی ہے اگر آپ ان شرائط پر پورے اترتے ہیں تو آپ کے لیے بھی اس مدد کا حاصل کرنا ان شرائط کی رعایت کے ساتھ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## عورت کا پردہ کے ساتھ اسکوٹر چلانا

سوال: کسی لڑکی کا یا کسی عورت کا پردہ کے ساتھ اسکوٹر چلانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پردہ کے حکم شرعی کا مقصود اصلی یہ ہے کہ غیر محرم اجنبی لوگوں کی نگاہوں سے عورت اور اس کے محاسن مستور رہیں، اگر کوئی عورت برقعہ پہن کر اسکوٹر چلاتی ہے تب بھی کما حقہ پردہ حاصل نہیں ہوتا اور حکم پردہ کا مقصد اصلی بھی فوت ہو جاتا ہے، اس کا اسکوٹر چلانا ہی مردوں کو اپنی طرف دعوت نظارہ دینے کے لیے کافی ہے، جب کہ شریعت مطہرہ نے بجنے والا زیور پہننے سے بھی عورت کو منع کیا ہے، خوشبو لگا کر نکلنے والی عورت کو زانیہ قرار دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## دینی پروگرام میں شرکت سے بے پردہ عورتوں کو روکنا

سوال: ہمارے یہاں ہر ہفتہ عورتوں کے لیے بیان وغیرہ دینی پروگرام رہتا

ہے، اس پروگرام میں دو قسم کی عورتیں شریک ہوتی ہیں:

① وہ عورتیں جو ایسے دینی پروگرام کے لیے پورے حجاب کے ساتھ چہرہ چھپا کر گھر سے نکلتی ہیں۔ ② وہ عورتیں جو ایسے پروگرام کے لیے گھر سے نکلتی ہیں؛ مگر چہرہ چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ کیا ان دونوں قسم کی عورتوں کے لیے ایسے دینی پروگرام کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے؟ اگر دونوں قسموں کے لیے یا ایک کے لیے جائز نہیں ہے تو پروگرام کا انتظام کرنے والوں کے لیے ان کو روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

پروگرام کا انتظام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس پروگرام میں شرکت کرنے والی عورتوں کو تمام شرعی ہدایات کی رعایت کرتے ہوئے اس پروگرام میں شریک ہونے کی تاکید کریں، اس کے بعد بھی اگر کوئی عورت ان شرعی ہدایتوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پروگرام میں شریک ہوگی تو اس کی ذمہ داری پروگرام کا انتظام کرنے والوں پر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بڑی عمر میں بھی ماموں زاد بہن سے پردہ ہے

**سوال**: میری عمر ۴۳؍سال کی ہے، میرے ماموں کی بیٹی ۶۲؍سال کی ہے اور وہ بچپن سے یتیم ہے، اور ہماری والدہ کے پاس رہتے آئی ہے، اور ہم لوگ آٹھ بھائی بہن ہیں اور میں سب سے چھوٹا ہوں، ہماری ماموں زاد بہن نے ہمارے سب سے بڑے بھائی سے لے کر میرے تک سب کی پرورش کرنے میں مدد کی ہے،

یہاں تک کہ ہمارا پیشاب پاخانہ بھی دھویا ہے، تو کیا اب اس عمر میں انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے پردہ کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے ماموں کی بیٹی آپ کے لیے نامحرم ہے؛ اس لیے اس سے پردہ ضروری ہے، عمر بڑی ہو جانے کی وجہ سے پردہ کا حکم ختم نہیں ہو جاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## بہو سے پردہ ضروری نہیں

سوال: کیا میری بہو سے پردہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہو محرم ہے؛ اس لیے پردہ ضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## شوہر کے لڑکے سوتیلی ماں کے حق میں محرم ہیں

سوال: (۱) ایک شخص کی پہلی بیوی انتقال کر گئی ہے، اس کے دو بیٹے ہیں، باپ نے دوسری شادی کی ہے، دوسری بیوی کے کوئی اولاد نہیں ہے، اب بچوں کا باپ بھی انتقال کر گیا ہے، تو کیا یہ دونوں لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے محرم ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) مثلاً کسی شخص نے دوشادیاں کی ہے، اور دونوں بیویوں کو اولاد میں لڑکے ہیں، باپ کی حیاتی میں یا باپ کے وصال کے بعد ایک بیوی کے بچے دوسری بیوی کے محرم شرعاً ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) جی ہاں! صورت مسئولہ میں یہ دونوں لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے محرم ہیں۔

درمختار شامی میں ہے: وزوجة أصله وفرعه مطلقا ولوبعيدا، دخل بها أو لا. (درمختار) (قوله وزوجة أصله وفرعه) لقوله تعالىٰ: ﴿ولاتنكحوا مانكح اٰباؤكم﴾، وقوله تعالىٰ: ﴿وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم﴾ إلخ (۲/۳۰۲)

(۲) صورت مسئولہ میں اس آدمی کی دونوں بیویوں کی اولاد جو اس آدمی سے ہے، اپنی سوتیلی ماں کے حق میں محرم ہیں۔ (حوالۂ بالا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# تصویر کشی اور متعلقہ مسائل

## تصویر کشی کا حکم

(سوال): فی الشرع تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی ایسی جگہ یا مدرسہ کی تصویر لی گئی جہاں صف میں بالغ اور نابالغ دونوں موجود ہوں، اور وہ تصویر اس جگہ یا مدرسہ کے مفاد میں ہو، مثلاً اس کا فوٹو بنوا کر عوام الناس کے سامنے پیش کرنا ہے؛ تا کہ ان کی

توجہات مدرسہ کی طرف ہو؛ نیز ساتھ میں مدرسہ کی تصویر بھی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تصویر کشی اور تصویر سازی کسی جاندار کی کسی حال میں جائز نہیں، صرف غیر ذی روح بے جان چیزوں کی تصاویر بنا سکتے ہیں۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۰۸،۲۰۹) صرف مکان یا مدرسہ کی تصویر لی جائے، جانداروں کی تصویر نہ لیں، عذر مسئول فی السوال شرعاً معتبر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ذی روح کی تصویر

سوال: غیر ذی روح کی تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ اور غیر ذی روح کی تصویر کے ساتھ ذی روح کی بھی تصویر ایسے طریقہ سے لی جائے کہ ذی روح کی تصویر اور شکل وصورت نمایاں نہ ہو، مثلاً دور سے تصویر کھینچی جائے اور بالغوں اور نابالغوں کو مدرسہ کی عمارت کے سامنے کھڑا کر دیا تو ایسی صورت میں شکلوں اور صورتوں کی شناخت نہیں کی جا سکتی کیا حکم ہے؟ اور اجرت سودی رقم سے دینا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، جاندار کی تصویر بنانے اور فوٹو لینے کی اجرت لینا دونوں ناجائز ہیں۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۳۷) سودی رقم سے بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# کشیدہ کاری میں جاندار کی تصویر بنانا

سوال: یہ ہمارا ریگستان علاقہ ایک پسماندہ علاقہ ہے، ابھی سرکار نے کشیدہ کاری کا کام شروع کروایا ہے فلاح کے لیے جس کو عموماً مسلم خواتین جانتی ہیں اور دستی کام ہونے کی وجہ سے وہ ماہر بھی ہیں اور ذریعہ معاش بھی اکثروں کا کشیدہ کاری ہے، مسئول مطلوب اب تک اس میں کئی قسم کے آئٹم ہوتے ہیں، جس میں ہاتھی کی شکل، اونٹ، سور وغیرہ جو پلاسٹک کے لیے کٹائے ہوتے ہیں، وہ ان کو کپڑے پر گوٹھے کر لیتی، چاروں طرف سے کشیدہ کر کے پھر اس پر ستارو کانچ کی ٹکیہ وغیرہ لگا دیتی ہیں؛ تاکہ وہ شتردار ہو جائے اور ایسا ہی آڈر ہوتا ہے تو یہ کسب بت گری میں تو نہیں آتا؟ جو حکم ہو از روئے شریعت کے، مرقوم فرماویں، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید علم کے فیوض و برکات و انوارات سے نوازے، وفلاح دارین عنایت فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی جاندار کی تصویر بنانا چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، کشیدہ کاری کی شکل میں ہو یا پینٹ کے ذریعہ؛ بہر حال حرام ہے۔

واعلم: أن فعل التصوير حرام مطلقاً- أي تصوير الحيوان- سواء كانت صغيرة أو كبيرة، مجسمة أو سطحة، ممتهنة أو موقر. (فیض الباری ٤/٣٨٣،٣٨٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٩/ شوال المکرم ١٤٠٩ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کعبہ کے فوٹو میں انسانوں کی تصویر ہو تو رکھنا کیسا ہے؟

سوال: اکثر کعبہ شریف کے فوٹو فریم ہو کر جس میں انسانوں کی بھی صاف تصویریں نظر آتی ہیں، لوگ اس کو خرید کر مسجدوں میں لگاتے ہیں، تو کیا یہ اس حدیث کی خلاف ورزی نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کی تصویر لگانے سے منع فرمایا ہے، مدلل مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ان انسانی تصویروں کے اعضاء بھی نمایاں ہیں تو ان کا لگانا جائز نہیں۔

ولا یکرہ (إلیٰ قوله) أو كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما، وهي على الأرض، ذكره الحلبي. (درمختار علی ھامش الشامي ۱/۴۷۹)

اور اس صورت میں نماز بھی مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قبر کی تصویر لینا

سوال: قبرستان میں جا کر فوٹو کھینچ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صرف قبر کی تصویر لی جاسکتی ہے۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

# کعبۃ اللہ کی تصاویر والی چٹائیوں پر قدم پڑنے سے بے حرمتی کا وہم

(سوال): ایک شہر کی ایک سوسائٹی میں مسجد میں مصلیوں کے واسطے نماز کیلیے جو چٹائیاں بچھائی گئی ہیں ان میں کعبۃ اللہ کی تصویریں ہیں، ایک چٹائی پر تقریبا بیس تصویریں ہیں۔ ایسی چٹائیاں پانچ اور ہیں، اس حساب سے تقریبا سو تصویریں بنتی ہیں جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو کعبۃ اللہ کی تصویریں ہی تصویریں نظر آتی ہیں، نمازی آتے ہیں اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے، اسی طرح جماعتیں آتی رہتی ہیں، ان تمام کے قدم کعبۃ اللہ کی تصویروں پر پڑتے ہیں بظاہر بے ادبی اور بے حرمتی کا خیال آتا ہے جس سے طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے، اسی جذبہ کے تحت ایک آدھ مرتبہ ذمہ داروں سے بات کی مگر جواب یہ ملا کہ جائز ہے یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جواب طلب امر یہ ہے جائز تو ہے مگر کعبۃ اللہ کی بے حرمتی تو نہیں؟ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہے کہ کالے رنگ کی جوتیاں اس لیے استعمال نہیں فرماتے تھے کہ کعبۃ اللہ کا غلاف کالا ہوتا ہے تو مذکورہ چٹائیاں بچھانا مناسب ہے کہ نہیں؟

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

بچھا کر استعمال کی جانے والی چیزوں میں سے جائے نماز ایک ایسی چیز ہے جس کا ادب احترام کیا جاتا ہے، گویا اس کو جائے نماز قرار دینا اس کے قابل تعظیم ہونے کی علامت ہے، اس لیے اس پر اگر کعبۃ اللہ کی تصویر بنی ہوئی ہو چاہے سجدہ کی جگہ پر

ہو یا جہاں پاؤں رکھے جاتے ہیں وہاں ہو، دونوں صورتوں میں اس تصویر کی اہانت نہیں۔

ہدایہ کی شرح ''فتح القدیر'' میں ہے: وجه ما فى الأصل ان المصلى:اى السجادة التى يصلى عليها معظم فوضع الصورة فيه تعظيم لها حيثما كانت منه، بخلاف وضعها على البساط الذى لم يعد للصلاة.

(فتح القدير مع العناية١/ ٤١٤، ٤١٥)

''عنایہ'' شرح ہدایہ میں ہے: وجه ما فى الأصل ما ذكره ان المصلى اليه معظم بلفظ المفعول فيهما،ومعنا ه ان البساط الذى اعد لصلاة معظم من بين سائر البسط،فاذا كان فيه صورة كان نوع تعظيم لهاونحن امر نا باهانتها فلاينبغى ان يكون فى المصلى مطلقا سجد عليهااو لم يسجد (عنايه مع فتح القدير ١/٤١٥)

اگر کوئی آدمی نماز کے ارادے سے اس جائے نماز پر بیٹھتا ہے تو چاہے بیٹھنے کے دوران کعبۃ اللہ کی تصویر اس کے نیچے آتی ہو، پھر بھی وہ اس کی توہین اور بے حرمتی شمار نہیں ہوگی۔ جیسے کوئی آدمی خود کعبۃ اللہ میں جا کر نماز پڑھے تو یہ اس کی بے ادبی اور توہین نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنا اور خطبہ دینے کے لیے کعبۃ اللہ کے دروازہ پر کھڑا ہونا ثابت ہے، تو جب اصل کعبہ کے ساتھ یہ معاملہ درست ہے تو اس کی تصویر کے ساتھ اس معاملہ کو بے ادبی پر کیوں محمول کیا جائے؟

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت فرما کر آپ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ بالفرض اگر وہ صحیح اور ثابت بھی ہو تو یہ ان کا ایک حال ہے جس کا دوسروں کو پابند نہیں بنایا جا سکتا، آپ خود بتلائیں کیا آپ نے کبھی سیاہ

رنگ کی جوتیاں استعمال نہیں کیں؟ اس لیے آپ کی طبیعت پر پڑنے والا بوجھ آپ کا ایک حال ہے دوسرے حضرات کو اس کی وجہ سے شریعت کی دی ہوئی سہولت و رخصت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## ڈیجیٹل فوٹو گرافی تصویر سازی کے حکم میں ہے

سوال: میں کمپیوٹر پر فوٹو گرافی، فوٹو مکسنگ (photomixingphotography) کرتا ہوں۔ جو فوٹو گرافر ہوتے ہیں وہ فوٹو کھینچ کرلاتے ہیں، اور ہمیں دیتے ہیں اور ہم لوگ اسے mixing کرتے ہیں، یعنی کمپیوٹر پر تین یا چار فوٹو جو الگ الگ ہوتے ہیں، انہیں ایک ہی سین (picture) میں لاکر mix کرتے ہیں جسے ہم digital mixing کہتے ہیں، اور کوئی پرانا whiteblack فوٹو ہوتا ہے اسے colour میں بناتے ہیں، کیا یہ کام شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ کام چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں؟ اور جس مشین سے فوٹو نکلتا ہے اس مشین کو operating یعنی اس پر کام کرنا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم فوٹو نہیں کھینچتے تو کیا یہ تصویر سازی ہوگی؟ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ کام میں اکیلے نہیں مجھ جیسے کئی مسلمان کرتے ہیں، کیا یہ ان کے لیے ٹھیک ہے؟ کیا اس میں ان کا مال شرعاً حلال ہوگا یا حرام؟ بہت سے مسلمان فوٹو گرافی کرتے ہیں، فوٹو کھینچتے ہیں، کھینچواتے ہیں، آپ فوٹو گرافی جو آج کل مسلمان کر رہا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھ کر بتایئے چاہے وہ کیمرہ سے ہو یا

کمپیوٹر سے۔

اور میرے لیے تو یہ بہت پیچیدہ اور سنجیدہ معاملہ ہو گیا ہے، مجھے اس کام کے سوا دوسرا اور کچھ نہیں آتا، اور میری اس فلڈ میں پہچان بہت ہے اور کمائی بھی، اور اگر میں دوسرا کام ڈھونڈتا ہوں تو مجھے دوسرے کام میں جمتے وقت لگے گا اور مجھے اتنی آمدنی بھی نہیں ہوگی، اگر میں کام چھوڑ کر دوسرا کام سیکھوں یا کروں تو میرے سر پر چار لوگوں کی ذمہ داری ہے جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے میری بیوی، نانی اور دو بچے ہیں۔

رہا ایجوکیشن کا سوال تو میں بارہویں ناکامیاب ہوں، کمپیوٹر کا کوئی Diploma ہاتھ نہیں ہے، میں ایک غریب گھر سے ہوں، مجھے یہ جو P.D.T کا کام کالج کرتے وقت کام کرتے کرتے حاصل ہوا، اب آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ اگر یہ میری مجبوری ہے تو میری آخرت کا کیا ہوگا، اور اگر اس گناہ کو گناہ سمجھ کر کروں تو میرا حشر کیا ہوگا؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تصاویر کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۷۸)

آپ کا یہ کام یعنی ڈجیٹل فوٹو گرافی یہ بھی تصویر سازی ہی کی ایک قسم ہے؛ اس

لیے شرعاً حرام اور ناجائز ہے، اس کے ذریعہ حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حلال نہیں، آپ کو چاہیے کہ کوئی دوسرا ذریعۂ معاش جو حلال ہو اس آدمی کی طرح تلاش کریں جس کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہوتا، اور اس کے حاصل ہونے پر موجودہ ذریعۂ معاش کو چھوڑ دیں، اور جب تک دوسرا ذریعۂ معاش نہ ملے اور اس کو اختیار نہ کرلیں وہاں تک موجودہ ذریعۂ معاش کو حرام سمجھتے ہوئے استغفار اور توبہ کا اہتمام جاری رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ تعلیم دینا کیسا ہے؟

سوال: ویڈیو پر کوئی آدمی دنیوی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ آج کل قریوں (گاؤں) میں رہنے والے لڑکوں کو حکومت ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ تعلیم دیتی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کالج میں یہ پروفیسر یا لکچرر پڑھاتا ہے اور اس کے سبق کو سننے کے لیے چند آدمی بیٹھتے ہیں، اور ادھر ویڈیو کیسٹ میں پورا اتار لیا جاتا ہے پھر قریوں میں ان کیسٹوں کو بھیج کر طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے تو کیا اس طرح پڑھنا، پڑھانا درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ ہو اور فوٹو ذی روح کا ہو تو اس کا بنانا، دکھانا وغیرہ حرام اور ناجائز ہے، اور اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ سے نہیں بلکہ صرف عکس کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو جو چیزیں اس میں سنائی دے رہی ہیں یا نظر آ رہی ہے اگر ان کا دیکھنا یا سننا بغیر

اس کے بھی جائز ہے تو اس میں بھی جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (ماخوذ از منتخبات نظام الفتاوی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان

سوال: یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان کیا ہے؟ اس کی نشان دہی فرما کر بندہ کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان کیا ہے اس کی کوئی تصریح ہمارے فتاویٰ کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزری؛ البتہ دیگر معلومات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نصاریٰ صلیب کو اور یہود شش کونہ والے ستارے کو مذہبی نشان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## گھر میں تصویر اور کلمۂ طیبہ کو جاندار کی صورت میں بنانا

سوال: ایک قریبی رشتہ دار کے گھر میں ایسی تصویر لگی ہوئی ہے جس میں ایک عورت بچے کو گود میں لے کر قرآن شریف پڑھا رہی ہے، اور وہ تصویر دیوار پر لگی ہوئی ہے، اس گھر میں نماز پڑھتے ہیں، تو کیا نماز صحیح ہوگی؟ وہ لوگ نماز ہو جاتی ہے کہتے ہیں، اور دوسری تصویر ایسی ہے جو لا الہ یعنی کلمۂ طیبہ اور دیگر الفاظ کے ذریعے تصویر بنا کر اس کو حالتِ تشہد میں بٹھایا ہے، تو یہ تصویر لگی ہوئی ہونے کی صورت میں نماز

ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی اور ان کو کس طرح سمجھا یا جائے؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

تصویر کا گھر میں لگانا حرام ہے، جس گھر میں تصویر لگی ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اس لیے وہ تصویر قرآن گود میں لیے ہوئے عورت کی ہو تب بھی حرام ہی ہے۔

جس کمرہ میں وہ تصویر ہے اس میں نماز مکروہ ہے، اب اگر سامنے ہے تو اس میں کراہت زیادہ ہے۔

کلمۂ طیبہ کو جاندار کی تصویر کی صورت میں بنانا یہ اس کلمہ کی توہین ہے، اس میں کفر کا اندیشہ ہے، توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/شوال ۱۴۱۷ھ

## اخبار میں تصویر شائع کرنا

(سوال): تصویر کشی اور اس کی اشاعت کی شریعت میں کیا قباحت ہے؟ مثال کے طور پر کسی اخبار نے کسی حادثہ کی خبر شائع کی اور اس میں اپنے وفد یا جماعت کی تصویر بھی جلی طور پر شائع کی، اور حال یہ ہے کہ وہ اخبار ہفت روزہ ہے اور ایک عالم کی ادارت میں نکلتا ہے، اور اس کی اشاعت ایک نام نہاد مشن کے پلیٹ فارم سے ہوتی ہے، تو کیا ایسی شکل میں تصویر کشی اور پھر اس کی اشاعت کا شرعی جواز حاصل ہے یا ناجائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

**جاندار کی تصویر کھینچنا اور اس کو اخبار میں شائع کرنا دونوں امور اسلام میں حرام ہیں۔**

عن عبدالله قال: سمعت النبيﷺ يقول: أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون.(بخاری) عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم أحيوا ما خلقتم. (بخاری)

جاء رجل إلى ابن عباس رضى الله عنهما فقال: إنى أصور هذه الصور فافتنى فيها، فقال له: أدن منى ثم اعادها فدنا منه فوضع يده على رأسه، فقال: أنبئك بما سمعت رسول اللهﷺ يقول: كل مصور فى النار، يجعل له بكل صورة نفس فتعذ به فى جهنم، وقال: إن كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس له.(مسلم)

**مسئلۂ تصویر کے بارے میں جمہور امت کا اجماع اور ائمۂ اربعہ کا مذہب شرح بخاری ''عمدۃ القاری'' میں بالفاظ ذیل منقول ہے:**

وفى التوضيح: قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صور الحيوان حرام أشدالتحريم وهو من الكبائر سواء صنعه لما لم يمتهن أو لغيره فحرام لكل حال لأن فيه مضاها بخلق الله، وسواء كان فى ثوب أو بساط أو دينار أودرهم أو فلس أو إناء أو حائط وأما ما ليس فيه صور حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام الخ.(عمدة القاری٤/٧٠٢)(بحوالہ جواہر الفقہ ٣/٢٠٢)**فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٣/محرم الحرام ١٤١٨ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# فلم بندی والے دینی پروگرام میں شرکت کرنا

سوال: بعض مرتبہ دینی پروگراموں کے لیے اسٹیج سجایا جاتا ہے، جس میں مشائخ علمائے کرام شریک ہوتے ہیں، اور اس میں فوٹو کیمرہ اور ویڈیو کیمرہ کے ذریعہ فلم بندی ہوتی ہے، شریک ہونے کا کیا حکم ہے؟ ملحوظ رہے کہ علمائے کرام کی جانب سے کوئی مزاحمت یا ممانعت یا ادنیٰ سی ناگواری بھی مشاہد نہیں ہوتی، جس سے سیدھی سادی عوام کو جواز کا وہم ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جس پروگرام کی فلم بندی بہ ذریعۂ کیمرہ یا ویڈیو کی جارہی ہے، اس میں شرکت ناجائز اور حرام ہے۔ علما اور مشائخ کے لیے اس کی شناعت اَور زیادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# ویڈیو کیسٹ بنانے کا حکم

سوال: (۱) ویڈیو کیسیٹ بنانا کیسا ہے؟

(۲) ایک آدمی نے مدرسہ کی تعمیرات میں پیسا صرف کیا۔ گاڑی بھی دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ مدرسہ کے عمارت کا فوٹو بچوں کے ساتھ کھینچے تو کیا حکم ہے؟ جب کہ مدرسہ کے مدرسین نے بچوں کے ساتھ فوٹو لینے کو منع کیا ہے۔ اور کہا کہ اگر چاہیں تو عمارت کا فوٹو لے سکتے ہیں براہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جاندار کا ویڈیو کیسیٹ بنانا جائز نہیں ہے۔

② جان دار کی تصویر حرام ہے۔ جن صاحب نے مدرسہ کی امداد فرمائی ہے ان کو بتلایا جائے آپ نے مدرسہ کی جو امداد فرمائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہے، اسی اللہ تعالیٰ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصویر سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ تصویر سے بچیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ، "لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق" (جس کام کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو ایسے کام میں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی) صحیح بخاری شریف میں ارشاد نبوی ہے، "ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون" (سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے) ایک اور ارشاد ہے، "ان الّذین یصنعون هذه الصور یعذبون یوم القیامة یقال لهم احیوا ما خلقتم" (بخاری شریف) (یہ لوگ جو تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے پیدا کی ہے اس میں جان بھی ڈال دو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ان الملائكة لا تدخل بیتا فیه الصور" یعنی اس مکان میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# تصویر، ٹی وی اور موسیقی کا حکم

سوال: مہربانی فرماکر بندہ کہ یہ چند سوالات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل فرماکر واضح کرکے جواب فرمائیں اور شریعت کا کیا حکم ہے اس کے بارے میں؟

① فوٹو کے بارے میں؟

② میوزک کے بارے میں؟

③ ٹیلی ویژن کے بارے میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تصویر کی حرمت منصوص ہے اس کے مفصل احکام کے لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" جو "جواہر الفقہ حصہ سوم" میں ۱۶۷ تا ۲۴۲ موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیجئے۔

② موسیقی حرام ہے، بحیثیت علم وفن اس کا سیکھنا بھی حرام ہے۔ (درمختار مع الشامی ۱/۳۴) اس کا سننا بھی حرام ہے اور بجانا بھی۔ (درمختار مع الشامی ۵/۲۴۶) اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ کشف العناء عن وصف الغناء کا مطالعہ کیجئے یہ رسالہ احکام القرآن للتھانوی جلد ثالث کے ۲۰۳ سے شروع ہوتا ہے۔

③ ٹی وی تصویر اور موسیقی کا مجموعہ ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے، اس موضوع پر بھی مستقل مضامین اور مقالات موجود ہیں، اس کا مطالعہ فرمالیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# ضبط تولید اور متعلقہ مسائل

## نسبندی حرام ہے

**سوال**: نسبندی کے بارے میں تفصیلاً حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں، اس طرح اس میں جو مسلمان ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں کیا ان کا یہ کام آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عطا فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خصی ہونا اولاد سے محرومی اور بے زاری اور کفران نعمت ہے یہ فعل نصاً حرام بھی ہے، حدیث میں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے معصیت سے بچنے اور دنیاداری سے بے فکر ہوکر خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کے مقصد سے خصی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی، اور قرآن شریف کی آیت تلاوت فرمائی: ﴿یایھا الذین اٰمنوالا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولاتعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین﴾ (بخاری ۲/۷۵۹) اس سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا یعنی قطع نسل کا عمل بہ نص قرآنی حرام ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے؛ لہٰذا یہ عمل بالاتفاق حرام ہے۔

(عینی شرح بخاری)

اور فقہا نے بھی لکھا ہے: اما خصاء الآدمی فحرام. (در مختار علی الشامي ۵/ ۲۷۵)

یعنی انسان کا خصی ہونا حرام ہے۔

آیت قرآنی ﴿لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق﴾ الخ کے ذیل میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے اس ارشاد سے اس معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں آج کی دنیا گرفتار ہے کہ کثرت آبادی کے خوف سے ضبط تولید اور منصوبہ بندی کو رواج دے رہی ہے، اس کی بنیاد بھی اسی جاہلانہ فلسفہ پر ہے کہ رزق کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ لیا گیا ہے، یہ معاملہ قتل اولاد کے برابر گناہ نہ سہی مگر اس کے مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف القرآن ۵ / ۴۹۳)

جب اس فعل کا ناجائز وحرام ہونا معلوم ہوگیا تو کسی مسلمان ڈاکٹر کے لیے اس کا ارتکاب جائز نہیں۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / شوال ۱۴۰۷ھ

# بچہ کی برابر پرورش نہ کرنے کے خوف سے عزل کرنا

سوال: میں پچیس سالہ شادی شدہ عورت ہوں، شادی کا دوسرا مہینہ چل رہا ہے، سسرال میں ہم آٹھ لوگ B/10 کے روم میں رہتے ہیں، بمبئی میں میں گریجویٹ ٹیچر ہوں، کانوینٹ سے پڑھی ہوں، دین میں بہت دلچسپی رکھتی ہوں؛ جہاں تک خدا توفیق دے، عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور دنیا کی لائن سے بھی جائز حدود تک میں واقف ہوں، مجھے بڑا کٹھن مسئلہ درپیش ہے، امید ہے کہ آپ اپنے فتویٰ سے میری تسکین فرمائیں گے۔

میرے گھر والے ''بستی'' کے ہیں، بھوجپوری زبان استعمال کرتے ہیں، گھر کا ماحول نہ دین کے لائن سے قابل برداشت ہے، نہ دنیا کے لائن سے ڈھنگ ہے جینے کا، صرف میرے شوہر جو کمپیوٹر انجینئر ہیں ٹھیک ہیں، جس گھٹیا ماحول میں ہم رہ رہے

ہیں، وہ بھی بچوں کی پرورش کے لیے بالکل صحت مند نہیں، دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، وہاں کے مسلم اذان سننے کو ترس جاتے ہیں۔ دوسری بات: دوسرا مکان لینے کے لیے ابھی وقت نہیں ہے کیوں کہ نیا بزنس ہے میرے شوہر کا، دو سے تین سال تو نیا گھر اچھے علاقے میں لینے کو لگ جائیں گے اور اس ماحول میں - جو جاہلانہ ہے - میں اپنی اولاد کی پرورش نہیں کر سکوں گی، اپنے ڈھنگ سے دین و دنیا کے میل میں ان کی پرورش نہ کر پاؤں گی، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ دو سال تک بچہ نہ ہونے دوں، بعد میں سوچ لیں گے، میں نوکری پیشہ عورت ہوں، اگر بچہ فوراً ہو گیا، تو وہ گھر کے ماحول میں رنگے گا، جو میں بالکل برداشت نہ کر سکوں گی، زبان بھی بھوجپوری سیکھ لے گا، بتائیے! میں اس مسئلہ کو کیسے حل کروں، میں بہت پریشان رہتی ہوں، دن رات اس بارے میں سوچتی ہوں، مجھے برائے کرم مہربانی! کوئی میرے حق میں ٹھیک فتوی دے کر تسکین فرمائیں اور بچوں میں فاصلہ رکھنا ایسی حالت میں کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورتِ مسئولہ میں آپ کے شوہر آپ کی اجازت سے عزل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، عزل کا مطلب یہ ہے کہ جماع میں انزال کے وقت عضو مخصوص کو باہر نکال لیں، جس کی وجہ سے انزال باہر ہو۔ (درمختار ۲/۴۱۱، ۴۱۲ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ضبطِ تولید شریعت کی نظر میں

سوال: آج کل سائنسی ترقی کی بناء پر ضبط تولید کے لیے عورتیں اپنی شرمگاہ

میں کوئی خاص چیز جو رسی کے طرح ہوتی ہے، لگالیتی ہیں، پھر جماع کرنے سے حمل نہیں ٹھہرتا ہے، پھر دو سال میں جب چاہتی ہیں نکال لیتی ہیں، پھر حمل ٹھہرنے لگتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہوگئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "وأد خفي" فرمایا ہے، یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کردینا۔ (کما رواہ مسلم عن حذافہ بنت وھب) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے، وہ ضرورت کے موقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری) (معارف القرآن ۸ / ۶۸۳) ضرورت کی تعیین کے سلسلہ میں اپنی رائے پر عمل نہ کرے؛ بلکہ وجہ ضرورت ظاہر کرکے سوال کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ / ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ضبطِ تولید کا حکم

سوال: توالد وتناسل کو بند کرنے کے لیے عزل کا طریقہ مشروع ہے، کیا اس کے علاوہ عصرِ حاضر میں دائمی طور پر آپریشن کرانا، یا عارضی طور پر جدید طور طریقہ

استعمال کرنا بلا عذر کے جیسے نرودھ یا گولی کا استعمال کیسا ہے؟ اگر کسی عورت نے کرالیا دائمی آپریشن، تو اس کی تلافی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ فیملی پلاننگ کب جائز ہے؟ اور عذر کب شمار ہوگا؟ جواب سے ممنون ومشکور فرمائیں تو عین کرم ہوگا۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ضرورت محسوس ہو تو بحالتِ عذر جب تک عذر باقی ہے، چند دن کے لیے ضبطِ حمل کی تدبیر ومعالجہ کرسکتے ہیں؛ لیکن بدون شرعی عذر کے بچہ دانی نکال کر دائماً اولاد سے محروم ہونے کی کوشش کفرانِ نعمت ہے۔

اگر عورت کی صحت خراب ہونے کی وجہ سے اس میں حمل برداشت کرنے کی قوت نہ رہی ہو، اور جان کا خطرہ ہو اور آپریشن کے بغیر چارۂ کار نہ ہو، اور اس کی اجازت مسلمان دیندار حکیم حاذق یا مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر دیتا ہو تو آپریشن کراسکتے ہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۲۳۴) عزل یا جدید طریقوں میں سے کوئی ایسا طریقہ جس کے نتیجہ میں نطفہ رحم میں نہ جائے، ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بذریعۂ آپریشن بچہ دانی نکال دینا

**سوال**: ہندہ زوجۂ زید کو تقریباً ڈیڑھ دو سال سے دم حیض بند تھا، علاج کے بعد وقتاً فوقتاً آتا رہا ہے، وہی شکایت کھڑی ہونے پر اطباء سے رجوع کیا گیا، ان کا کہنا یہ

ہے کہ بچہ دانی میں گانٹھ ہونے کی وجہ سے خون کا راستہ بند ہو گیا ہے، اس کا آپریشن کرنا ضروری ہے، ساتھ ہی ساتھ بچہ دانی نکلوانے کا بھی مشورہ دیا ہے، بتاتے ہیں اس وقت بائیں طرف گانٹھ ہے، آئندہ دائیں طرف ہونے کا امکان قوی ہے، اور یہ گانٹھ عرصہ کے بعد کینسر کا اثر بھی پیدا کر سکتی ہے، گانٹھ کی وجہ سے رحم دانی کا منہ کشادہ ہو گیا ہے، اس لیے استقرارِ حمل منہ بند نہ ہونے کی وجہ سے مشکل ہے، ڈاکٹروں نے زید سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ پہلے ہم گانٹھ نکالیں گے، پھر آپ کو رحم دانی کی حالت اور اس کی پوزیشن بتلائیں گے، آپ کو اگر تشفی ہوگی اور آپ حکم دیں گے تو ہم رحم دانی نکالیں گے، ورنہ آپ کی رائے پر چھوڑ دیں گے، تو دریں صورت از روئے شرع شریف زید کے لیے کیا حکم ہوگا؟ کیا زید ہندہ کی رحم دانی بھی نکلوانے پر آمادہ ہو جائے، یا پھر صرف گانٹھ کا آپریشن کرنے پر اکتفاء کرے؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

موجودہ صورتِ حال میں صرف احتمال ہے، اس لیے صرف گانٹھ کا آپریشن کرنے پر اکتفا کریں، آئندہ چل کر اگر واقعی جان کا خطرہ لاحق ہو اور بذریعۂ آپریشن بچہ دانی نکالے بغیر چارۂ کار نہ ہو اور اس کی اجازت مسلمان دین دار حکیم حاذق، یا مسلمان دین دار تجربہ کار ڈاکٹر دیتا ہو، تو آپریشن کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# کمزوری کی وجہ سے مانعِ حمل طریقہ کا استعمال

سوال: عورت بہت کمزور ہوگئی ہے، بچوں کی صحیح پرورش بھی نہیں کرسکتی، یا بچوں کی ولادت سے بہت زیادہ کمزوری آجاتی ہے، یا نطفہ ٹھہرنے کے بعد تین چار ماہ تک کچھ کھانا پینا مشکل ہوجاتا ہے، جس کے نتیجے میں خون کی کمی واقع ہوجاتی ہے، ان تمام وجوہات کی وجہ سے عورت اگر آپریشن کرلے جس کی وجہ سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، درست ہے یا غیر درست؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پرورش کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے، اگر وہ کمزوری کی وجہ سے نہیں کرپاتی تو باپ کو چاہیے کہ دایا کا نظم کرے، رہی کمزوری جو ولادت کے بعد آتی ہے تو یہ مرحلہ ہر عورت کو پیش آتا ہے؛ البتہ کمزوری اتنی زیادہ ہو جو مہلک ثابت ہوسکتی ہے، تو آپریشن نہ کرائے، وقتی طور پر مانعِ حمل طریقہ استعمال میں لاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/شعبان ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# حصول اولاد کے لیے رحم میں کیپسول رکھنا

سوال: اگر کوئی آدمی اس دور کے اندر جو دوائیں نکلی ہیں، کہ عورت کے پیٹ میں یا پھر بچہ دانی کے اندر اس طرح کا کیپسول رکھ دیا جاتا ہے، تو اس دوا کے اثر سے بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس طرح کا بچہ پیدا کرنا کیسا ہے؟ حرام کا ہوگا یا حلال؟ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ دوا ایسی ہے، جس کی وجہ سے عورت کے رحم کی قوتِ تولید اور صلاحیتِ استقرارِ حمل کو تقویت پہنچتی ہے، باقی بچہ تو اس عورت کے شوہر کے نطفہ سے ہی پیدا ہوتا ہے، تب تو اس دوا کا استعمال درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ کوئی دوسری صورت ہے، تو وہ کیا صورت ہے؟ اس کی تفصیل تحریر فرما کر حکم معلوم فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۶/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حصول ولد کے لیے مادۂ منویہ شرم گاہ میں رکھوانا

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی عورت کی شرمگاہ میں اس لیے گولی رکھتا ہے کہ اس کی عورت بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، مرد بھی برابر ہے؛ لیکن اس کی منی کے اندر وہ جراثیم نہیں جن سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اور ڈاکٹروں نے انکار کر دیا ہے کہ اب چاہے کتنی ہی دوا کراؤ؛ لیکن وہ جراثیم تمہاری منی کے اندر پیدا نہیں ہوں گے، اس صورت کے اندر ڈاکٹر لوگ کسی دوسرے کی منی لے کر اپنی عورت کی شرمگاہ کے اندر یا پھر بچہ دانی میں رکھتے ہیں، اور اگر اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ حرام کا ہوگا یا حلال کا؟ اور اس طرح کا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس سوال کا جواب مدلل اور تفصیل کے ساتھ مع حوالات کے جلد از جلد تحریر کیجئے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

غیر شوہر کا مادۂ منویہ لے کر اپنی بیوی کی بچہ دانی میں ڈاکٹروں سے رکھوانا حرام اور ناجائز ہے، زنا کو شریعت نے اسی لیے حرام ٹھہرایا کہ اس میں اختلاط اور اشتباہ نسب ہے، جو صورتِ مذکورہ میں پایا جاتا ہے؛ بلکہ خود شوہر کا مادۂ منویہ بھی اگر ڈاکٹروں کے ذریعہ اس کی بیوی کے رحم میں رکھوایا جائے، تو یہ بھی حرام اور ناجائز ہے؛ اس لیے کہ سترِ عورت فرض ہے، عورت کی شرمگاہ عورت غلیظہ ہے، شرمگاہ کے بالائی حصہ کو بلا وجہ شرعی دوسرے کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے، تو اندرونی حصہ کو دیکھنا اور شرمگاہ کو چھونا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ میاں بیوی سخت گنہگار ہوں گے اور شوہر از روئے حدیث دیوث بنے گا اور جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ (مشکوۃ ۲/ ۳۱۸ باب بیان الخمر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# عزل کی شرعی حیثیت

سوال: عزل کا حکم کیا ہے؟ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن کا نزول ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدت کے ساتھ ممانعت تو ثابت نہیں؛ البتہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے، پھر ناجائز کیوں ہے؟ کوپرٹی اور اس قسم کے دیگر ذرائع سے اگر ایک مدت تک افزائش نسل کو روک دیا جائے تو علماء منع کیوں کرتے ہیں، جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی صحت اور قوت کیسی رہ گئی ہے وہ بین ہے؟ اور ہر سال یا سوا سال بعد دوسرے بچہ کی پیدائش پر اول بچے کی نہ تو جسمانی پرورش صحیح طرح ہو سکتی ہے اور نہ

ہی اخلاقی تربیت صحیح ڈھنگ سے ہو پاتی ہے۔''اسلام میں حلال وحرام'' کتاب میں عزل کو جائز لکھا ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اس کا ترجمہ مرکزی مکتبۂ اسلامی سے شائع ہو چکا ہے، دلائل سے اس میں یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے، مصنف کا نام اس وقت یاد نہیں آرہا ہے اور کتاب بھی موجود نہیں، ہمارے یہاں قاسمی مفتی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں؛ مگر میرے بعض متعلقین کو اصرار ہے کہ عزل ناجائز ہے، بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عزل مکروہ ہے اور احادیث سے بھی کراہت کی تائید ہوتی ہے، سوال میں آپ کا جملہ ''البتہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے'' کا کیا مطلب ہے؟ جواز معلوم ہوتا ہے یا عدم جواز؟ آپ نے بات مبہم رکھی ہے، جب عزل کو ''وأد خفی'' بتلایا گیا ہے؛ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''مامن نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا هی كائنة'' (بخاری ۲/۷۸٤) کیا اس کی لغویت وکراہت ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں؟ آج کل جس نظریہ کے ماتحت افزائش نسل کو روکنے کے اسباب ووسائل اختیار کئے جارہے ہیں وہ نظریہ صراحتاً قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف اور شریعت مطہرہ سے متصادم ہے، آپ نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ میری نظر سے نہیں گذری، اس موضوع پر علمائے حق کی طرف سے بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# طالب علم کے لیے عزل کرنا

سوال: عزل اور ضبط تولید مطلقا جائز ہے یا اس کے بھی کچھ شرائط ہیں تو وہ کیا ہیں؟ اگر شادی شدہ طالب علم ضبط تولید کرنا چاہے اس بناء پر کہ اس کو تعلیم میں حرج ہوگا تو کیا اس کے لیے گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بوقت ضرورت عزل یا اسکے قائم مقام تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہے، آج کل عیش پرستوں نے اس کو فیشن بنالیا ہے، اس کی اجازت نہیں ہے۔(از فتاوی رحیمیہ ۲/ ۲۴۶)

دور حاضر میں نفس نکاح ہی تعلیم کے لیے حارج ہے، اس لیے جو آدمی حقیقی معنی میں طلب علم کی مصروفیت چاہتا ہو، اس کو چاہیے کہ نکاح کو فراغت تک مؤخر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ضبطِ تولید

سوال: زید کی بیوی ہندہ کو چار اولاد ہوئیں، ان میں سے صرف ایک ولادت نارمل ہوئی اور بقیہ تین ولادتیں بذریعۂ آپریشن ہوئیں، تیسرے آپریشن کے بعد غیر مسلم ماہر لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب اگر تم حاملہ ہوئی تو جان کا خطرہ ہے، تو ایسے طریقے اختیار کرو کہ حمل ہی نہ ٹھہرے، تو اب زید کیا کرے، اس غیر مسلم لیڈی ڈاکٹر کی بات مانے یا جو مقدر میں ہوگا اس پر عمل کرتے ہوئے احتیاط نہ کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ماہر مسلم ڈاکٹر بھی اس کی تائید کرتا ہو تو ایسے طریقے اختیار کرنا جس سے وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے اس کی اجازت ہے؛ البتہ ایسا آپریشن جو قوت تولید کو ختم کرنے والا ہو کرانے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## غلط نظریہ سے ضبط تولید کا آپریشن کرانا

سوال: بہت سے لوگ اس وجہ سے کہ بچے زیادہ ہوں گے تو کیسے پرورش ہوگی؟ کیسے پالیں گے؟ کیسے پڑھائیں گے؟ کہاں سے خرچ لاویں گے؟ حالاں کہ روزی کا مسئلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، صرف اس وجہ سے یہ لوگ بیوی کا آپریشن کروا دیتے ہیں، اور تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے، تو ان لوگوں کی نماز، روزہ قبول ہے یا نہیں؟ ایمان پختہ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس نظریہ سے آپریشن کرانا حرام ہے، ایمان کی کمزوری کی بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ضبط تولید کا آپریشن کرانے پر رقم لینا

سوال: زمانۂ حال میں رواج چل رہا ہے کہ کسی عورت کو تین یا چار بچے پیدا

ہونے کے بعد آپریشن کر لیتے ہیں، اور آپریشن کرنے کے بعد سرکار کی طرف سے کچھ رقم دی جاتی ہے یا برتن دیے جاتے ہیں تو یہ آپریشن کرانا اور رقم لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ آپریشن کرانا اور اس پر رقم لینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بچہ کی پیدائش کی تکلیف کے ڈر سے بچہ دانی نکلوانا

سوال: میرے گھر میں تین بچوں کی پیدائش ہوئی؛ مگر ابھی چوتھے بچے کی پیدائش کے وقت عورت کو بڑی تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ بچہ دانی میں پیپ ہو جاتا ہے، اور پوری بچہ دانی باہر آجاتی ہے، تو حضرت اس کے لیے کوئی مسئلہ ہو تو برائے کرم تجویز فرما کر جواب ارسال فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایسی وقتی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جن کے نتیجہ میں وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے، جب تک عورت کو موجودہ کمزوری اور مرض ہے وہاں تک اس پر عمل کر سکتے ہیں؛ لیکن دائمی طور پر ولادت و حمل کا سلسلہ ختم کر دینا درست نہیں ہے، حمل میں تکلیف تو ہر ایک عورت کو ہوتی ہی ہے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: ﴿حملته أمه كرها ووضعته كرها﴾ اس حمل کی تکالیف سے گھبرا کر بچہ دانی نکلوانے کی اجازت نہیں ہے، آج کل ڈاکٹر بھی حکومتی ہدایات کے ماتحت معمولی اعذار میں بھی بچہ دانی

نکال دینے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لیے ان کے اس نوع کے مشوروں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حمل ٹھہرنے پر طعنہ دینے کی وجہ سے اسقاط کرنا

سوال: ① زید کی بیوی کو چار ماہ قبل بچہ پیدا ہوا، آٹھ دن قبل دوسرا حمل ٹھہرا جس کی وجہ سے زید کی والدہ اور اس کی بہنیں زید کی بیوی کو طعنہ دیتے ہیں کہ صرف کھانے اور جننے کے لیے آئی ہو، اس کی وجہ سے زید کی بیوی پریشان ہے تو اس کی وجہ سے زید کی بیوی کو حمل کا اسقاط کروانا جائز ہے؟

② دو بچوں کے درمیان فاصلہ نہ رہنے کی وجہ سے پہلے بچہ کی صحت پر اثر پڑتا ہے، اس کی کامل نگہداشت والدہ نہیں کر سکتی ہے؛ نیز اس عورت کو پورے گھر کا کام کرنا پڑتا ہے وہ تنہا ہی کام کرنے والی ہے، دوسرے حمل کے فوراً ٹھہرنے کی وجہ سے گھر کا کام کاج مشکل ہو جاتا ہے، تو کیا ان اعذار کی بناء پر مانعِ حمل اسباب کا استعمال درست رہے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① ساس اور نندوں کے طعنہ کی وجہ سے حمل کا اسقاط کرانا درست نہیں ہے، کسی عورت کو حمل ٹھہرنا اور زیادہ بچے پیدا ہونا اس کے حق میں کوئی عیب نہیں ہے؛ بلکہ خوبی کی بات ہے۔ حدیث پاک میں زیادہ بچے دینے والی عورت سے نکاح کرنے کی

ترغیب آئی ہے، اس لیے ساس اور نندوں کا حمل ٹھہرنے پر طعنہ دینا جائز نہیں ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور طعنہ دے کر زید کی بیوی کو جو تکلیف پہنچائی ہے معافی مانگ کر اس کی تلافی کریں۔

(۲) پہلے بچہ کی صحت برقرار رکھنے کی غرض سے دوسرے حمل اور پہلے بچہ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنے کے لیے مانعِ حمل تدبیر (عزل، کنڈوم وغیرہ) کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## دو بچوں میں فاصلہ رکھنے کے لیے مانع حمل تدبیر اختیار کرنا

**سوال**: ایک بہن کی شادی کو تین سال ہوئے ہیں اور اس بہن کو چار بچے ہو گئے ہیں، پہلا اس کا حمل گر گیا تھا، دوسری بچی پیدا ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، اور تیسری بچی پیدا ہوئی اور اب چھوٹا بچہ پندرہ بیس دن کا ہے اور وہ عورت بچے پیدا ہونے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس کرتی ہے تو آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ اب آئندہ بچوں میں وقفہ رہے اس کے لیے کچھ علاج کر سکتی ہے؟ اس کے شوہر کو کسی مولانا نے بمبئی میں یہ جواب دیا تھا کہ گناہ ہے اور کوئی علاج نہیں کر سکتے، آپ اس کا جواب تحریری دیں اور اسٹیمپ کے ساتھ دے تو بہت بہتر رہے گا، اور اگر علاج کر سکتی ہے تو کتنے عرصہ کے لیے کر سکتی ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے کے درمیان اس غرض سے فاصلہ رکھنے کے لیے استقرارِ حمل روکنے کی تدابیر اختیار کرنا کہ پہلے بچہ اور اس کی ماں کو جسمانی نقصان سے بچایا جا سکے درست اور جائز ہے؛ البتہ یہ تدبیر عارضی اور وقتی ہونی چاہیے، دائمی اور مستقل نہ ہو، اور اس تدبیر کو صرف اتنے وقت کے لیے عمل میں لایا جائے جتنے وقت سے مذکورۂ بالا ضرورت پوری ہو جاتی ہو۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۴۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## مانعِ حمل آپریشن کرانا

(سوال): میرے ایک دوست کی عورت کو تین بچے آپریشن سے پیدا ہو چکے ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب اگر چوتھا حمل رہ گیا تو عورت کی جان کا خطرہ ہے، اب آپریشن سے بھی بچے کو نکالنے کی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اب اس عورت کو ایسے آپریشن کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے آئندہ حمل قرار نہ پائے، برائے مہربانی مفتی صاحب مندرجۂ بالا مسئلے کا حل تحریر فرمائیں تاکہ اس عورت کا مانعِ حمل آپریشن کروا دیا جائے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان، دین دار، ماہر ڈاکٹر یا طبیب کی رائے یہ ہے کہ آئندہ حمل قرار پانے میں عورت کی جان جا سکتی ہے تو اولاً تو منعِ حمل کے لیے وقتی اور ہنگامی تدابیر

اختیار کی جائیں، اس کے باوجود خطرہ باقی ہو تو مانعِ حمل آپریشن کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا

**سوال**: کسی عورت کو بچہ ہونے کی صورت میں بہت زیادہ کمزوری ہو جانے کا خدشہ ہو، اور ڈاکٹر بھی مشورہ دے کہ اب اولاد پیدا ہونے سے خطرہ ہوگا تو ایسی صورت میں کیا عورت نس بندی کا آپریشن کرا سکتی ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حمل اور ولادت میں تکلیف تو ہوتی ہی ہے ﴿حملته امه کرها ووضعته کرها﴾ اس لیے ان کی وجہ سے ولادت کا سلسلہ منقطع نہ کیا جائے، آج کل ڈاکٹر بھی ڈرا دیتے ہیں اور آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں؛ البتہ عورت کو ناقابلِ تحمل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو مسلمان، دیندار، ماہر طبیب کے مشورہ سے وقتی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## منعِ حمل کے لیے تدبیر اختیار کرنا

**سوال**: آج کل بذریعۂ دوا یا کوئی آلہ (ڈاکٹر یا دایہ) کے ذریعہ حمل روکنے کا عام رواج ہے، مسلمانوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کونسی صورت اختیار

کی جائے جس سے مسلمان رک جائیں، جب کہ اس میں کثیر آبادی شریک ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فیملی پلاننگ کا نظریہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی رواج کے سراسر خلاف ہے، اس نظریہ کے تحت مانع حمل ذرائع کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ اس موضوع پر علماء کے مستقل رسائل موجود ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔

مسلمانوں کو خلاف شرع امور کے ارتکاب سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں علمِ دین کی اشاعت فرما کر ان کو دین کے احکام ومسائل سے روشناس کیا جائے، اس پر عمل کی فضا عام ہو اس کے لیے اجتماعی اور انفرادی محنت کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بچوں میں فاصلہ کے لیے کوپرٹی کا استعمال

سوال: آج کل جس عورت کو ایک سال میں بچہ ہوتا ہے اور جلدی جلدی بچہ ہوتا ہے، اس کے لیے تین سال کا فاصلہ کرنے کے لیے کچھ ڈاکٹری علاج کیا جاتا ہے، جس کو کوپرٹی (Copprty) کہتے ہیں، یا اسی طرح بچہ روکنے کے لیے گولیاں کھائی جاتی ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ”وأد خفي“ فرمایا ہے، یعنی: خفیہ طور پر بچہ کو زندہ در گور کرنا۔ (کما رواہ مسلم)
اور بعض دوسری روایات میں عزل یعنی: ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے، وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے، دوسرے بچہ کا حمل ٹھہر جانے کے نتیجہ میں ماں کا دودھ منقطع ہو جاتا ہے اور پہلے بچہ کے لیے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بچہ کے باپ میں اس کی استطاعت نہیں ہے کہ اس کے دودھ کا بندوبست کر سکے، اس صورت میں دو ولادتوں میں فاصلہ کرنے کے لیے کوپرٹی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## وقتی طور پر منع حمل کی کوئی ترکیب اختیار کرنا

**سوال**: ایک صاحب کو سات بچے ہیں بڑے بچے کی پیدائش ۱۹۸۱ء میں ہوئی، اور سب سے چھوٹے بچے کی گذشتہ شعبان میں اس طرح ۸۱ء سے آج تک سات بچے پیدا ہوئے، اس طرح مسلسل بچوں کی پیدائش سے پرورش میں بڑی دقت پیش آتی ہے، فی الحال تین بچوں کو دودھ کی بوتل دینی پڑتی ہے، اگرچہ دو بچے بوتل کے ساتھ اناج وغیرہ بھی لیتے ہیں، بعد حمل عموماً دودھ کم ہوتا ہے، لہٰذا بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں، عزل کے لیے عورت کی قلبی اجازت نہیں ہے اپنے شوہر کو خوش رکھنے کے لیے دے دیتی ہے صورت مسئلہ میں دو حملوں میں فاصلہ کے لیے کوپرٹی

وغیرہ لگوا سکتے ہیں (اس کے لگے رہنے تک حمل نہیں ٹھہرتا) کیا یہ صورت جائز ہے اگر جائز ہے تو کتنی مدت تک کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں عزل کی اجازت ہے، کوپرٹی سے اگر وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرتا ہو تو وہ بھی عزل کے حکم میں ہے، بشرطے کہ اس کے لگانے کے لیے اجنبی کی مدد نہ لینا پڑے؛ لیکن چوں کہ یہ کام ڈاکٹر ہی کرتا ہے اس لیے درست نہیں؛ البتہ اگر شوہر خود یہ کام انجام دے سکتا ہے ہو تو اجازت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ایامِ حمل میں عوارض پیش آتے ہی ہیں

سوال: اگر کسی عورت کو حمل قرار پاتے ہی طبیعت بگڑ جاتی ہو کبھی پیٹ میں درد ہوتا ہو اور کبھی سر میں درد ہوتا ہو؛ الغرض ایامِ حمل کے پورے دن تکلیف ہی میں گزرتے ہوں اور معاً ضعف اور کمزوری بھی بہت بڑھ جاتی ہو تو ایسی عورت کے لیے شرعاً آپریشن کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمانۂ حمل میں عورت کو اس قسم کے عوارض پیش آتے ہی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# عزل کے تعویذ کا استعمال

**سوال**: زید اپنی بیوی کی حد درجہ جسمانی کمزوری کی وجہ سے عزل کرنا چاہتا ہے، کیا عزل کرنا جائز ہے؟ یا عزل کرنے کے لیے صحبت کے وقت نرود (ربڑ کی تھیلی) کا استعمال کرتا ہے، یہ چیز جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر کے مشورہ سے مانعِ حمل گولیاں بھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عزل کے لیے، ہی تعویذ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی کی حد درجہ جسمانی کمزوری کے پیشِ نظر وقتی طور پر مانع حمل تدبیریں اختیار کرنا، جن میں عزل یا نرودھ کا استعمال یا مانع حمل گولیوں کا استعمال بھی ہے، جائز ہے۔ تعویذ بھی اس مقصد کے لیے کارگر ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# اسقاطِ حمل سے متعلق اخلاطی کے قول سے دھوکہ نہ کھائیں

**سوال**: فقہ کی کتابیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسقاطِ حمل چار مہینے سے پہلے عذر کی وجہ سے جائز ہے، اور چار مہینے کے بعد کسی حال میں بھی جائز نہیں؛ لیکن فتاویٰ ہندیہ میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: مطلقاً اسقاطِ حمل جائز ہے، اور اس پر ''وعلیہ الفتویٰ'' بھی کہا، ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا يجوز،وإن كان غير مستبين الخلق يجوز؛ وأما في زماننا يجوز علىٰ كل حال، وعليه الفتوىٰ كذا في جواهر الأخلاطي.(فتاویٰ ہندیہ ۵/ ۳۵۶، باب:۱۸)

اور ہدایہ(۲/ ۲۹۲) کتاب النکاح کے حاشیہ نمبر۹/ پر بھی یہی لکھا ہے، حالاں کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے اس پر فتویٰ دیا ہو نظر سے نہیں گزرا، تو کیا اس زمانے میں اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں دیا جاسکتا تو مذکورہ عبارت کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی قول کے متعلق کسی کتاب میں علیہ الفتویٰ کہنا یہ اس کی ترجیح وتصحیح ہے، اور ترجیح وتصحیح اسی کی قابل قبول اور معتبر ہوگی جو اس کا اہل ہو، یعنی ترجیح دینے والا عالم فقہا کے اس طبقے سے تعلق رکھتا ہو جو ترجیح وتصحیح کی اہلیت رکھتے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی کے اس اصول کی صراحت اپنی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' میں فرمائی ہے:

اعلم بأن الواجب اتباع ما ترجيحه عن أهله قد علما (ص:۲۵)
وقوله عن أهله أي أهل الترجيح إشارة إلىٰ أنه لايكتفي بترجيح أي عالم كان إلخ.(ص:۲۷)

صورت مسئولہ میں فتاویٰ عالمگیری میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے جو ترجیح نقل کی گئی ہے، اس میں تلاش بسیار کے باوجود نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اخلاطی کون ہیں؟ اور نہ ان کی کتاب جواہر کا پتہ چل سکا؛ اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ غالباً اسی لیے علامہ شامی نے باوجود اس کے کہ اس مسئلہ پر اپنے مشہور حاشیہ ''ردالمحتار''

المعروف بہ شامی میں تین مقامات پر بحث کی ہے؛ لیکن اس قول کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں کیا۔ بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق (۲۱۵/۳) میں بھی کوئی ادنیٰ اشارہ اس قول کی طرف نہیں کیا ہے۔ درمختار کی شرح طحطاوی میں بھی دو مقام (۷۶/۲، ۷۷۔ ۲۱۲/۴) پر یہ مسئلہ ہے؛ لیکن یہ قول نقل نہیں کیا ہے؛ اس لیے عالمگیری کی اس عبارت سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر میں سے کسی نے اس پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

## اسقاط حمل کرنا کس صورت میں جائز ہے؟

سوال: ایک عورت کو کسی زخم سے بدن میں کسی جگہ زہر ہوگیا، وہ عورت حاملہ ہے ڈاکٹر مشورہ دے رہے ہیں کہ حمل کو ضائع کردیا جائے ورنہ عورت کے لیے ہلاکت ہے، اس میں کیا کیا جائے؟ حمل گرادیا جائے اگر عورت کے ہلاکت کا خدشہ نہ ہو خالص بچہ کو پیدائش کے بعد تکلیف ہوگئی ایسی صورت میں علماء دین کیا کہتے ہیں؟ بچہ ضائع کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مشورہ دینے والا ڈاکٹر مسلمان متدین اور ماہر فن ہے اور حمل ایک سو بیس دن سے کم کا ہے یعنی اس کے اعضاء وغیرہ نہیں بنے ہیں تو عورت کی ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں اس حمل کو ضائع کرنے کی اجازت ہے، شرائط بالا میں سے کسی بھی ایک کے مفقود ہونے کی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ (درمختار شامی ۳۰۴/۵، ۳۰۵)

پیدائش کے بعد بچہ کی تکلیف کے اندیشہ کی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## اولاد کے خوف یا لذت اندوزی کے لیے اسقاط حمل

سوال: اگر حمل ٹھہر گیا اور اس کو گرادینا اولاد کے خوف سے ہو یا لذت اٹھانے کی غرض سے ہو، دونوں حالت میں گرادینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں بنیادوں پر اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / شوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## منع حمل کی تدابیر میں نس بندی کا حکم

سوال: زید کی تقریباً ۱۱ / سال پہلے ہندہ سے شادی ہوئی، شادی کے دو سال کے بعد ہندہ کو ایک بچی ہوئی، بچی کی پیدائش کے بعد ہندہ کی حمل کی تھیلی پیٹ میں باہر آگئی جس کا آپریشن کیا گیا؛ مگر وہ کامیاب نہ رہا، مسلسل دس سال علاج کرانے کے بعد بھی ہندہ کو اس مرض سے راحت نہ مل سکی، حالاں کہ دوران علاج دس سال کے عرصے میں ہندہ کو تین اولاد ہوئی، جن میں ایک کا انتقال ولادت کے دو دن بعد ہو گیا، دوران علاج بھی اور فی الوقت بھی ہندہ کو بہت زیادہ تکلیف رہتی، اب ہندہ کے اندر برداشت

کرنے کی طاقت نہیں، حمل کی تھیلی پیٹ میں باہر آجانے کے سبب ہندہ کو دوسرے امراض بواسیر وغیرہ لاحق ہو رہے ہیں، اب ایسی صورت میں تمام ہی اسپیلشٹ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہندہ کی نس بندی کردی جائے، یا پھر تمام ہی آلات سمیت حمل کی تھیلی کو آپریشن کے ذریعے نکال کر باہر کر دیا جائے۔ مذکورہ صورت میں کیا زید ہندہ کا علاج ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا کر بھی لے تو کیا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ”جب کمزوری اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے حمل کی قراری دشوار ہے، حمل برداشت نہیں ہو سکتا تو اولاً ایسا علاج کیا جائے کہ کچھ عرصہ تک استقرار حمل نہ ہو یعنی حمل نہ ٹھہرے، پھر اگر یہ وقتی تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو بالآخر مسلمان، دین دار، حاذق حکیم یا مسلمان دین دار تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق آپریشن کرانا جائز ہے، اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر یا حکیم کی صلاح (مشورہ) غیر معتبر ہے“۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۲۱۵، ۲۱۶) یہ یاد رہے کہ نس بندی مرد کی ہوتی ہے عورت کی نہیں۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کے شوہر کی نس بندی جائز نہیں ہے؛ البتہ شرائط بالا کے ساتھ ہندہ کے لیے وقتی مانع حمل علاج وتدبیر درست ہے، اور اس کے غیر مؤثر ہونے کی صورت میں دائمی تدبیر بھی کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/صفر ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# مجبوری میں مانع حمل دوائی استعمال کرنا

سوال: ① نرودھ کا استعمال کرنا کیسا ہے جب کہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے؟

② لبس (عورت کی بچہ دانی کو بندھوانا) تو کیا یہ کرواسکتے ہیں؟ اور یہ دونوں مسئلے پر عمل اس وقت کا ہے جب کہ ایک بچہ موجود ہے، اور ایک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی تربیت اچھی طرح نہیں ہوتی، یا دوسرے کی تربیت نہیں ہوتی، تو اس مسئلہ کو برائے کرم مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② اقتصادی حالت اور عسرت وتنگدستی یا خاندانی منصوبہ بندی کی طور پر کسی بھی مانعِ حمل (عارضہ یا دائمی) چیز کا اختیار کرنا درست نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور مقصدِ مشروعیتِ نکاح سے فرار ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے، بیوی کی بیماری اور استقرارِ حمل کی صورت میں اس کی ہلاکت کے خوف سے عارضی مانعِ حمل تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؛ البتہ دائمی کی اس صورت میں بھی اجازت نہیں ہے، تربیت سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# عذر کی وجہ سے مانع حمل دوائی استعمال کرنا

سوال: دو اولاد کے مابین فاصلہ اگر فاصلہ کرتے ہیں تو بچہ کی تربیت اور اس کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی ہے اس لیے ایک بچہ کی پیدائش کے بعد مانع حمل دوائی کا

استعمال کرتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ جلد جلد کی ولادت بچہ کی صحت اور تربیت پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس طرح دو بچوں کی پیدائش میں فاصلہ کرنے کے لیے عارضی طور پر دوائی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## بیوی کو حمل گرانے کی دھمکی

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو دھمکی دیتا ہے کہ گولی کھا کر حمل گرادے ورنہ تجھ کو قتل کر دوں گا یا طلاق دے دوں گا ایسی حالت میں حمل گرا سکتی ہے؟ بعض کہتے ہیں حمل ٹھہرتا ہے۔ بچہ کی شکل اختیار ہونے سے پہلے حمل گرا سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر کی یہ دھمکی واقعی ہے تو اگر حمل چار ماہ کا نہیں ہوا ہے تو اس کو گرا سکتی ہے۔

ويكره ان تسقي لاسقاط حملها و جاز لعذر (درمختار) وقوله (جاز لعذر) كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها و ليس لابی الصبی الخ (شامي ٥/٣٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

# ڈاڑھی اور خصائل فطرت کے مسائل

## داڑھی کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

① داڑھی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

② آیا ہر مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا سنت ہے یا واجب؟

③ اگر کوئی داڑھی منڈوائے تو اس کا یہ فعل حرام ہے یا ناجائز یا اور کچھ؟

④ اگر کسی کو سرکاری سروس میں مثلاً پولس، فوج وغیرہ میں داڑھی رکھنے سے روکا جائے تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں ہے؟

تمام مذکورہ سوالات کے باحوالہ جوابات مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

سائل: معز الدین احمد، مباحثِ فقہیہ جمعیت علماء ہند

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ نے آپ کے سوال میں اٹھائے ہوئے تمام نکات کا تفصیلی جواب دیا ہے اسی کی جستہ جستہ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

مردوں کے لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے، ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے،

اسلامی اور قومی شعار ہے، شرافت اور بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں امتیاز وفرق کرنے والی ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی عمل ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے، اور آپ نے اپنی امت کو ڈاڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے؛ لہٰذا ڈاڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں: عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الخ(مسلم :۱۲۹ باب خصال الفطرة، کتاب الطھارة) یعنی دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: (۱) مونچھوں کا کتروانا۔ (۲) ڈاڑھی بڑھانا الخ

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی ہے دس چیزوں کو جن میں سے ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی ہے فطرت بتلایا ہے، اور فطرت عرفِ شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء اور رسل کی معمول بہ اور متفق علیہ سنت ہو اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہو۔

صاحب مجمع البحار اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: عشر من الفطرة اى من السنة اى سنن الانبياء عليهم السلام التى امرنا بالاقتداء بهم فيها. ك. اى من السنة القديمة التى اختارها الانبياء عليهم السلام واتفقت عليها الشرائع فكأنها امر جبلى فطروا عليه. یعنی دس چیزیں فطرت یعنی سنت میں سے ہیں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں میں سے جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿اولئك الذين هدى الله فبهداهم

اقتدہ﴾ یعنی اس سنتِ قدیمہ میں سے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مجمع البحار ۴/ ۱۵۵ فطر)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: قالوا ومعناه انها من سنن الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم یعنی فطرت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہے۔ (نووی شرح مسلم ۱/ ۱۲۸) اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: عن ا بن عمر قال: قال النبی ﷺ خالفوا المشركين او فروا اللحى واحفوا الشوارب وفی رواية انهكوا الشوارب واعفوا اللحى متفق عليه.(مشكوٰة شريف:۳۸۰ باب الترجل)

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور ڈاڑھی کو معاف رکھو۔ (یعنی اسے نہ کاٹو) اور ایک حدیث میں ہے: ارخوا اللحی ڈاڑھی لٹکاؤ۔ ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صیغۂ امر کے ساتھ ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمارہے ہیں، اور امر حقیقت میں وجوب کے لیے ہوتا ہے، نیز ڈاڑھی منڈانے میں کفار، اناث (عورتیں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم (ابوداؤد شريف) ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں: اللہ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو ڈاڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور

ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔(مشکوۃ شریف:۳۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں، اوراسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں) اور فرمایا انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔

عن ابن عباس قال: لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بیوتکم. (مشکوٰۃ :۳۸۰)

مالا بدمنہ میں ہے: مرد را تشبہ بہ زنان وزن را تشبہ بہ مردان ومسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است یعنی مرد کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔(مالا بدمنہ ص:۱۳۱)

لہٰذا کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

مفسرین نے "ولآمرنهم فلیغیرن خلق الله" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانا بھی تغییر خلق اللہ ہے یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے۔(بیان القرآن ۱۵۹ اپارہ ۵ حاشیہ)(ترجمۂ شیخ الہند ۱۲۷ تفسیر حقانی ۲۲۹/۳ پارہ ۵ سورۂ نساء)

اور بالاتفاق تغییر خلق اللہ حرام ہے۔شیطان لعین نے یہ کہا تھا کہ میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں، معلوم ہوا کہ جولوگ ڈاڑھی منڈا کر اپنی فطری صورت بگاڑتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل اوراس کی مرضی کا کام کرتے ہیں اور جولوگ شیطان مردود کے فرماں بردار ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ارشاد خداوندی میں ہے:﴿ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون الله فقد خسر خسرانا مبینا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا

رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے: حلق اللحية قبيح بل مثلة وحرام وكما ان حلق شعر الرأس فى حق المرأة مثلة منهى عنها وتفويت للزينة كذلك حلق اللحية مثلة فى حق الرجال وتشبه بالنساء منهى عنه وتفويت للزينة قال الفقهاء اللحية فى وقتها جمال وفى حلقها تفويت للزينة على الكمال ومن تسبيح الملائكة سبحان من زين الرجال باللّحىٰ وزين النساء بالذوائب.

(روح البيان:٢٢٢، تحت الآية واذا ابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن)

یعنی ڈاڑھی منڈانا قبیح ہے بلکہ مثلہ اور حرام ہے جس طرح عورت اگر اپنے سر کے بال منڈا دے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مرد اگر ڈاڑھی منڈا دے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے، فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈا دینا زینت کو ختم کرنا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے، "سبحان......": پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور چوٹیوں سے۔

ہدایہ میں ہے: لان حلق الشعر فى حقها مثلة كحلق اللحية فى حق الرجال.(هدايه ١/٢٣٥، باب الاحرام كتاب الحج، هكذا فى الجوهر النيرة ١/١٦٧ كتاب الحج)

یعنی عورت کا سر کا بال منڈانا مثلہ ہے جس طرح مرد کا ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے۔

ڈاڑھی منڈانا قوم لوط کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، درمنثور میں ہے قوم لوط دس برے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی ان میں سے ایک ڈاڑھی منڈانا بھی ہے۔ واخرج اسحاق بن بشير والخطيب وابن عساكر عن الحسن

قال:قال رسول الله ﷺعشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا وتزيدها امتى نجلة اتيان الرجل بعضها بعضا الى قوله و قص اللحية وطول الشارب الخ.(درمنثور/٤،٣٢٤،الانبیاء پارہ:١٧ تحت الآیة ولوطا آتیناه حکما وعلما الخ)

جب کسریٰ کے دو قاصد ڈاڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے پوچھا کہ ایسی صورت بنانے کا تم کو کس نے حکم دیا ہے؟ کہنے لگے ہمارے رب کسریٰ نے، آپ نے فرمایا: لكن امرنى ربى ان احفى شاربى واعفى لحيتى یعنی لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول بحوالہ ڈاڑھی کا وجوب مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

بڑی عبرت کا مقام ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کافر کو ایسی حالت میں دیکھا تو اس ہیئت وصورت کو ناپسند فرماتے ہوئے نفرت کا اظہار کیا، اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دعوی دار بن کر یہ شنیع حرکت کریں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ تیری زندگی دراز ہو لوگوں کو خبر دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائے یا ڈاڑھی چڑھائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد اس سے بری ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن رويفع بن ثابت قال: قال لى رسول الله ﷺ يارويفع لعل الحيوة ستطول بك بعدى فاخبر الناس ان من عقد

لحیته او تقلدوترا او استنجی برجیع دابة او عظم فان محمدا منه بریٔ رواه ابو داؤد. (مشکوٰۃ شریف:۴۳ باب آداب الخلاء)

جب ڈاڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر یہ وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ) سے کم کرنے پر کیا وعید ہوگی؟ (ملخص از فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۳۶تا ۲۴۲)

صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں: واما الاخذ منها وهی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد واخذ كلها فعل هنود الهند ومجوس الاعاجم.(درمختار مع الشامي۲/۱۵۵)

ترجمہ: اور ڈاڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں، پس اس کو کسی نے مباح نہیں کہا اور کل کا منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ کذا فی فتح القدیر
(غاية الاوطار ۱/۵۲۴،باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: قوله لم يبحه احد نص فی الا جماع.(بوادر النوادر۲/۴۴۳) یعنی صاحب درمختار (وفتح القدیر) کا قول "لم یبحه احد" ڈاڑھی منڈانے اور کٹوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے: وقال العلائی فی كتاب الصوم قبيل فصل العوارض ان الاخذ من اللحية وهی دون القبضة كمايفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه احد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم فحيث ادمن على فعل هذا المحرم يفسق وان لم يكن ممن يستخفونه ولا يعدونه قادحا للعدالة والمروء.(تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/۳۵۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔

علامہ محمود خطاب لکھتے ہیں: فلذلك كان حلق اللحية محرما عند ائمة المسلمين المجتهدين ابی حنيفة ومالك والشافعی وغيرهم.(المنهل ۱/۱۸٦) (بحوالہ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں) یعنی اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمہم اللہ کے نزدیک ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔

فیض الباری شرح البخاری میں ہے: واما قطع مادون ذلك فحرام اجماعا بين الائمة رحمهم الله(٤/ ٣٨٠) ڈاڑھی اس طرح کاٹنا کہ قبضہ سے کم رہ جائے باتفاقِ ائمہ حرام ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے: مسئله:هل يجوزحلق اللحية كمايفعله الجوالقيون؟ الجواب: لا يجوز ذكره فی كراهية التجنيس والمزيد وفی جنايات الهداية، وقال عليه السلام احفوا الشوارب و اعفوا اللحی ای قصوا الشوارب واتركوا اللحی ولا تحلقوها ولاتقطعوها ولاتنقصوها فی القدر المسنون وهی القبضة. (نصاب الاحتساب ١٥،١٤قلمی باب ٦)

ترجمہ: مسئلہ: ڈاڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: التجنیس والمزید کی کتاب الکراھیۃ اور ہدایہ کے باب الجنایات میں مذکور ہے کہ (ڈاڑھی منڈانا) جائز نہیں ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرو اور ڈاڑھیوں کو گھنی کرو اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور مقدار مسنون سے کم نہ کرو اور وہ ایک قبضہ ہے۔

مالابدمنہ میں ہے: تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است یعنی ڈاڑھی منڈانا اور ایک قبضہ سے کم رکھنا حرام ہے۔ (مالابدمنہ: ۱۳۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حلق کردن لحیہ حرام است، وروش افرنج وھنود است، وگذاشتن آن بقدر قبضہ واجب است، واورا سنت گویند بمعنی طریقۂ مسلوک در دین است یا بہ جہت آں کہ ثبوت آں بہ سنت است چناں کہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی ڈاڑھی منڈانا حرام ہے اور اہل مغرب اور ھندوؤں کا طریقہ ہے ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے، اور اس کو سنت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ یہ دین میں طریقۂ مسلوکہ ہے یا؛ اس لیے سنت کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے چناں چہ نماز عید کو (اسی معنی کے اعتبار سے) سنت کہا جاتا ہے۔ (حالاں کہ وہ واجب ہے) (اشعۃ اللمعات ۱/ ۲۱۲، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۲۴۴ تا ۲۴۶)

مذکورہ بالا تفصیل میں آپ کے سوالات کے جوابات آچکے ہیں پھر بھی سہولت کی غرض سے نمبروار جواب دیا جاتا ہے۔

① ② مردوں کے لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے، ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے، اسلامی اور قومی شعار ہے۔

③ ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔

④ یقیناً یہ مداخلت فی الدین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

## بالوں کی تراش وخراش کی حدود اور قزع کی تشریح

سوال: بہت سے لوگ اپنے سر کے بال اس طرح کٹواتے ہیں کہ سر کے پیچھے

کے حصہ اور دونوں کانوں کے اوپر والے حصہ کے بال چھوٹے کرواتے ہیں، اور ''مقدم رأس'' سر کے آگے والے حصہ کے بال بڑے رکھتے ہیں، ایسے بال کٹوانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تب تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اور اگر شرعاً کوئی قباحت ہے تو کس قسم کی؟ گناہ صغیرہ یا کبیرہ؟ اگر گناہِ صغیرہ ہے تو بار بار کے ارتکاب سے کیا یہ کبیرہ بن سکتا ہے؟

مسلم شریف میں حدیث ہے: عن ابن عمر ان النبی ﷺ رأى صبيا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه فنهاهم عن ذلك، وقال: احلقوا كله او اتركوا كله. (رواه مسلم) اس حدیث سے بعض راس کا حلق اور بعض کا ترک ہی مراد ہے یا بعض کا قصر اور بعض کا ترک بھی اس میں شامل ہے وہ صورت جو اوپر مذکور ہے۔

مدارس دینیہ کے طلباء بھی ایسے بال کٹوانے کے عادی ہوتے ہیں اور کٹواتے ہیں ایسے بال کٹوانے میں شرعاً قباحت ہو اور ان بال کٹوانے کی اجرت اگر مدرسہ ادا کرتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بالوں کی تراش وخراش کے سلسلہ میں ایک تو طریق سنت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طریقہ سے بال رکھے تھے اس کے مطابق بال رکھے جائیں۔ دوسرا طریقہ ممنوع ومکروہ ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک قزع والا طریقہ ہے جس کی ممانعت کی حدیث میں صراحت موجود ہے، دوسرا وہ طریقہ جس میں دیگر اقوام کی مخصوص وضع کی مشابہت لازم آتی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں کی تین صورتیں حدیث میں آتی ہیں: کبھی کندھوں

تک دراز ہوتے تھے اس کو جُمَّہ کہتے ہیں، کبھی کانوں کی لوتک ہوتے تھے اس کو وَفرہ کہتے ہیں، اور کبھی کبھی اس کے بین بین ہوتے تھے اس کو لِمَّہ کہتے ہیں۔

(شرح سفر السعادة:٤٩٣)

ممنوع ومکروہ میں جو دو صورتیں آتی ہیں ان میں سے ایک قزع ہے، قزع کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ مجمع البحار رقمطراز ہیں: انه نهى عن القزع هو ان يحلق رأس الصبى ويترك منه مواضع متفرقة تشبيها بقزع السحاب (مجمع بحار الانوار:٣/٢٦٧) یعنی نبی کریم ﷺ نے قزع سے ممانعت فرمائی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ بچے کے سر کو مونڈا جائے، اور اس کے مختلف ومتفرق مواضع پر بال چھوڑ دیے جائیں اس کو قزع نام قزع السحاب سے مشابہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القزع بفتح القاف وا لزاء و بالعين المهملة وهو جمع قزعة، وهى القطعة من السحاب وسمى شعر الرأس اذا حلق بعضه قزعاً تشبيها بالسحاب المتفرق.(عمدة القارى شرح صحيح البخارى٢٢/٥٨) یعنی قزع (قاف وزائے مفتوحہ اور عین مہملہ سے) قزعۃ کی جمع ہے، قزع لغت میں بادل کی ٹکڑی کو کہتے ہیں، سر کے بالوں کو جب کہ کچھ حصہ مونڈا جائے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے تو اسی لیے قزع کہتے ہیں کہ جب آسمان پر بادل کی مختلف ٹکڑیاں ہوں تو آسمان کا کچھ حصہ صاف اور کچھ حصہ سیاہ نظر آتا ہے۔

اس کی حکمت بیان فرماتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فان قلت: ما الحكمة فى النهى عن القزع؟ قلت: تشويه الخلقة، وقيل زى اليهود، وقيل زى ا هل الشر والدعار (ایضاً٢٢/٥٨) یعنی اس میں مثلہ کی شکل

ہو جاتی ہے، اور بعضوں نے اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ یہ یہود کا فیشن ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اہل شر و فساد کا طریقہ ہے۔

اس کے حکم کے سلسلہ میں علامہ محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اجمعوا على كراهته اذا كان فى مواضع متفرقة الا ان يكون لمداواة، لانه من عادة الكفر ولقباحة صورة.(مجمع بحارالانوار/٤ ٢٦٧) یعنی اس کی کراہت پر اجماع ہے جب کہ متفرق مواضع میں ہو، البتہ بغرض علاج اس کی اجازت ہے، کراہت اس لیے کہ یہ کفار کا طریقہ ہے اور اس میں صورت بھی بگڑتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے: ويكره القزع وهو ان يحلق البعض ويترك البعض.(شامي ٥/ ٢٨٩)

اگر حلق شدہ حصہ ایک طرف ہو اور بال بھی ایک طرف ہوں (یعنی متفرق مواضع میں ہو) جیسا کہ انگریزی بال ہوتے ہیں تو یہ بھی قزع میں داخل ہو کر مکروہِ تحریمی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القزع فى اللغة:حلق بعض الرأس وترك بعضهم فهو مكروه تحريماً كيف ماكان لاطلاق النهى عنه.(حاشيه لامع الدراري ١٠/ ١٠)

بالوں کی دوسری ممنوع صورت وہ ہے جس میں اغیار کی مشابہت لازم آتی ہو: من تشبه بقوم فهو منهم الحديث کی وجہ سے چناں چہ انگریزی بالوں کی ممانعت کی وجہ یہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انگریزی بال بنابر تشبہ مکروہ ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۴۹)

تشبہ کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ ''عادات میں مشابہت مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں مشابہت اتفاقیہ ہے، اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے؛ اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على ابي يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت اترى بهذا الحديد بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لان فيه تشبها بالرهبان، فقال: ان رسول الله ﷺ كان يلبس النعال التى لها شعر وانها من لباس الرهبان فقد اشار الى ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذا النوع اه قلت وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد.

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

اب اتنی بات رہ گئی کہ سوال میں مذکورہ صورت قزع کا مصداق ہے یا نہیں؟ تو

عام طور پر قزع کی جو تعریف کتب حدیث وفقہ میں لکھی گئی ہے: حلق البعض وترك البعض اور پھر قزع کی جو وجہ تسمیہ شروحِ حدیث میں مذکور ہے: تشبيها بقزع السحاب اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ قزع کا مصداق ہو۔

لیکن حضرت قاری مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح سر کا کچھ منڈانا اور کچھ چھوڑ دینا (جس کو قزع کہتے ہیں) ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس میں مثلہ کی سی شکل ہو جاتی ہے، اس میں ماضی وحال کی قومیں مختلف ہیئتوں کے ساتھ مبتلاء ہوئی ہیں، اور یہ ان کا شعار قرار دیا گیا ہے گذشتہ دورِ تمدن میں وسطِ سر کا کچھ حصہ منڈا کر جو گرد بال چھوڑ دیے جاتے تھے اور آج کے عہدِ زینت میں قدامت کے برعکس سر کا پچھلا حصہ اور کانوں کے اوپر کا دوطرفہ منڈایا یا کترایا جاتا ہے تا کہ سر کا بالائی اور وسطانی حصہ بلند اور چوڑا دکھلائی دے، اس طرز عمل کے حامل طبقوں سے بھی تشبہ منقطع کرنے کا حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے: نهى رسول الله ﷺ عن القزع. رسول اللہ ﷺ نے قزع سے (جس کی تفسیر ابھی عرض کی گئی) منع فرمایا ہے۔ (التشبہ فی الاسلام ۱/۱۳۹)

اس لیے طلبہ علومِ نبویہ کو جو طبقۂ علماء کا ایک جز ہیں اس ہیئت سے احتراز لازم ہے اور منتظمین مدرسہ کو بھی چاہیے کہ طلبہ کو اس کی اجازت نہ دیں۔

اس سلسلہ میں دیگر حضرات مفتیان سے بھی رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# ریش بچہ کا حکم

سوال: ہونٹوں کے نیچے کے بال یعنی ڈاڑھی کے اوپر کے بال کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے کاٹ سکتے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ گنجان ڈاڑھی کے نیچے (زیادہ نیچے) کے بال جو حلق کے قریب کے بال ہوتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ امید ہے بیان فرما کر مطمئن فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ریش بچہ کے جانبین لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۷۷ مدنی) حلق کے بال منڈوانا نہ چاہیے؛ مگر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (ایضاً) حلق کے بالوں کا چنوانا اور منڈوانا شرعاً درست ہے، نہ منڈوانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# ڈاڑھی کتروانا

سوال: ڈاڑھی ایک بالشت سے کم کتروانا کیا جائز ہے؟ کتنی لمبی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے؛ بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لیے کہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغاوت کا اظہار واعلان ہے۔(احسن الفتاویٰ ۳/۲۶۰)

ڈاڑھی ایک مشت تک بڑھنے دینا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مختون کی ختنہ

**سوال**: میرے ایک دوست کا لڑکا ہے، وہ قدرتی طور پر ختنہ شدہ ہے، ختنہ سنتِ ابراہیم ہے، کرنا ضروری ہے؛ مگر وہ چیز ہی نہیں جو کاٹی جاتی ہے، ہر طرح ختنہ شدہ ہے، اب اس کے لیے کیا مسئلہ ہے؟ آپ کا مشورہ کیا ہے؟ لکھیے، کرم ہوگا۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس بچہ کی سپاری اتنی کھلی ہوئی ہے کہ دیکھنے والا اس کو ختنہ شدہ سمجھتا ہے اور اب مزید کھال کاٹنا اس کے لیے باعثِ تکلیف والم ہے تو ختنہ کی ضرورت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: صبي حشفته ظاهر بحيث لو رآه انسان ظنه مختونا ولا تقطع جلد ذكره الا بتشديد آلمه ترك على حاله.(درمختار علی هامش الشامي ۵/۵۲۹، ۵۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نومسلم کے ختنہ کی اہمیت

**سوال**: ایک آدمی کو ایمان لاکر تقریباً سات آٹھ مہینہ ہوگئے ہیں، اور وہ جماعت

میں چلہ جا کر بھی آیا ہے، اور پنج وقتہ نمازیں بھی ادا کر رہا ہے، اور ایک وقت کی نماز بھی فوت نہیں کرتا اور وہ بالغ بھی ہے، اب مسئلہ اس کی ختنہ کرنے کے بارے میں ہے کہ ختنہ کرے یا نہیں؟ اور ختنہ کرنا سنت ہے اور ستر کا چھپانا فرض ہے، اور ستر کو دیکھنا دکھانا حرام ہے، اور سنت کے خاطر ایک فرض چھوڑا جا سکتا ہے کیا؟ اور بعض مسلمان کو اس کے ایمان میں تردد ہے، بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس کی ختنہ کرنا ضروری ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر ایمان میں داخل ہو گیا اور شریعت کے احکام کی پابندی کر رہا ہے، تو ختنہ کرنا ہے یا نہیں، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو ابتداء ہی سے مسلمان ہے، اس کے لیے ختنہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نو مسلم کے لیے ہوتی ہے، نو مسلم کے ستر عورت کے مقابلہ میں اس کی ختنہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے، ختنہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے، اور خاص اسلامی علامت ہے جس کا نو مسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نو مسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے، ختنہ کا وہ مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے ہوئے رکھے اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے، ہاں اگر نو مسلم بے حد ضعیف اور کمزور ہو کہ ختنہ کی تاب نہ لا سکے تو پھر ختنہ لازم نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۴۴، ۴۵ مختصراً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# نو مسلم کی ختنہ کی اہمیت

سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی نیا مسلمان بنا ہے؛ لیکن اس کا ابھی تک ختنہ نہیں ہوا، مقامی لوگوں نے اس کو ختنہ کے لیے کہا، تو کہتا ہے کہ ہمارے پیر نے منع کیا ہے۔ دوسری بات کہ اس کا کھانا پینا، رہنا سہنا اس کے بال بچوں کے ساتھ ہے اور وہ سب غیر مسلم ہیں، حال ہی میں اس نے اپنے لڑکے کی شادی ہندو مذہب میں کروائی، وہ آدمی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے، یہاں کے مقتدی لوگ اس سے کتراتے ہیں، تو اسلام لانے کے بعد ختنہ نہ کرانا کیسا ہے؟ اور اس نئے مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے مسجد میں آنے سے یہ ڈر ہے کہ مقتدی کم ہو جائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو ابتدا ہی سے مسلمان ہے، اس کے لیے ختنہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نو مسلم کے لیے ہوتی ہے، ختنہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے، خاص اسلامی علامت ہے جس کا نو مسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نو مسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۴۴)

اس آدمی کا یہ کہنا کہ ہمارے پیر نے منع کیا ہے اس کی جہالت اور احکام اسلامی سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس کا اسلام لانے کے بعد اپنی غیر مسلم بیوی سے تعلق قائم رکھنا یہ بھی شرعاً حرام ہے؛ بہر حال اس کو احکام اسلامی سے واقف کیا جائے، اس کے مسجد میں آنے پر پابندی لگانا تو مناسب نہیں ہے؛ البتہ اس کے اصلاح حال کی

طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ختنہ کے متعلق چند سوالات

سوال: (۱) ہماری شریعت اسلام میں ختنہ سے متعلق کیا احکام ہیں؟

(۲) کیا ختنہ کرنا، کرانا اور کروانا لازمی اور ضروری ہے، اگر ہے تو کیوں؟

(۳) ایک نومسلم جوان ختنہ کرانے سے ہچکچا رہا ہے اس کا کیا کیا جائے؟

(۴) اب اسے مسلم بیوی سے ایک نرینہ اولاد بھی ہوئی ہے، اس کا ختنہ کرانے سے وہ پس وپیش کر رہا ہے، کہتا ہے کہ مجھے بتادو قرآن اور حدیث سے کہ ختنہ کرانا لازمی ضروری یا فرض ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختنہ شعائر اسلام اور اس کی خصائص میں سے ہے، اور خاص اسلامی علامت ہے، جس کا نومسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نومسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے، ختنہ کا مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے رکھے، اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے۔

مجموعۂ فتاویٰ میں ہے ''وکافر یکہ مسلمان شدہ ختنہ اش باید کرد'' در خزانۃ الروایات می آرد: فی الذخیرۃ: ان المسلم یختن مالم تبلغ، فاذا بلغ لم یختن؛ لأن

ستر عورة البالغ فرض،والختان سنة؛ فلايترك الفرض للسنة، والكافر اذا اسلم يختن بالإتفاق لمخالفته دين الإسلام وهو بالغ. (۹٦/۳)یعنی کافر مسلمان ہوتو اس کی ختنہ کی جائے، کافر مسلمان ہو جائے تو بالاتفاق اس کی ختنہ کا حکم ہے؛اس لیے کہ وہ بالغ ہونے کے باوجود دین اسلام کی مخالفت کررہا تھا(اور جب مخالفت ترک کرنا چاہتا ہےتو پوری طرح چھوڑنا اسی وقت کہلائے گا جب کہ خلاف اسلام کوئی ظاہری علامت بھی باقی نہ رہے)، جیسے یہودی اسلام لائے تو شریعت اسلامی کے ساتھ شریعت موسوی کا دامن بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے،مثلاً ہفتہ کی تعظیم کرنا، اوراونٹ کا گوشت (حلال اعتقاد رکھتے ہوئے) نہ کھانا، یہ خیالات اسلام کو پسند نہ آئے،اورآیت نازل ہوئی﴿يايها الذين اٰمنوا ادخلوا فى السلم كافة﴾ (البقرة) (اے ایمان والو،اسلام میں کامل طریقہ سے(ظاہر و باطن دونوں طریقوں سے) داخل ہوجاؤ،یعنی خلاف اسلام کوئی بات تم میں موجود نہ ہونی چاہیے۔(فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۴۴،۴۵)

لہٰذا اس نومسلم کو چاہیے کہ خود بھی ختنہ کرائے اور بچے کی بھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح:عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## موئے زیرِ ناف،بغل اور ناخن کتنے دن میں کاٹنا چاہیے؟

سوال:زیرِ ناف،بغل کے بال اور ناک کے بال اور ناخن کتنے دن میں ایک بار نکالنا سنت ہے؛اگر کوئی آدمی ہر جمعہ کو نکالتا ہےتو اس کا یہ فعل صحیح ہے؟اور اگر کوئی آدمی ہر جمعہ کو نکالنے کو کہتا ہےتو اس کا دوسرے آدمی مذاق اڑاتے ہیں اور عیب سمجھتے

ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے کہ: افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن صفائی حاصل کرے، یعنی ناخن مونچھ درست کرے اور زیرِ ناف اور بغل کے بال کی صفائی کے بعد غسل کرے، زیرِ ناف اور بغل کے بال کی پاکیزگی ہر ہفتہ نہ کر سکے تو پندرہ بیس دن میں کرے، انتہائی مدت چالیس دن ہے، چالیس روز گذر جائیں اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

شامی میں ہے:(و) يستحب (حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مر) والأفضل يوم الجمعة و جاز في كل خمسة عشر وكره تركه وراء الأربعين (قوله وكره تركه) أي تحريما لقول المجتبىٰ: ولا عذر فما وراء الأربعين ويستحق الوعيد (در مختار مع الشامي: ٥/ ٣٥٨)

عن ابن عمر أن النبي ﷺ كان يأخذ أظفاره ويحفي شاربه كل جمعة ويحلق العانة في عشرين يوما وينتف الابط في أربعين يوما. یعنی ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے اور بیسویں روز زیرِ ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے۔

(التعليق الصبيح٤/ ٤٠٥)(فتاویٰ رحیمیہ ٢/ ٢٣٩)

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ نیز بغل اور زیرِ ناف کے بال کی صفائی کرنے کو عیب سمجھنا حکمِ شرع سے جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ٢/ محرم الحرام ١٤٢٤ھ

# بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟

سوال: کیا سر منڈوانا سنت ہے یا بال رکھنا سنت ہے؟ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کام کئے ہیں؛ مگر سر تو منڈوایا صرف حج کے موقع پر ہی، اور بال پوری زندگی رکھے ہیں، تو اچھی کیا بات ہے؟ بعض علماء سر منڈوانے کو کہتے ہیں کہ اس سے اچھا کٹوانا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عام عادت مبارکہ بال رکھنے کی تھی، منڈوانا بہت کم ثابت ہے، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ منڈواتے تھے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/۱۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# زیرِ ناف بال صاف کرنے کی حد

سوال: زیر ناف بالوں کے صاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کی مقدار کیا ہے؟ کسی مولوی نے کہا کہ زیر ناف سے ضروری نہیں؛ بلکہ جہاں سے ران شروع ہوتی ہے وہاں سے ضروری ہے، آپ فیصلہ کیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زیر ناف ہی سے شروع کریں گے۔

(قوله: ويستحب حلق عانته) قال في الهداية: ويبتدى من تحت السرة. (شامي ۵/۲۸۸، كتاب الحظر والإباحة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## موئے زیر ناف کی حد

سوال: موئے زیر ناف کاٹنے کی طولاً وعرضاً مقدار کیا ہے؟ کیا مقعد کے بال کاٹنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناف کے نیچے سے ہی اس کی صفائی شروع ہوگی۔

ويبتدئ في حلق العانة من تحت السرة.(عالمگیری ۵/۳۸۵)

"عانة" کا اطلاق آگے اور پیچھے کی شرمگاہوں پر اگنے والے بالوں پر ہوتا ہے، اس لیے دونوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے "إتحاف السادة المتقين" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ۵۰ ملخصاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## موئے زیر ناف کا ازالہ بذریعۂ صابن وغیرہ

سوال: بعض اشیاء یا بعض صابون کے لگانے سے موئے زیر ناف اگتے نہیں، تو کیا ان اشیاء کا استعمال کرنا صحیح ہے؟ کیا یہ خلاف سنت نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موئے زیر ناف کے ازالہ کے لیے صابن کا استعمال یا دیگر اس نوع کی اشیاء کا استعمال جو ازالہ کا کام کرتی ہوں درست ہے۔

ولو عالج بالنور في العانة يجوز (عالمگیری ۵/۳۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ

## لڑکی زیرناف بال کس چیز سے صاف کرے؟

سوال: ایک غیرشادی شدہ لڑکی ہے، عمر اکیس سال ہے، کیا لڑکیاں اپنی شرم گاہ کے بالوں کو استرے سے یعنی لیز ربلیٹ سے صاف کرسکتی ہیں یا نہیں؟ اور اگر صاف نہیں کرے گی تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بہت سی لڑکیوں نے یہ بات پوچھی ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرسکتی ہے؛ مگر مناسب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۸۶)

عورتوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ پاؤڈر کریم سے یہ بال صاف کریں، ان بالوں کی صفائی ہر ہفتہ میں ایک بار کرنا افضل ہے، اور اس کے لیے جمعہ کا دن بہتر ہے، اور پندرہ دن میں ایک بار کرنا بھی جائز ہے، چالیس دن سے زیادہ تک صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار) لیکن اس کے باوجود اس کی نماز درست ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## عورتیں موئے زیرناف کس سے صاف کریں؟

سوال: عورتوں کو زیرِ ناف بال نکالنے کے لیے کونسی چیز استعمال کرنا ٹھیک ہے؟ کیا عورتیں ریزر استعمال کرسکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موئے زیرِ ناف دور کرنے کے لیے عورتوں کو چونا، پاؤڈر، صابن وغیرہ استعمال کرنے کا حکم ہے، لوہے کا استعمال ان کے لیے پسندیدہ نہیں، مگر گناہ بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح؛ عباس بسم اللہ

## گلے اور گالوں کے بال مونڈنا

سوال: ڈاڑھی کی تحدید گلے کی جانب کہاں تک ہے؟ ایسے ہی گالوں پر جو بال اگے ہیں، اس کو کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ جس کو عموماً لوگ چہرہ بنانے سے تعبیر کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ولا يحلق شعر حلقه وعن أبي يوسف لا بأس بذلك، ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يشبه بالمخنث.(عالمگیری۵/۳۸۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حلق کے بالوں کو نہیں مونڈنا چاہیے؛ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اجازت دیتے ہیں۔ رخسار کے بالوں کو مونڈنا، یعنی خط بنوانا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ختنہ کا جدید طریقہ جائز ہے

سوال: ''انجمن فلاح المسلمین'' شہر ''دانڈیلی'' ریاست ''کرناٹک'' کا ایک

سرگرم ادارہ ہے، مستقل دینی ودنیاوی خدمات میں سرگرم ہے، انجمن فلاح المسلمین داانڈیلی شہر کی تمام مساجد کا سرپرست ادارہ ہے، تعمیری کاموں کے علاوہ دانڈیلی کے مسلمان بھائیوں کے مسائل، مساجد کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا آرہا ہے، ساتھ میں فلاحی کام بھی انجام دیتا آرہا ہے، جیسے ختنہ کیمپ، حج کیمپ، غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد اور ضرورت مندوں کو طبی امداد دیتا آرہا ہے۔ پچھلے دنوں (۱/ مئی ۲۰۱۴) کو شہر دانڈیلی اور اس کے اطراف واکناف کے بچوں کے لیے ختنہ کیمپ رکھا گیا۔ ختنہ کا کام ڈاکٹر جاوید جگدال، ایم بی بی ایس نے کیا، جو ایک دینی کام سے وابستہ شخص ہے، ختنہ کی سرجری کے لیے انہوں نے Bipolar Cautery Circumcision Method طریقہ استعمال کیا، اس میں مشین سے سامنے کے حصے کی چمڑی کو الگ کیا جاتا ہے۔ چند افراد نے اس طریقے کو غیر شرعی کہا اور میڈیا میں لاکر انجمن کو بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ اس تعلق سے آپ کا فتوی شریعت کی روشنی میں بھیجیں، آیا یہ طریقہ شریعت کے دائرہ میں ہے یا نہیں؟ تاکہ انجمن اور عوام دونوں مطمئن ہوسکے!

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

طب جدید کے تجربات نے سرجری کے میدان میں نئے نئے باب کھولے ہیں، مذہب اسلام ایسے تجربات کا خیر مقدم کرتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی حکم شرعی سے متعارض نہ ہو، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ختنہ کی سرجری کا سوال میں ذکر کردہ طریقہ ہے، حضراتِ فقہاء کے کلام میں اس کا حکم صراحۃً اس لیے نہیں پایا جاتا کہ ان کے زمانہ میں یہ متصور نہیں تھا؛ لیکن کلامِ فقہاء میں ایسی نظیریں ضرور ہیں کہ شریعت کا ایک حکم انجام دینے

میں ایک طریقہ مشقت آمیز ہو اور دوسرا اسہل، تو شریعت آسان طریقہ اختیار کرنے سے نہیں روکتی، اصل مقصود حکمِ شرعی پر عمل کرنا ہے، نہ کہ متعین اسباب وآلات اختیار کرنا، مثلاً زیرِ ناف کے بالوں کو صاف کرنا ضروری ہے، یہ حکم مرد وعورت دونوں کو شامل ہے، حدیث شریف میں ان بالوں کے لیے "حلق" (مونڈنا) یا "استحداد" (لوہا استعمال کرنا) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اس حکمِ شرعی کی بجا آوری کے لیے کوئی ان بالوں کو اُکھاڑے، یا کریم کے ذریعہ زائل کرے تو اسے ناجائز نہیں کہا جائے گا، ان بالوں کو کترنا، اُکھاڑنا، چونا اور صابون وغیرہ کے ذریعہ صاف کرنا جائز ہے، ان اسباب کے اختیار کرنے میں افضل اور غیر افضل کا فرق ہوسکتا ہے؛ لیکن جواز میں کسی کو کلام نہیں۔ وبأي شيء أزاله صاحبه فلا بأس؛ لأن المقصود إزالته. (المغني ۸۶/۱) یعنی زیرِ ناف کے بال جس سے بھی صاف کرنا چاہے، اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ مقصود ان کا ازالہ ہے۔ (ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، ص/ ۴۰)

اسی طرح ختنہ کو سمجھ لیجئے! کہ مقصود زائد چمڑی زائل کرنا اور حشفہ (سپاری) کو کھولنا ہے، زائد چمڑی زائل کرنے کا جو بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے اس کی گنجائش ہے، جب تک جدید ٹیکنولوجی ایجاد نہیں ہوئی تھی اُسترے اور قینچی سے ختنہ کیا جاتا رہا۔

سوال میں ذکر کردہ طریقہ نو ایجاد ہے، اس طریقہ کی آپ نے وضاحت نہیں کی، استفتاء کی عبارت انگریزی میں ہے، بندہ اس سے ناواقف ہے، ایک ماہر ڈاکٹر سے معلوم کیا تو بتلایا کہ اس طریقہ میں الیکٹرونک مشین سے ختنہ کی چمڑی کو داغ دیا جاتا ہے، بچہ کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے، اور جائے ختنہ بہت جلد مندمل ہوجاتی ہے، اگر یہی صورتِ حال ہے تو ختنہ کا یہ نو ایجاد طریقہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ہوسکتا ہے معترضین حضرات کو چمڑی کے داغنے پر یا الیکٹرونک آلہ کی وجہ سے اشکال ہو کہ اس میں داغنا اور گرم چیز کا استعمال لازم آتا ہے جو ایک تکلیف دہ امر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کے ضرورت کے وقت اس کی گنجائش ہے، کتبِ فقہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نمونہ کے طور پر ایک مثال پیش کی جاتی ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے: چور کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے اور داغ دیا جائے؛ کیوں کہ اگر داغا نہ جائے تو خون زیادہ بہنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور حد (ہاتھ کاٹنا) تنبیہ کے لیے ہوتی ہے، ہلاک کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔

ہدایہ کی عبارت ہے: ويقطع يمين السارق من الزند و يحسم (إلى قوله) وقد صح أن النبي ﷺ أمر بقطع يد السارق من الزند والحسم لقوله: واحسموه، ولأنه لو لم يحسم يفضي إلى التلف، والحد زاجر، لا متلف. (هدايه اولين: ص:٥٤٧)

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھا ہے: یہ داغنا واجب ہے۔

و قول المصنف: (لأنه لو لم يحسم يفضي إلى التلف) يقتضي وجوبه. (فتح القدير ٥/٣٨)

ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کو داغنا حدیث شریف سے ثابت ہے، اس نوع کی احادیث اور آثارِ صحابہ نصب الرایہ (٤/٣٧١) میں مذکور ہیں۔

لہٰذا آپ کا ادارہ ''ختنہ کیمپ'' کے ذریعہ جو خدمت انجام دے رہا ہے، بلا تردد جائز ہے، اس طریقہ کو غیر شرعی کہنا اور میڈیا میں لاکر ادارہ کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا خود غیر شرعی اور حرام ہے، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی

ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی ۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# غیر عاقل بالغ کے موئے زیر ناف کیسے کاٹے جائے؟

سوال: میرا بھائی بالغ ہو چکا ہے اور وہ غیر عاقل ہے تو اس کے موئے زیر ناف اور موئے بغل کون کاٹے، اور کس کا کاٹنا اچھا ہے، کیا والد کا کاٹنا اچھا ہے، یا میرا، یا میری والدہ کا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مناسب یہ ہے کہ پاؤڈر یا صابون استعمال کر کے اس کے موئے زیر ناف صاف کئے جائیں، اگر وہ خود صابون استعمال کر سکتا ہے تو اسی سے کرایا جائے، ورنہ کوئی بھی کر سکتا ہے؛ البتہ نگاہیں بچا کر کرے۔

ولو عالج بالنور فی العانة یجوز، حلق عانته بیده وحلق الحجام جائز ان غمض بصره.(عالمگیری)

بغل ستر میں نہیں ہے؛ اس لیے کوئی بھی موئے بغل لے سکتا ہے، اس میں غض بصر ضروری نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# موبائل سے متعلق مسائل

## موبائل کی رنگ میں "اللہ اکبر" فٹ کرنا

سوال: کیا موبائل کی رنگ ٹون میں بجائے رنگ کے صدائے اللہ اکبر فٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اللہ اکبر کی آواز والی "ڈور بیل" کے سلسلہ میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے۔ "اس بیل کا استعمال جائز نہیں، اس میں اللہ عز وجل کے مبارک اور بے حد قابل عظمت نام کو کسی کو اپنے آنے کی خبر دینے یا کسی کو بلانے کے لیے استعمال کرنا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں گناہ کا کام ہے، اس کے اس طرح استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے پاک اور مبارک نام کی توہین ہے، لہٰذا گھر پر یا آفس میں اسے استعمال نہ کیا جائے، اللہ کا مبارک نام خالص ذکر الٰہی کی نیت اور ارادہ سے لینا چاہیے، اپنی کوئی دنیوی غرض پوری کرنے کے لیے اس مبارک نام کو استعمال کرنا بہت ہی نامناسب اور ایمانی غیرت کے منافی ہے"۔ (۳۳۵/۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آنا

سوال: بہت سے حضرات مسجد میں فرض نماز کے وقت بھی موبائل سوئچ آف

نہیں کرتے ،جس کی وجہ سے دوران نماز موبائل کی گھنٹی (جو میوزک ٹون میں بھی ہوتی ہے) بجتی رہتی ہے اس صورت حال کا کیا حکم ہے؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

نماز کے اوقات میں مسجد میں کوئی بھی ایسا فعل جو مصلیوں کی نماز میں مخل ہو جائز نہیں ہے اگر چہ وہ دینی کام کیوں نہ ہو۔ مثلاً نماز کے وقت جہراً تلاوت۔ یا ذکر کرنا، بآواز بلند کتاب پڑھنا وغیرہ افعال، امور دین اور کارہائے ثواب ہیں پھر بھی ؛ اس لیے ناجائز ہیں کہ ان سے مصلیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، آپ سوچ سکتے ہیں کہ دوران نماز مذکورہ امورِ دین اور کارہائے ثواب کی بھی اجازت نہیں دی گئی تو پھر نماز باجماعت جاری ہونے کی حالت میں کسی کے موبائل سے بلند آواز میں میوزک بجنے لگے اس کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے؟

خصوصاً اس لیے بھی کہ احادیث پاک میں میوزک کے بارے میں سخت وعیدیں مذکور ہیں۔ زمین میں دھنسا دینے، اور انسانی چہرے مسخ کر دیے جانے تک کی سخت وعیدیں اس برے فعل پر وارد ہوئی ہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا اہم مقصد راگ اور باجوں کو ختم کرنے کا ذکر کیا ہو، ایسی حالت میں کسی امتی کا اپنی جیب میں ایسے آلہ کو کھلا (on) رکھتے ہوئے مسجد میں آنا اور نماز میں شامل ہونا پھر اس گھنٹی کی وجہ سے پوری مسجد کے مصلیوں کی نماز کے خراب ہونے کا اندیشہ لاحق ہو تو پھر یہ فعل کتنا برا اور قابلِ مذمت ہے یہ سمجھا جا سکتا ہے؛ لہٰذا جو حضرات اس طرح دانستہ یا نادانستہ نمازیں خراب کرنے کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں انھیں خوب غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ حضرات اس طرح مسجد میں آ کر اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں یا برباد کر رہے ہیں؟

مصلی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت جو حدیث پاک میں مذکور ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ سامنے سے گزرنے کی وجہ سے مصلی کا دھیان نماز سے ہٹ جاتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن بشر بن سعد قال: ارسلني ابوجهم الى زيد بن خالد أسأله عن المار بين يدى المصلي، فقال: لويعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه لكان أن يقوم أربعين خريفا خيرا له من ان يمر بين يديه.

ترجمہ: نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو چالیس سال وہاں کھڑا رہنا اسے گزر جانے کے مقابلہ میں آسان معلوم ہو۔ (کشف النقاب ۵/۳۰۱)

عن يزيد بن نمران قال: رأيت رجلا مقعدا فقال: مررت بين يدى النبي ﷺ وانا على حمار وهو يصلى فقال: اللهم اقطع اثره، فما مشيت عليها.

ترجمہ: یزید ابن نمران فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اپاہج آدمی کو دیکھا جس نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے، اور میں گدھے پر سوار آپ ﷺ کے سامنے سے گزر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کے نشان قدم کو ختم کردے میں اسی وقت سے چلنے سے عاجز ہوں۔ (۵/۳۰۰)

رجل من اهل الطائف قال: جاء كلب والنبي ﷺ يصلى بالناس صلاة العصر ليمر بين ايديهم فقال: رجل من القوم اللهم احبسه، فمات الكلب فلما انصرف النبي ﷺ قال: ايكم دعا عديه؟ قال الرجل: أنا يا رسول الله! فقال النبي ﷺ: لو دعا على امة من الا مم

لا استجيب له.

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز میں امامت فرما رہے تھے، اس درمیان میں ایک کتا آیا جو سامنے سے گزرنا چاہتا تھا نمازیوں میں کوئی بول پڑا کہ اے اللہ! اسے روک دے، چناں چہ وہ کتا وہیں مر گیا، نماز سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کس نے اس کے لیے بددعا کی تھی؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ اگر ایک پوری قوم کے لیے بددعا کی جاتی تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔ (۵/۳۰۰)

مذکورہ احادیث پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، ایک آدمی مصلی کے سامنے سے خاموش گزر جاتا ہے پھر بھی اس کے لیے اتنی سخت وعیدیں ہیں، کیوں کہ اس طرح گزرنے سے بھی مصلی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے تو پھر جو حضرات اپنا موبائل کھلا (آن) رکھ کر نماز میں شامل ہوتے ہیں اور پھر دوران نماز ان کا موبائل شیطانی آواز یعنی میوزک بجا کر پوری مسجد کے مصلیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتا ہے تو ایسے آدمی کو کیا کچھ نہیں کرنا چاہیے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کے کسی بندے کی زبان سے کوئی بددعا نکل جائے اور ایسے آدمی کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

دنیا کے تمام شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص آداب مقرر ہوتے ہیں، جن کو ہر شخص جانتا ہے چوں کہ مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا عظیم الشان دربار ہے؛ اس لیے اس کے بھی کچھ آداب ہیں، جو اس دربار کے ناظم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سکھائے ہیں، ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ ان کو معلوم کر کے ان کے موافق چلنے کی کوشش کرے۔ (آداب المساجد ۲۶)

بعض بزرگان سلف سے نقل کیا جاتا ہے کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچتے تھے تو بوجہ خوف ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ لوگ جب دنیا کے کسی حاکم کے دربار میں جاتے ہیں، تو ان پر اس کا رعب چھا جاتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کوئی بات عدالت کے آداب اور حاکم کی شان کے خلاف نہ ہو جائے، تو کیا میں احکم الحاکمین کے دربار کی اتنی بھی وقعت نہ کروں جتنی ایک ادنی حاکم کی کی جاتی ہے، اس خوف سے میرا رنگ زرد ہو جاتا ہے کہ کہیں اس دربار کی شان کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو جائے۔ (آداب المساجد ۳۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں تھے ایک شخص آیا جو کچھ لیے ہوئے تھا اس کو صف کے آگے ڈال دیا اور خود نماز میں شریک ہو گیا (جیسا کہ آج کل عموماً کیا جاتا ہے) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی)

اس حکایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو نمازیوں کے آگے اس طرح ڈالنا یا اٹھانا کہ ان کی توجہ اس کی طرف پھر جائے برا ہے؛ لیکن اگر بضرورتِ حفاظت اپنے ضروری سامان کو آہستہ سے اس طرح سامنے رکھ دے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (آداب المساجد ۴۰)

مذکورہ واقعہ میں اس شخص نے اپنا سامان آہستہ رکھنے کے بجائے ڈال دیا جس کی آواز سے مصلیوں کی نماز میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر اس کو سزا دی۔

جو حضرات اپنا موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آتے ہیں اور دورانِ نماز ان کا موبائل بجنے لگتا ہے تو اس سے مسجد میں موجود تمام مصلیوں کی نماز میں جو شدید خلل واقع ہوتا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں ایسا شخص کتنی سخت سزا کا مستحق ہوگا یہ سوچا جا سکتا ہے۔

اگر موبائل کا رنگ ٹون سادہ گھنٹی کی آواز میں ہو تو اس کی برائی کا اندازہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہو سکتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "سفر کے ایسے رفقاء (اور قافلہ) جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو فرشتے ان کے ہمراہ نہیں چلتے" (مسلم شریف) ایک اور حدیث میں ہے "گھنٹی شیطان کی بانسری ہے"۔ (ابوداؤد)

گھنٹی کی آواز جس میں کوئی کشش نہیں ہوتی اس کے بارے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات ہوں تو پھر آج کل موبائل میں جس قسم کے ٹونس عام ہو رہے ہیں، اس سے تو میوزک جیسی حرام چیز کی ترویج اور اشاعت ہو رہی ہے، قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك﴾ "تو اپنی آواز کے ذریعہ جس کو چاہے بہکا لے"۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے، امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابلیس! تو انھیں کھیل، تماشوں اور گانے بجانے کے ساتھ مغلوب کر، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے یہی قول حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اسی کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں: اور سب کو معلوم ہے کہ

معصیت کی طرف دعوت دینے والوں میں گانا بجانا سب سے بڑھ کر ہے، اسی وجہ سے ''شیطان کی آواز'' کی تفسیر اس کے ساتھ کی گئی۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۸۱)

بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے''۔

آج کل موبائل کے مختلف ٹون کے معاملہ میں جس طرح کی غفلت اور چشم پوشی کرتے ہیں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے ٹون کو حلال سمجھتے ہیں۔

مسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو راہ چلتے ایک گدڑریے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے، اور مجھ سے بار بار پوچھتے کیا بانسری کی آواز تمھیں سنائی دے رہی ہے؟ میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں میں دیے چلتے رہے حتی کہ میں نے کہا: اب آواز نہیں آ رہی ہے تب انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور راستہ چلنے لگے پھر فرمایا: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی بعینہ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کانوں میں انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۸۳)

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شیطانی آواز کو لمحہ بھر سننا گوارا نہ فرمایا، آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انھیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارہ نہیں، نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں تو اس وقت بھی موبائل کھلا رکھ کر مسجد جیسے مقدس مقام کو اس طرح کی شیطانی آواز کے ذریعہ خراب کرنے کی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔

نماز کے لیے مسجد میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر دنیاوی مصروفیات سے منقطع ہو کر مقررہ وقت تک اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرے، اسی لیے ہر وہ کام جو نماز سے توجہ ہٹانے والا ہو جائز نہیں ہے، کسی کو اگر قضائے حاجت کا تقاضا ہو تو اس حال میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی اور بحکمِ حدیث ممنوع ہے کیوں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ظاہری حالت میں تو نیت کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے مگر در حقیقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ نہیں۔

اسی طرح نماز کی ادائیگی کے لیے جو پیشگی تیاریاں شریعت نے لازم قرار دی ہیں، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان جب ادائیگی فرض کے لیے کھڑا ہو تو مکمل طور پر نماز میں مگن ہو جائے، اور اسی لیے فرض نماز سے قبل کچھ سنتیں بھی رکھی گئیں؛ تا کہ سنت کے ذریعہ یک گونہ تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جائے اور اس کے بعد فرض نماز اس حالت میں ادا ہو کہ اس کا دل تمام علائق سے مکمل طور پر منقطع ہو کر اللہ کی جانب متوجہ ہو چکا ہو۔

اس اہتمام کا تقاضا یہ تھا کہ موبائل کو اپنے ساتھ مسجد میں ہی نہ لایا جائے؛ لیکن اگر یہ حکم دیا جائے تو ایسے آدمی کو دشواری لاحق ہو جاتی جو سفر میں ہو یا جو گھر سے دیگر ضرورت سے موبائل لے کر نکلا ہو چناں چہ بند (آف) حالت میں تو موبائل مسجد میں لے جانا ممنوع نہیں؛ لیکن کھلا (آن) موبائل مسجد میں لے جانا نماز کے لیے مسجد میں جانے کے مقصد کے بالکل خلاف ہے؛ لہٰذا موبائل استعمال کرنے والے تمام حضرات کے لیے ضروری ہے کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اپنا موبائل بند کر لیں، اور جو

حضرات عمداً موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آتے ہیں وہ گنہ گار اور قابلِ مذمت ہیں۔

اگر کوئی شخص پہلے سے موبائل بند کرنا بھول گیا، اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ کثیر کے بغیر گھنٹی بند کرنا ممکن ہو تو بند کردی جائے؛ لیکن اگر اس کے لیے عملِ کثیر کا ارتکاب کیا گیا تو اس طرح موبائل بند کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

عملِ کثیر کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کے کرنے والے کو دور سے دیکھنے والا شخص سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں وہ عملِ کثیر ہے، اور اگر وہ حرکت اتنی زیادہ نہ ہو تو عملِ قلیل ہے، جس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/۲/ ۱۴۲۶ھ

# موبائل سے متعلق چند اہم مسائل

(سوال): بندہ موبائل کے مسائل کو کتابی شکل میں جمع کر رہا ہے اور آپ سے بھی عرض کیا تھا کہ آپ بھی اپنے فتاوی موبائل سے متعلق عطا فرمائیں تو آپ نے دو مسئلے عطا فرمائے تھے، اب گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل سوالوں کی کتاب میں کمی محسوس ہو رہی ہے؛ اس لیے آپ کرم فرما کر مندرجہ سوالوں کے جوابات جلد عطا فرمائیں تاکہ کتاب بقر عید کی تعطیل تک تیار ہو کر منظر عام پر آسکے۔

(۱) مدرس اور ٹیچر کا مدرسہ یا اسکول کے اوقات میں موبائل سے بات چیت کرنا کیسا ہے؟

(۲) مدرسہ کے طلباء کا موبائل استعمال کرنا۔

③ کنواری لڑکی کا موبائل استعمال کرنا جب کہ وہ عشق میں غیر محرم سے بات کرتی رہتی ہے۔

④ موبائل کے ذریعہ قبرستان میں بات چیت کرنا۔

⑤ موبائل کی جوابی رِنگ میں عورت کی آواز رکھنا۔

⑥ موبائل کی اسکرین پر جاندار کی تصویر یا کسی عورت کی تصویر رکھنا کیسا ہے؟

⑦ اسکرین پر لفظ اللہ یا آیات یا حدیث یا کلمہ لکھے ہوئے موبائل کو لے کر بیت الخلاء میں جانا شرعاً کیسا ہے؟

⑧ موبائل کی ٹون یا جوابی رنگ ٹون میں ''السلام علیکم'' رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

⑨ موبائل پر نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیا ایسی کوئی شکل ہے جس میں موبائل پر نکاح جائز ہو؟

⑩ موبائل پر چاند کی گواہی لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

⑪ موبائل پر چاند کی خبر قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

⑫ موبائل میں رنگ ٹون کس طرح کی رکھنی چاہیے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مدرس اور ٹیچر کے حق میں مدرسہ یا اسکول کے اوقات امانت ہیں؛ اس لیے کہ عقدِ اجارہ کے ذریعہ انھوں نے اپنے ان اوقات کو مدرسہ یا اسکول کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، گویا وہ خود اس کے مالک نہیں ہیں، اس کے بعد مدرسہ یا اسکول

نے اوقات میں جو تدریسی یا غیر تدریسی خدمت ان کے حوالہ کی ہے اس کی ان اوقات میں انجام دہی کے لیے خود انھی پر اعتماد کیا، اب اگر وہ ان اوقات میں موبائل سے بات چیت کریں گے تو گویا انھوں نے ان اوقات کے مدرسہ یا اسکول کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنے میں ان پر کیے گئے اعتماد کی خلاف ورزی کر کے خیانت کا ارتکاب کیا جو درست نہیں؛ اس لیے ان حضرات کو ان اوقات میں اپنا موبائل بند ہی رکھنا چاہیے تا کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے۔

(۲) طلباء کے لیے موبائل کا استعمال ان کی یکسوئی (جو حصول علم کے لیے ضروری ہے اس) میں مخل ہونے کے ساتھ اسراف بھی ہے یہ تو اس وقت جب وہ احتیاط کے ساتھ اس کو استعمال کرتے ہوں، ورنہ جیسا کہ دستور ہے، بہت ساری خرابیوں کا باعث ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

(۳) کنواری لڑکی کا بذریعہ موبائل غیر محرم سے عشقیہ گفتگو کرنا حرام اور ناجائز ہے، نیز بہ نصِ حدیث زبان کا زنا ہے۔

(۴) موبائل کے ذریعہ قبرستان میں ضروری بات چیت کی جاسکتی ہے۔

(۵) عورت کی آواز اگرچہ مفتی بہ قول کے مطابق ستر نہیں؛ لیکن اجنبیہ کی آواز عموماً سننے والے کے دل میں وساوس اور خواہشات پیدا کرتی ہے؛ اس لیے جوابی رنگ میں عورت کی آواز رکھنا درست نہیں۔

(۶) اس کا حرام ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۷) جب اسکرین پر لفظ اللہ یا آیات قرآنی یا حدیث یا کلمہ لکھا ہوا ہو تو ایسے موبائل کو جیب میں اس طرح لے کر بیت الخلاء میں جانا کہ وہ تحریر اندر چھپی ہوئی ہو

اس کی اجازت ہے، اور اندر جانے کے بعد بھی اس کو جیب سے نکالا نہ جائے، ورنہ درست نہیں۔

⑧ اس کی گنجائش ہے؛ لیکن احتیاطی طور پر نہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

⑨ نکاح میں چوں کہ ایجاب وقبول ہوتا ہے اور دونوں کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس ایجاب وقبول کو بیک وقت دونوں گواہ بھی سن رہے ہوں اور یہ سب باتیں موبائل پر دشوار ہیں؛ اس لیے درست نہیں؛ البتہ اگر لڑکا یا لڑکی بذریعہ موبائل کسی کو اپنا وکیل بالنکاح بنا دے اور پھر وہ وکیل مجلس نکاح میں ان کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تو درست ہو سکتا ہے۔

⑩ ⑪ موبائل بھی فون ہی کی ایک قسم ہے؛ اس لیے جو حکم ٹیلی فون کا ہے وہی حکم اس مسئلہ میں موبائل کا بھی ہے۔

⑫ سادہ رنگ ٹون ہو، یعنی اس میں کسی قسم کی موسیقی یا گانا وغیرہ کا انداز نہ ہو، جیسے عام طور پر ٹیلی فون کی گھنٹی ہوا کرتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# باب العلاج والتداوی

## بیماری کی وجہ سے پلاسٹک سرجری کروانا

سوال: ایک شخص کے ناک میں ایسی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو نزلہ، زکام بہت جلدی ہو جاتا ہے، ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پلاسٹک سرجری کروا لینے کے

بعد وہ تکلیف دور ہوسکتی ہے، نیز پلاسٹک سرجری سے خوبصورتی بھی مقصود ہے، تو کیا وہ شخص پلاسٹک سرجری کرا سکتا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خوبصورتی اور زینت کے لیے پلاسٹک سرجری کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ نزلہ زکام کی تکلیف مستقل ہو اور سرجری سے دور ہوسکتی ہو تو اس کی اجازت ہے، یہ فیصلہ مبتلی بہ کی دیانت پر ہے کہ وہ حقیقۃً کس مقصد کے لیے سرجری کروا رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ایک انسان کا گردہ دوسرے کو لگانا

**سوال**: حافظ زید صاحب کی کڈنی کا مسئلہ اٹکا ہوا ہے، تین مفتیان کرام کے سامنے ہم نے فتویٰ رکھا تھا، تینوں مفتیان کرام نے اجازت دی تھی، حافظ صاحب کی ڈیڑھ سال سے کڈنی خراب ہے، ڈایالسس ہفتہ میں تین مرتبہ ہوتا ہے، عمر ستائیس سال ہے، دو بچیاں ہیں، ڈاکٹروں سے مشورہ لیا تھا ان کا کہنا ہے کہ کڈنی بدلنے سے آپ کو راحت مل سکتی ہے اور بہت علاج کیا؛ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، صرف ڈایالسس سے وقتی فائدہ ہوتا ہے اسی لیے کڈنی بدلنے کا آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں آپ جو بھی فتویٰ دیں گے ان شاء اللہ اس پر ضرور عمل کریں گے، اور کڈنی دینے والے رشتہ دار ہیں اور وہ اپنی خوشی سے کڈنی دیتے ہیں اور کوئی لالچ نہیں ہے، اور ایک مفتی صاحب

سے ہم نے مسئلہ پوچھا تھا انھوں نے اجازت نہیں دی تھی اور جن مفتیان کرام سے ہم نے فتویٰ پوچھا تو وہ فتویٰ کو کاغذ پر لکھ کر نہیں دیتے؛ بلکہ وہ زبانی فتویٰ دیتے ہیں اسی لیے بڑے بھائی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ جو بھی فتویٰ دیں تو کاغذ پر لکھ کر دیویں تو آپ کا شکریہ ہوگا۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکے، اسی بنا پر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دے دے، اور اس کی بہت سی نظائر کتب فقہ میں ہیں۔ فتاوی قاضی خان میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل: اقطع يدی وكلها، او قال اقطع منی قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل.

(فتاویٰ قاضی خان:٣٦٥، کتاب الحظر والاباحة)

یعنی کوئی شخص حالتِ اضطرار میں ہے، اور بھوک کی وجہ سے اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور مردار جانور تک نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچائے، اس حالت میں کسی شخص نے پیش کش کی کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو، یا یوں کہا کہ کسی جگہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو اس مضطر کے لیے اس شخص کا ہاتھ یا گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے، اور کسی شخص کو اس طرح کی پیش کش کرنا بھی صحیح نہیں ہے (اس لیے کہ وہ خود اپنے ہاتھ یا اپنے بدن کے گوشت پوست کا مالک نہیں ہے) جس طرح خود مضطر کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بدن میں سے گوشت کاٹ کر کھائے۔

یہی وجہ کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے؛ اس لیے کہ کوئی شخص اپنی روح کا مالک نہیں ہے کہ اسے ضائع کردے، لہٰذا کسی زندہ یا مردہ انسان کا گردہ آپریشن کر کے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ''الضرر لایزال بالضرر'' ضرر کو ضرر سے دفع نہ کیا جائے۔ (الاشباہ ص ۱۰۹)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح، کذا فی جواهر الاخلاطی. ''یعنی انسان کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں ہے، انتفاع کے عدم جواز کی علت یا تو نجاست ہے یا کرامت واحترام، صحیح کرامت واحترام کو علت قرار دینا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولقدکرمنا بنی آدم﴾ (الإسراء) تحقیق کہ عزت دی ہم نے اولادِ آدم کو۔

(فتاوی عالمگیری ٦/٣٣٦ مطبوعه کانپور)

حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اللہ کی لعنت ہے واصلہ اور مستوصلہ پر (واصلہ: وہ عورت ہے جو دوسرے کے بال عورتوں کے بالوں میں لگاتی ہے تا کہ سر کے بال زیادہ اور لمبے معلوم ہوں۔ مستوصلہ: وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسرے کے بال لگوائے)۔

مشکوٰۃ شریف میں بحوالۂ بخاری ومسلم حدیث ہے: عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال: لعن الله الواصلة والمستوصلة (مشکوٰةشریف:ص:۳۸۱ باب الترجل)

شامی میں ہے: وفی الاختیار ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام، سواء کان شعرها او شعر غیرها لقوله ﷺ لعن الله الواصلة والمستوصلة الخ (شامی ٥/٣٢٨، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس) ''یعنی کسی دوسری عورت کے

بال اپنے بالوں میں جوڑنا حرام ہے، چاہے خود اس کے بال ہوں یا کسی دوسری عورت کے بال ہوں، حضور ﷺ کے اس فرمان "لعن الله الواصلة والمستوصلة" الخ کی بنا پر۔

صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور حافظ زید کے لیے جائز نہیں کہ اپنے رشتہ دار سے گردہ لے کر اپنے جسم میں لگوائے۔

آج کل کی تحقیق کے اعتبار سے نفع ہوتا ہو تو اس سے انکار نہیں مگر ﴿اثمهما اكبر من نفعهما﴾ کے اصول پر ناجائز ہی ہوگا، نیز اس طریقہ میں انسانیت کی توہین بھی ہے، کہ اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضاء "بکری کا مال" بن جائیں گے اور یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ جس کا گردہ لیا جائے گا اس کی صحت اور زندگی خطرہ میں پڑے گی اور جس کو گردہ دیا جائے گا اس کی صحت یقینی نہیں ہے، اللہ ہی سے شفاء کی امید رکھیں، دوا اور علاج کے ساتھ دعاؤں کا بھی خصوصی اہتمام رکھیں، صدقہ وخیرات بھی حسبِ حیثیت کریں کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، اللہ کو منظور ہوگا تو ان شاء اللہ ضرور شفاء عطا فرمائے گا، قضائے الٰہی پر راضی رہیں، اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/۲۸۶ تا ۲۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## انسانی اعضاء کا ہبہ

(سوال): یہ تو آپ کو معلوم ہوگا ہی کہ انسان کے اعضاء ہبہ کئے جا سکتے ہیں۔ جب بھی کسی مریض کو کسی عضو کے ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی موہوبہ اعضاء

میں سے ڈال دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہبہ کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔ کیا کسی مریض کو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ اس موہوبہ اعضاء میں سے کسی عضو کو ڈلوا دے؟ جیسے ایک مریض ہے اس کی آنکھ کی روشنی قریب الختم ہے تو کیا وہ موہوبہ آنکھ ڈلوا سکتا ہے؟ مولانا برہان الدین سنبھلی کے جدید مسائل سے تو ناجائز معلوم ہوتا ہے آپ سے مزید اطمینان قلب کے لیے سوال کر رہا ہوں۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی فوت شدہ آدمی اگر اپنا دل، جگر، آنکھ وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کے لیے دے گیا ہو پھر بھی دوسرے آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم میں ایسا کوئی عضو لگائے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۳۳، ۱۴/ ۴۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## اعضائے انسانی کا ہبہ اور اس کی وصیت

**سوال**: برطانیہ میں انگریز قوم اپنے اعضاء کو حیات میں، اور مرنے سے قبل وصیت نامہ میں ہسپتال والے کو ہدیہ کر جاتے ہیں، اس طرح ہسپتال میں یہ اعضاء موجود ہوتے ہیں، اب ایک مسلمان بیمار پڑتا ہے، اور ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فقط دوسرے کے عضو کو لے کر جان بچ سکتی ہے، مثال کے طور پر گردہ، کہ یہ گردہ ہسپتال میں پہلے سے میسر ہے، اور ادھر انسان بیمار ہے، تو کیا ایسی حالت میں اس عضو کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی فوت شدہ انسان کا جگر آنکھ، دل، وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے، اگر کوئی آدمی ایسی وصیت کرتا ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو یہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ ناقابل نفاذ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۴۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حیض بند ہونے کی عمر، حصول اولاد کے لیے معالجہ ہونہ کہ مبالغہ

سوال: شادی کو دس سال ہوئے، اس دوران میں اولاد نہ ہونے پر مختلف دوا ومعالجہ کیا جاتا رہا، چھ سال کے عرصہ کے بعد ایک اولاد مردہ حالت میں بذریعۂ آپریشن (سیزر) کے ذریعہ ہوئی، اس کے بعد سے اب تک یعنی ۴، ۵ سال تک بیوی کی ماہواری بند ہے، مختلف ماہر طب کی خدمات میں بھی لے گیا، جدید مشینوں کے ذریعہ Clearing کر کے ماہواری کو جاری کیا گیا، پھر بھی بند ہے، بہت سارے دوا علاج مختلف قسم کے دعاء، تعویذ کا بھی اہتمام کیا گیا، اس دوران میں میاں بیوی میں آپس میں رنجش نفرت وغیرہ بھی ہوا کرتی تھی، دوا معالجہ اور تعویذ ودعا پر بھی خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوا، اس صورت مسئولہ میں جب کہ بیوی کی عمر بہ مشکل ۳۰/ سال ہے، دس سال کے عرصہ میں اولاد کے لیے دعا، اولاد کا مردہ حالت میں آپریشن (سیزر) کے ذریعہ اور اس کے بعد سے اب تک یعنی چار پانچ سال تک بیوی کو ماہواری کا بند ہونا، مختلف دوا معالجہ کے بعد بھی افاقہ نہیں ہوا، اس کا شرعی حل کیا ہے؟ کیا کرنا

چاہیے؟ عام طور پر عورتوں میں ماہواری کی مدت پچاس سے پچپن سال تک ہے، حصول اولاد کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عموماً عورتوں کو پچپن سال کی عمر کے بعد حیض کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس عمر کو سن ایاس (یعنی حیض کا سلسلہ بند ہونے کی عمر) قرار دیا ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی عورت کو اس کے بعد حیض نہیں آسکتا؛ بلکہ جہاں سن ایاس کی یہ مقدار فقہاء نے لکھی ہے، وہیں یہ مسئلہ بھی موجود ہے، کہ اس عمر کے بعد بھی عورت کو اگر خون آئے اور اس کا رنگ خالص خون کا رنگ ہو، یعنی خوب سرخ یا سیاہ ہو تو وہ حیض شمار ہوگا۔

ومارأته بعدها أى المدة المذكورة فليس بحيض فى ظاهر المذهب إلا اذا كان دما خالصاً (درمختار) أى كالأسود، والأحمر القانى درر. (شامي ۱/۲۲۲)

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کے حیض کا سلسلہ اس مقررہ مدت سے پہلے بند ہو جائے، صورت مسئولہ میں بھی اگر چہ عورت کی عمر تیس سال ہے، پھر بھی یہ ممکن ہے کہ حیض نہ آوے، اس لیے کہ حیض کے بند ہونے کے مختلف طبعی اسباب ہوا کرتے ہیں، خاص کر کے صورت مسئولہ میں جب اس عورت کو مردہ بچہ بذریعہ آپریشن پیدا ہوا ایسی صورتوں میں بعض مرتبہ حیض کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے شرعی اعتبار سے جب تک اس کو باقاعدہ شرعی اصول کے مطابق خون نہ آوے، وہاں تک اس پر حائضہ کا حکم جاری نہ ہوگا؛ نیز شرعی اعتبار سے یہ بھی ضروری نہیں کہ علاج معالجہ کر کے حیض کو جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

رہا حصول اولاد کا مسئلہ تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر عورت کو بچہ پیدا ہی ہو، اس سلسلہ میں قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا صاف صاف ارشاد موجود ہے: ﴿لله ملك السموت والارض يخلق مايشاء، يهب لمن يشاء اناثا، ويهب لمن يشاء الذكور، او يزوجهم ذكرانا واناثا، ويجعل من يشاء عقيما، انه عليم قدير﴾ ترجمہ: اللہ ہی کی ہے (سب) سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے؛ (چناں چہ) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا ان کو (جس کے لیے چاہے) جمع کر دیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔ (معارف القرآن ۷/۷۱۱)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

''انسان کی تخلیق میں کسی کے ارادہ واختیار؛ بلکہ علم وخبر کا بھی کوئی دخل نہیں اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا، انسان کے ماں باپ جو اس کی تخلیق کا ظاہری سبب بنتے ہیں، خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچہ کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں، تخلیق میں دخل ہونا تو دور کی بات، بچہ کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا، کیسا اور کس طرح بن رہا ہے؟ یہ صرف حق تعالیٰ کا کام ہے کہ کسی کو اولاد لڑکیاں دے دیتا ہے، کسی کو نرینہ اولاد لڑکے بخش دیتا ہے، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے، اور کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ۷/۷۱۱، ۷۱۲)

جب اولاد کا دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے، تو اس کے حصول کے لیے شرعی حدود میں رہ کر اعتدال کی راہ چلتے ہوئے جو تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں، ان کو اپنانے میں تو کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد بھی ضروری نہیں کہ اولاد پیدا ہی ہو، جیسے دنیا کے دوسرے کاموں میں اسباب کا جو حال ہے کہ اس کو اختیار کیا جاتا ہے؛ لیکن بعض مرتبہ اس پر مطلوبہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ ان اسباب کے اندر بھی تاثیر ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ چاہے تو ان میں تاثیر ڈال کر مطلوبہ نتیجہ پیدا کردے ورنہ نہیں، اس لیے آپ بھی حصول اولاد کے لیے اسباب اختیار کرنے میں مبالغہ اور غلو سے کام نہ لیں، اور بقدر ضرورت بطریق اعتدال علاج معالجہ اور دعا کا اہتمام کرنے کے باوجود اولاد نہیں ہوئی تو اب اللہ کے اس فیصلہ پر دل سے راضی رہیں، اولاد نہ ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عسى ان تكرهوا شيئاً وهو خير لكم، وعسى ان تحبوا شيئاً وهو شر لكم، والله يعلم وانتم لا تعلمون﴾ (البقرة:۲۱۶) یعنی یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو برا سمجھو، اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں خیر (اور مصلحت) ہو، اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی (کا) ہو، اور (ہر شئ کی حقیقت حال کو) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

# دوا کے ذریعہ حیض رکوانا

سوال: (۱) عورت کو حج کے دوران حیض جاری ہو جانے سے کافی پریشانی ہو جاتی ہے، سمجھتی ہے کہ مبارک جگہ کی عظیم عبادات، طواف وغیرہ سے میں محروم ہو گئی، اس سلسلہ میں ایک دیندار ڈاکٹر صاحب سے معلوم ہوا کہ ایک دو ماہ کے لیے اگر دوا کے ذریعہ حیض رکوالیا جائے تو صحت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اور یورپ کی عورتیں چھٹیوں کے دوران ٹیبلیٹ کھا کر حیض رکوالیتی ہیں، یہ رواج ان میں عام ہے، تو کیا اس طرح حج کے لیے حیض رکوانے کی شرعی اعتبار سے اجازت ہے؟

(۲) حیض کی وجہ سے اگر کسی عورت کو طوافِ زیارت کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اپنے وطن واپس آگئی تو اس کا حج ادا ہو جائے گا؟ آنجناب کو معلوم ہے کہ ہوائی جہاز کی بکنگ سعودی عرب میں آگے پیچھے کرانا ایک مشکل مرحلہ ہے، اس صورت میں عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) اگر عورت کے لیے مانعِ حیض دوا کا استعمال مضر نہ ہو، عورت اسے برداشت کر سکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو مانعِ حیض دوا استعمال کی جا سکتی ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۸/۲۷۹)

(۲) عورت حیض کی حالت میں ہو تو وہ طوافِ زیارت کے سوا حج کا ہر عمل ادا کر سکتی ہے، حیض سے پاک ہو کر طوافِ زیارت کر لینا چاہیے، اور اگر اس عذر کی وجہ سے طوافِ زیارت بارہویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو اس پر دم بھی لازم نہ ہوگا۔

(معلم الحجاج ص ۱۹۶)

جب تک طواف زیارت نہیں کرے گی، حج مکمل نہ ہوگا اور اپنے شوہر کے لیے حلال بھی نہ ہوگی، اس صورت میں دوبارہ پورا حج کرنا ضروری نہیں ہے، اسے چاہیے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ سے فارغ ہو کر طواف زیارت کرلے۔ (فتاوی رحیمیہ ۹/۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بلڈ بینک میں خون لینا دینا از روئے فقہ حنفی وشافعی

**سوال**: آج کل جو بلڈ بینک (Blood Bank) کے نام سے ایک اسکیم چل رہی ہے، جس میں ہوتا یہ ہے کہ اگر ایک دو بوتل ہم خون دیں تو ہمیں ایک سرٹیفکیٹ ملتا ہے، جس کے بل بوتے پر جب بھی ہمیں خون کی ضرورت پڑے اور جتنے بھی خون کی ضرورت پڑے بروقت مل سکتا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ خون دینا جائز ہے؟ اسی طرح کیا لینا جائز ہے؟ (اگر ہو سکے تو مسلکِ شافعی پر جواب دیں تو عین کرم ہوگا۔)

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی انسان کا خون بضرورتِ مرض دوسرے انسان کے بدن میں پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے (بقدرِ ضرورت عبارت پیش کرتا ہوں) چناں چہ فرماتے ہیں:

اصل حکم تو یہ ہے کہ خون نجاست غلیظہ ہے، اور نجاست کا استعمال خارجِ بدن میں بھی حرام ہے، داخلِ بدن میں بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ کما صرح بہ في الدر

المختار ورد المحتار من فصل الأنجاس.

اس کے علاوہ انسانی خون انسان کا جزء ہے، اور اجزاءِ انسانی کا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے: الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسته، وقيل: للكرامته، وهو الصحيح. كذا في جواهر الاخلاطي.
یعنی آدمی کے کسی جزء کا استعمال جائز نہیں، اور اس کی وجہ اور علت میں دو قول ہیں: بعض نے فرمایا کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے، اور بعض نے فرمایا کہ شرافت اور تکریم کی وجہ سے۔

پہلی وجہ کی بنا پر تو انسانی اجزاء میں سے صرف وہی چیز حرام ہوگی جو نجس ہو، جیسے: خون، یا جیسے: بدن کا کٹا ہوا ٹکڑا، یا کھال وغیرہ؛ اور دوسری وجہ کا اثر یہ ہوگا کہ جو چیزیں نجس نہیں، مثلاً: ناخن، بال وغیرہ ان کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اور ''عالمگیری'' میں یہ دونوں وجہ ذکر کے دوسری ہی وجہ کو صحیح قرار دیا ہے، اور عام فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے، اسی لیے انسان کے بالوں سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

آگے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''عالمگیری'' کے حوالہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے:
مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك، فقال له رجل: إقطع يدي وكُلْها، اوقال: اقطع مني قطعة وكلها، لايسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به.

(اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) یہ جزئیہ فقہیہ بالکل مسئلۂ زیرِ بحث کی نظیر ہے کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لیے کوئی انسان اپنے بدن کا خون اپنی مرضی سے

دینا چاہتا ہے؛ مگر اس کو مذکورہ تصریح کی انسانی جزء ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، یہ حکم تو اصل مسئلہ کا ہے؛ لیکن علاج ودواء کے لیے بعض فقہاء نے خاص اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے، درمختار شامی وغیرہ میں اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، شرط یہ ہے کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز سے یہ معلوم ہو کہ اس حرام چیز کے سواء کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں، اور اس کے استعمال سے بغالب ظن تندرستی کی امید ہے۔ (شامی آخر باب المیاہ قبل فصل فی البیر)

اس فتویٰ پر بھی ''عالمگیری'' کی مذکورہ تصریح سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسانی خون کو دوسری حرام چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ''عالمگیری'' کی مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو انسانی کا ذکر ہے جس کے قطع کرنے سے اس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہنچے گی، جس سے بعض اوقات اس کی جان کا بھی خطرہ ہوسکتا ہے، اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے، اس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی، معمولی کمزوری ہوتی ہے، جو چند روز کے علاج سے دفع ہو جاتی ہے، اس فرق کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بطورِ علاج ودواء ایسے حالات میں جب کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو، اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جاسکتا ہے۔ (آلات جدیدہ ص/۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱)

یہ تو بوقتِ ضرورت واضطرار خون لینے دینے کا حکم ہوا، اب آپ کا سوال رہ جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ'' حالتِ ضرورت واضطرار کا حکم اسی حالت تک محدود رہتا ہے، اور صورتِ مسئولہ میں اضطراری حالت پیدا نہیں ہوئی، اس لیے خون دینا جائز نہیں ہے، مستقبل میں ہمیں بھی ضرورت

پیش آسکتی ہے، یہ احتمال اضطراری حالت کو ثابت نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

مندرجۂ بالا تفصیل فقہ حنفی کے مطابق تھی، فقہ شافعی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخِ شافعیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح المہذب'' میں: ومن اضطر إلى أكل الميتة أو لحم الخنزير، فله أن يأكل منه مايسد به الرمق الخ کے ماتحت تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ (دیکھئے جلد تاسع از ص ۳۹ تا ص ۵۳) اس کی چند عبارتیں تحریر کرتا ہوں:

وإن اضطر ووجد آدميا ميتا جاز له أكله؛ لأن حرمة الحي آكد من حرمة الميت، وإن وجد مرتدا أو من وجب قتله في الزنا جاز له أن يأكله؛ لأن قتله مستحق، وإن اضطر ولم يجد شيئا فهل يجوز له أن يقطع شيئا من بدنه ويأكله؟ فيه وجهان: (قال) ابواسحٰق: يجوز؛ لأنه إحياء نفس بعضو فجاز كما يجوز أن يقطع عضواً إذا وقعت فيه الآكلة لاحياء نفسه، ومن اصحابنا قال: لا يجوز؛ لانه إذا قطع عضوا منه كان المخافة عليه اكثر. (ص۴۱)

اجمعت الأمة على أن المضطر إذا لم يجد طاهرا يجوز له أكل النجاسات كالميتة، والدم، ولحم الخنزير، ومافى معناها. (ص۴۲،۴۱)

قال اصحابنا: يباح لمضطر ان يأكل من الميتة مايسد الرمق بلاخلاف، ولا يباح له الزياد على الشبع بلا خلاف، وفيحل الشبع قولان مشهوران. (ص۴۲)

قال اصحابنا: المحرم الذي يحتاج المضطر إلى تناوله ضربان: مسكر، وغيره، اما المسكر: فسنذكره ان شاء الله تعالىٰ بعد انقضاء

هذه المسائل حيث ذكره المصنف بعد هذا. واما غير المسكر فيباح جميعه مالم يكن فيه اتلاف معصوم، فيجوز للمضطر أكل الميتة، والدم، ولحم الخنزير، وشرب البول، وغير ذلك من النجاسات؛ ويجوز له قتل الحربي والمرتد وأكلهما بلا خلاف.(٤٤،٤٣)

لواراد المضطر أن يقطع قطعة من نفسه من فخذه او غيرها لياكلها، فان كان الخوف منه كالخوف فى ترك الاكل او اشد حرم القطع بلاخلاف، وصرح به امام الحرمين وغيره؛ والا ففيه وجهان مشهوران ذكرهما المصنف بدليلهما، اصحهما جوازه، وهو قول ابن سريج وابى اسحق المروزى. والثانى لا يجوز، اختاره ابوعلى الطبرى، وصححه الرافعى فى المحرر، والصحيح الاول، وممن صححه الرافعى فى الشرح والنسخ: واذا جوزناه فشرطه ان لايجد شيئا غيره فان وجد حرم القطع بلاخلاف، ولا يجوز ان يقطع لنفسه من معصوم غيره بلاخلاف، وليس للغير ان يقطع من اعضائه شيئا ليدفعه الى المضطر بلاخلاف صرح به امام الحرمين والاصحاب.(٤٥)

قال اصحابنا وانما يجوز التداوى بالنجاسة اذا لم يجد طاهراً يقوم مقامها، فإن وجده حرمت النجاسات بلاخلاف، وعليه يحمل حديث "ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم" فهو حرام عند وجود غيره، وليس حراماً اذا لم يجد غيره، قال اصحابنا: وانما يجوز ذلك اذا كان المتداوى عارفا بالطب يعرف انه لا يقوم غير هذا مقامه، او اخبره بذلك طبيب مسلم عدل ويكفى طبيب واحد صرح به البغوى. (٥١،٥٠)

و قال البيهقي: هذان الحديثان ان صحا حملا على النهي عن

التداوي بالمسكر وعلى التداوي بالحرام من غير ضرورة.(۵۳)

مندرجۂ بالا تمام عبارتوں سے صاف مستفاد ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ضرورت واضطرار کی حالت نہ ہونے کی وجہ سے بلڈ بینک میں خون دینا جائز نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: فقہ شافعی کے مطابق دیے گئے جواب پر کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی اعتماد کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## انجکشن کے ذریعہ جانور سے دودھ اور بچہ حاصل کرنا

سوال: ہمارے یہاں گائے اور بھینس کو نر سے جفتی نہیں کرواتے؛ بلکہ انجکشن کے ذریعہ سے منی کا نطفہ مادہ کی رحمدانی میں پہنچا دیا جاتا ہے، تو اس کا دودھ پینا؛ نیز پیدا ہونے والے بچہ کا ذبح کر کے اس کا کھانا کیسا ہے؟ امید ہے جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں گے، اور پہلے والے سوال کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا دودھ پاک اور حلال ہے۔(ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۶/ ۳۴۷)
اس کا ذبح کر کے کھانا بھی درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# انجکشن لگا کر دودھ دوہنا

(سوال): اصطبل میں بعض مرتبہ جب بھینسوں کو دوہنے کے لیے بیٹھتے ہیں، تو تھنوں میں دودھ نہیں لاتی، تب انجکشن لگا کر دودھ دوہا جاتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ کیوں کہ اگر دوہا نہ جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے، تو بھینس کے تھن اور بھینس کے خراب ہونے کا خطرہ ہے جس کی وجہ سے مالک اصطبل کا نقصان ہوگا۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ (کما یفہم من الفتاوی المحمودیہ ۶/ ۲۱۸) یکرہ استقصاء فی حلب البهيمة اذا كان مضرا بها لقلة العلف ويكره ترك الحلب ايضاً. (عالمگیری ۵۷۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# افیون کے ذریعہ بھینس کا علاج کرنا

(سوال): بعض بھینسوں کے دل میں بیماری ہوتی ہے، (یعنی رحم دانی اور اس کے ملحق حصہ کو باہر نکال دیتی ہے) تو اس صورت میں افیون فرج داخل میں رکھا جاتا ہے، جس کے نشہ کی وجہ سے یہ بیماری ختم ہو جاتی ہے، اور بعض بیماریوں میں افیون کھلایا جاتا ہے جب کہ دوسری دوائیاں بھی موجود ہیں، تو کیا اس طرح افیون سے علاج کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرج میں افیون رکھ کر علاج درست ہے، اور کھلانے کی صورت میں اگر اتنی مقدار ہے جو نشہ آور ہے، تو دیگر دوائیوں کی موجودگی میں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

(ماخوذ از کفایت المفتی ۹/۱۱۵)

وهكذا يقول فى غيره من الاشياء الجامدة المضرة فى العقل اوغيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع لان حرمتها ليست لعينها بل لضررها، وفى اول طلاق البحر: من غاب عقله بالبنج والافيون يقع طلاقه اذا استعمله للهو، وادخال الافات، قصداً لكونه معصيةً، وان كان للتداوى فلا لعدمها كذا فى فتح القدير وهو صريح فى حرمة البنج والافيون لاللدواء وفى البزازية والتعليل ينادى بحرمته لاللدواء.اه كلام البحر وجعل فى النهر هذاالتفصيل هوالحق. (شامی ۵/۳۲۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## انجکشن لگا کر گابھن کرنا

سوال: بعض مرتبہ بھینس گابھن نہیں ہوتی تو انجکشن لگا کر اسے گابھن ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے، اور گابھن بھی ہو جاتی ہے تو کیا اس طرح گابھن ہونے پر آمادہ کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر فطری طریقہ ہے جو کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# مریض کو خون دینا

سوال: ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنا خون دینا چاہتا ہے، کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ اور اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ اسی طرح خون کی بینک میں خون دینا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟ مفصل و مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مریض کو خون دینے کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

(الف) جب خون دینے کی ضرورت ہو، یعنی: کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اس کی جان بچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو، تو خون دینا جائز ہے۔

(ب) جب ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دینے کی حاجت ہو، یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو؛ لیکن ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو، اس وقت بھی خون دینا جائز ہے۔

(ج) جب خون نہ دینے کی گنجائش ہے[1]؛ مگر اس سے اجتناب بہتر ہے۔ کما فی الهندية: وإن قال الطبيب: يتعجل شفائك فيه وجهان. (٣٥٥/٥)

(د) خون دینے سے محض منفعت یا زینت مقصود ہو، یعنی: جب ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو؛ بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو، تو ایسی صورت میں خون دینا ہرگز جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ ۲/ ۳۸)

---

(۱) جواہر الفقہ میں عبارت اسی طرح ہے، مگر یہاں یوں ہونا چاہیے "خون دینے کی گنجائش ہے؛ مگر الخ" (مرتب)

بینک میں خون جمع کرانا قبل از وقت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ وما أبیح للضرورة یتقدر بقدرها. حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے اس کی جازت دی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

## کھیت کو نقصان پہنچانے والی گائے کو انجکشن دے کر مارنا

سوال: ایک گائے ہے جو تقریباً چھ سال سے پریشان کرتی ہے اور کھیت میں جو کچھ بھی بوتے ہیں اس کو کھا جاتی ہے، بالکل سناٹے میں آتی ہے اور کئی کئی بیگھے کو صاف کر دیتی ہے، اور اگر اس کو مار کر کئی میل دور چھوڑ آتے ہیں تو پھر سے پندرہ بیس گائیوں کو اپنے ساتھ لے کر آجاتی ہے، اور اس گائے کا مالک بھی نظر نہیں آتا ہے، پتہ نہیں اس کا مالک بھی ہے یا نہیں ہے؟ مکمل چھ سال سے یہ ایسا کرتی ہے تو کیا اس کو کوئی اس قسم کا انجکشن لگا دیا جاوے جس کی وجہ سے وہ مر جائے اور پھر سکون مل جائے؟ کیا اس قسم کی حرکت میں کوئی شرعی ممانعت ہے یا نہیں؟ اگر ممانعت ہے تو پھر ہم کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چند یوم آپ اس گائے کو باندھ لیں، اس کا مالک ہے یا نہیں؟ معلوم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، درمختار میں بلی اگر نقصان پہنچاتی ہو تو اس کو ذبح کر دینے کی اجازت لکھی ہے، اور علامہ شامی نے ''کلب عقور'' کو بھی اس کے مثل قرار دیا ہے، درمختار کے اخیر میں مسائل شتی میں یہ مسئلہ ہے، دوسرے علماء

سے تحقیق فرمالیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: یہ جواب لکھ چکنے کے بعد "تنقیح الفتاوی الحامدیہ" میں "قتل وحرق جراد" کے سلسلہ میں ایک بحث نظر سے گذری، جس سے صورت مسئولہ میں گائے ذبح کردینے کا جواز معلوم ہوتا ہے؛ البتہ آپ کے علاقہ میں اس کا ذبح بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے، اور ذبح کی صورت میں آپ اور عوام مسلمین کی جان ومال کو خطرۂ شدیدہ لاحق ہوسکتا ہے؛ اس لیے انجکشن دے کر ختم کردینے کی بھی گنجائش ہے۔ "تنقیح الفتاوی الحامدیہ" کی وہ عبارت پیش خدمت ہے۔

ورأيت فی شرح العلائی علی التنوير من شتی الفرائض نقلا عن المبتغی بالمعجمة: أنه يكره حرق جراد وقملة وعقرب، ولا بأس باحراق حطب فيه نمل. اھ. قال فی التنوير ايضا من المحل المزبور: ويجوز فصد البهائم وكيّها وكل علاج فيه منفعة لها، وجاز قتل مايضر منها ككلب عقور و هر و يذبحها ذ بحا، قال العلائی: ولا يضربها؛ لأ نه لا يفيد، ولا يحرقها.اھ. قال فی المصباح: والبهيمة كل ذوات اربع من دواب البر والبحر وكل حيوان لا يميز فهوبهيمة. اھ. فمقتضاه أن يقال للجراد بهيمة؛ لأنه حيوان لا يميز، وأنه يجوز قتله بما سوى الاحراق إن أضر، وفی جواهر الفتاوی من اٰخر الباب السادس من الجنايات قال: ملك الملوك لما سئل عن قتل الزنبور والحشرات المؤذية كالكلب وغيره هل يجوز؟ قال: يجب قتل الآدمی المؤذی فضلا عن غيره إذا كان مؤذيا. اھ. قال العلا مة ا لخير ا لرملی فی حا شية المنح من باب التعزير قوله: والحشرات المؤذ ية قيد بها لأن ما لا يؤذی من الحيوا نات لا يجوز

قتله، قال فى التتارخانية نقلا عن المحيط: يكره أن يقتل ما لا يؤذيه. اه. والمراد بالكراهة كراهة التحريم؛ لأنها إذا أطلقت فى بابها يراد بها ذلك.اه. كلام الخير الرملى، وقال العلائى فى شرح التنوير من باب التعزير: وأفتى الناصحى بوجوب قتل كل مؤذ اه. وأفتى العلامة ابن حجر الشافعى بأنه إذا لم يمكن دفعه إلا بالحرق جاز، وعبارته فى التحفة: وقضية جواز قلى وشىّ الجراد حل حرقه مطلقا؛ لكن قال القاضى يدفع عن نحو زرع بالأخف فإن لم يندفع إلا بالحرق جاز.اه. وفى شرح العباب قال القاضى حسين: يجوز حرق النمل الصغير كالجراد إذا عم أرضا ولم يمكن اندفاعه إلا بالحرق. اه. وقال العلامة الرملى فى شرح المنهاج: ولو تضرر بجراد أو نمل دفع كالصائل فإن تعين إحراقه طريقا لدفعه جاز.اه. وفى كتاب مطلوب المؤمنين من كتب أئمتنا الحنفية للشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهورى من فصل فى إحراق وقتل الحيوانات: اختلف الناس فى قتل الجراد، قال بعضهم: لا يجوز قتله، وقال أهل الفقه كلهم لا بأس بقتله، فأما من كره قتله قال: لأنه خلق من خلق الله يأكل من رزق الله تعالىٰ، ولا يجرى عليه القلم، وأما من قال لا بأس به فلأن فى تركه إفساد الاموال، وقد رخص النبى ﷺ قتل المسلم إذا أراد أخذ ماله، فالجراد إذا أراد افساد ماله فهو أولى أن يجوز قتله، ألا ترى! أنهم اتفقوا أنه يجوز قتل الحية والعقرب لأنهما يؤذيان الإنسان وكذلك الجراد، كذا فى بستان أبى الليث. اه. فصريح عبارة هذين الإمامين أنه إذا تعين إحراقه طريقا لدفعه جاز إحراقه عند السادة الشافعية رضى الله تعالىٰ عنهم (تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/٣٦٢)

دیگر اہل علم سے بھی رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## موذی جانور کو زہریلا انجکشن دینا

سوال: ایسا جانور گائے وغیرہ مریل ہو، اس کے بدن میں بہت زیادہ زخم ہو، زخم سے بدبو پھوٹتی ہو اور مسلم ڈاکٹر کے بیان کے مطابق اس کا صحت یاب ہونا ناممکن ہو تو کیا مسلم ڈاکٹر کے لیے جائز ہے کہ اس کو زہریلے انجکشن کے ذریعہ ماردے؟ جب کہ اس کے غیر مسلم مالک ذبح کرکے دفن کرنا مذہباً غلط جانتے ہیں، اور انجکشن پر اصرار کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

في العالمگيرية: الحمار إذا مرض ولا ينتفع به، فلا باس بأن يذبح، فيستراح منه كذا في الفتاوى العتابية(٥/٣٦١)

زہر دے کر مارنے کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں دیکھا، اس لیے اصولی طور پر تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ البتہ صورت مسئولہ میں زہریلا انجکشن دے کر مارنے میں غیر مسلم کے مذہبی نظریہ کی توثیق ہوتی ہے، اس لیے مسلم ڈاکٹر کے لیے اس سے احتراز مناسب ہے، پھر بھی اگر لوگوں کو راحت پہنچانے کی نیت سے ایسا کرے گا تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# کھیتی کی حفاظت کے لیے مرغیاں مارنے کی دوا کا استعمال

سوال: ایک شخص اپنی کاشت والی زمین میں پورے محلہ میں اعلان کر کے مرغی کو مارنے والی دوا رکھتا ہے؛ تاکہ اپنے پیداوار کو نقصان سے بچا سکے تو یہ دوا رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مرغیاں پیداوار میں واقعی بڑا نقصان پہونچاتی ہیں، اور ان کو روکنے کے لیے اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہے، تو اپنی زمین میں اس قسم کی دوا رکھ لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (اس سلسلہ میں دیگر حضراتِ مفتیان سے بھی رجوع فرمالیں۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ر شوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# دمہ کے علاج (دمہ کیمپ) میں غیر شرعی امور کا ارتکاب

سوال: شہر مالیگاؤں میں کئی سالوں سے دمہ کیمپ کے نام سے جڑی بوٹیوں کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے، جس میں مرد وزن کی بڑی تعداد بطور مریض شریک ہوتی ہے، جس کا لازمہ یہ ہے کہ مریض کو رات بھر جگایا جاتا ہے، جس کے لیے یعنی مریض کو جگانے کی کوشش میں ہذل گو، مزاحیہ شعراء، مسکری آئیٹم پیش کرنے والا کامیڈین (جو اپنے دیگر پروگراموں میں آخرت کا مذاق بھی اڑا چکا ہے) کی مدد لی جاتی ہے، نیز ان اوقات میں مرد وزن کا اختلاط بھی ہوتا ہے، مذکورہ باتوں کو سامنے رکھ کر یہ

بتائیں کہ کیا یہ علاج شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر مجرب بھی ہوتو ان تمام باتوں کو خصوصی طور سے اختلاط کو سامنے رکھ کر اس بارے میں شرع کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کسی بیماری کا علاج درست ہے، اور اگر علاج میں کسی بیمار کو رات بھر جگانا معالج کی رائے میں ضروری ہوتو وہ بھی درست ہے؛ لیکن علاج کے لیے مرد وزن کا اختلاط کسی طرح جائز نہیں، بیماروں کو رات بھر جگانے کے لیے غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، اگر مسئولہ طریقِ علاج کو ان غیر شرعی امور سے جدا نہیں کیا گیا تو پورا علاج ناجائز ٹھہرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خنزیر کی ہڈی کا بطورِ دوا استعمال کرنا

سوال: ایک شخص کے کافی تعداد میں جسم میں مرض برص ہے اور بہت علاج ومعالجہ کر چکا؛ لیکن سب بے سود رہا، آخر میں ایک طبیب حاذق نے یہ نسخہ بتایا جس میں عظمِ خنزیر کا ملاوٹ کرنا پڑتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں خنزیر کی ہڈی استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خنزیر نجس العین اور حرام ہے، اس کی ہڈی کا بطور دوا استعمال درست نہیں ہے، اگر جان یا کسی عضو کے تلف وہلاک کا اندیشہ لاحق ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج کارگر نہ ہوتو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مرض برص میں چوں کہ جان یا عضو کے تلف

ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے اس کے علاج ومعالجہ میں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## پولیوڈروپ پلانے کا حکم

**سوال:** حکومت ہند کی طرف سے پورے ہندوستان میں بستی بستی اور گھر گھر جا کر پانچ سال کے اندر کے سارے بچوں کو پولیو کا ڈروپ پلاتے ہیں، اور اس کی خاص وجہ فالج سے حفاظت ہو یہ بتائی جاتی ہے، اور یہ خدمت انجام دینے والے ڈاکٹروں کے پاس بہت سارے مدارس کالج اور علماء کے جواز کے فتوے یا تحریریں ہیں جو میں آپ کے لیے بھیج رہا ہوں، اس کی روشنی میں بتادیں کہ یہ ڈروپ ہم اپنے بچوں کو پلاوے یا نہیں؟ سوال لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اتنی ساری تحریروں کے بعد بھی کچھ لوگ اس کو ناجائز یہودیوں کی چال، دشمنوں کا حربہ، مسلم نسل کشی سے تعبیر کرتے ہیں، اور اپنے بچوں کو نہیں پلاتے، آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ جائز ناجائز ہونے کو بتاویں؛ تاکہ عمل کرنا آسان ہو۔

**الجواب:** حامداً ومصلیاً ومسلماً

پولیوڈروپ اگر جائز اور حلال چیزوں سے تیار کی جاتی ہے اور اس کا استعمال مضر اور نقصان دہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ پولیو کی بیماری سے حفاظت کا ذریعہ ہے تو بچوں کو پلانا جائز اور درست ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس سے احتیاط ضروری ہے، ہمیں

ذاتی طور پر اس کے اجزائے ترکیبیہ کی کوئی تحقیق نہیں ہے، مسلم نسل کشی والی بات اس لیے بھی محل نظر ہے کہ یہ ڈروپ صرف مسلمانوں بچوں ہی کو نہیں پلائے جاتے؛ بلکہ ہر جگہ تمام اہل مذاہب اور مختلف اقوام کے بچوں کو پلائے جاتے ہیں، باقی اندرونی حقیقت کا حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے حکیم کی حکمتِ عملی

**سوال**: ایک حکیم صاحب مریض کی کیفیت تحقیق کر کے ایک نسخہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ نسخہ آپ کی بیماری کو دفع کرنے والا ہے؛ چناں چہ وہ مریض اس نسخہ کو استعمال کرتا ہے اور چند روز بعد واپس آ کر حکیم سے کہتا ہے کہ مجھے شفاء نہیں ہوتی تو حکیم قرینہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اس میں کوئی بیماری ایسی بڑی نہیں ہے، اس کے اندر اوہام وشکوک زیادہ ہیں، اس کے اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے حکیم کہہ دیتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی دوائیاں موجود ہیں اس کو استعمال کرو شفاء ہوگی یا مریض حکیم صاحب سے کہتا ہے کہ میرے اندر یہ مرض ہے تو حکیم کہتا ہے کہ جاؤ دواء کھاؤ اس دوائی میں اس مرض کی دواء بھی ہے، محض اس کے وہم دور کرنے کے لیے کہتا ہے یا حکیم وہ دوائی رکھ لیتا ہے، واپس وہی دوائی دیتا ہے یا اس قسم کی دوائی دیتا ہے، کہتا ہے کہ میں نے دوا بدل دی، اس سے آپ کے تمام امراض ختم ہو جائیں گے؛ نیز حکیم صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں یہ حکمت مریض کو دھوکا دینے کے لیے نہیں کی ہے؛ بلکہ اس کا وہم دور

کرنے کے لیے ایسا کیا ہے؛ نیز حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے ایسا کر کے کئی اوہام پرست مریضوں کو درست کیا ہے اور ان کے وہم وشک کو دور کیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکیم صاحب کا اس طرح دفعِ وہم کے لیے کہنا کہاں تک شرعاً درست ہے؟ اور حکیم کا حکمت میں حیلہ کہاں تک درست ہے؟ کیا حکیم ایسی حکمت کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مریض کے واقعی مرض کی دوائی دینے کے ساتھ اس کے اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے مذکور فی السوال تدابیر اختیار کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ صریح کذب کا ارتکاب نہ کرے؛ بلکہ مجاز وتوریہ سے کام لیتا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## پستانوں کو ابھارنے کے لیے علاج کرنا

سوال: پستانوں کے عدم ابھار کو دور کرنے کے لیے (یعنی پستانوں کو بڑھانے کے لیے) انجکشن یا دوائی یا کوئی ٹیوب (کریم) وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قدرتی طور پر عمر کے لحاظ سے عورت کے پستانوں میں جس قدر ابھار ہونا چاہیے، اس قدر ابھار کا نہ ہونا ایک نوع کا مرض ہے، اگر طبی اعتبار سے اس کے لیے کوئی علاج (انجکشن یا دوائی یا کریم وغیرہ) ممکن ہو تو اس کی اجازت ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## حرام چیز سے علاج کرنا

**سوال**: اگر کسی آدمی کو دمہ (دم) کی بیماری ہے، اور معالج نے اس کو کہا کہ تم چالیس دن تک گدھی کا دودھ پیو، تو آپ اس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا ضرورت کے موقع پر دودھ پینا جائز ہے یا ناجائز؟ برائے کرم اس کا جواب تفصیل سے لکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دیندار تجربہ کار معالج تجویز کرے کہ یہی علاج ہے، اور کوئی علاج نافع نہیں، تو درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۳/ ۴۴۰، ۴۴۱) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# باب الأكل والشرب

## کھانے کی ابتداء اور انتہاء نمکین سے

**سوال**: قبل الطعام اور بعد الطعام میٹھی چیز کھانا عند الشرع کیسا ہے؟ کھانے

سے پہلے اور کھانے کے بعد نمک چاٹنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھا مرغوب تھا اس کی تصریح روایاتِ حدیث میں موجود ہے؛ لیکن قبل الطعام یا بعد الطعام میٹھا استعمال کرنے کے متعلق کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری۔ عالمگیری میں نمکین چیز سے ابتداء کرنے اور نمکین پر ختم کرنے کو سنت لکھا ہے۔(۵/ ۳۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کھانے سے پہلے اور بعد میں نمکین یا میٹھی چیز کھانا

سوال: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد نمک یا کوئی میٹھی چیز کھانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاوی عالمگیری میں ہے: من السنة أن يبدأ بالملح ويختم بالملح، كذا في الخلاصة. (۳۳۷/۵) (نمکین چیز سے کھانے کی ابتداء کرنا اور نمکین پر ختم کرنا مستحب ہے)۔

البتہ اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ ”اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے“ اس کو علامہ ابن الجوزی نے موضوع بتلایا ہے، تفصیل کے لیے احیاء العلوم کی شرح اتحاف السادۃ ۵ / ۲۱۸ اور ۲۶۴، ۲۶۵، ملاحظہ کریں۔

میٹھے کے سلسلہ میں کوئی روایت نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## پھاڑ کھانے والی مچھلی حلال ہے

سوال: بعض قسم کی مچھلیاں جس کو انگریزی میں shark کہتے ہیں، پھاڑ کھانے والی ہوتی ہیں؛ حتی کہ بعض مرتبہ انسان کو بھی چیر کر کھا جاتی ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مچھلی کی تمام انواع واقسام حلال ہیں۔

وحل الجراد وأنواع السمك بلا ذكوة.(تنوير الأبصار ۳۳/۹ مطبوعه زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جھینگا کھانا

سوال: جھینگا کھانا کیسا ہے؟ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی جائز ہے اور کوئی جانور جائز نہیں، جھینگہ مچھلی اگر مچھلی ہی کی کوئی قسم ہے تو وہ جائز ہے جیسا کہ علامہ دمیری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حیٰوۃ الحیوان ۱/ ۳۷ میں لکھا ہے اور اسی سے تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ۵۰ میں نقل کیا ہے، اگر یہ مچھلی کی قسم نہیں بلکہ کوئی اور جانور ہے اور محض نام جھینگہ مچھلی مشہور ہو گیا ہے تو یہ جائز نہیں جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ۲/ ۱۲۲ میں ہے، مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحی ۲/ ۱۱۰ میں دونوں قول نقل کیے ہیں، حمادیہ کی عبارت نقل کی ہے: الدود الذي يقال له جهينگا حرام عند بعض العلماء لأنه لا يشبه السمك، فإنها

يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمك و هذا لا يكون كذلك وقال بعضهم حلال لأنه يسمى باسم السمك.اھ ۳/ ۱۰۴ اور ۱۰۷ میں بھی دونوں قول نقل کیے ہیں۔ تذکرۃ الخلیل ۲۰۰ میں عدم جواز کا فتویٰ ہے، یہی راجح ہے؛ نیز جب کہ اس میں حرمت کا قول بھی ہے تو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے: لقوله عليه السلام دع مايريبك إلى مالا يريبك الحديث. (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۴۴)

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں ''احقر نے علم الحیوان کے ماہرین سے اس کی تحقیق کی تو وہ سب اس بات پر متفق نظر آئے کہ جھینگا مچھلی نہیں ہے اور دونوں کے درمیان وہ نسبت ہے جو شیر اور بلی کے درمیان پائی جاتی ہے، مچھلی کی جو تعریف علم الحیوانات کی کتابوں میں مرقوم ہے اس کی رو سے بھی جھینگا مچھلی کے مصداق میں داخل نہیں ہوتا۔ (درس ترمذی ۱/ ۲۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ، یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

## جھینگا کھانا اور مکروہ کی تعریف وحکم

**سوال**: (۱) جھینگے کا شمار مکروہ کی کس قسم میں ہوتا ہے؟ اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جھینگا کھانا کیسا ہے؟ اور چاروں اماموں کا جھینگا، کیکڑا، ماکلی اور دیگر مشکوک مچھلیوں کے متعلق کیا کہنا (رائے) ہے اور مشکوک مچھلیوں کے نام بتائیے؟

(۲) مکروہ اور مکروہ کی قسم کے متعلق تفصیل لکھیئے؟

**الجواب**: حامداً ومصلياً ومسلماً

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سمندری جانوروں میں صرف مچھلی کا

کھانا جائز ہے، مچھلی کے علاوہ دیگر سمندری جانوروں کا کھانا درست نہیں، علمائے احناف میں اس بات میں اختلاف ہے کہ جھینگا مچھلی کی قسم میں سے ہے یا الگ کوئی سمندری جانور ہے؟ جن حضرات علمائے کرام نے اس کو مچھلی کی قسم قرار دیا ہے وہ اس کے کھانے کی اجازت دیتے ہیں، اور جو حضرات علمائے کرام اس کو مچھلی کی قسم نہ مانتے ہوئے الگ سمندری جانور قرار دیتے ہیں وہ اس کو کھانے کی اجازت نہیں دیتے۔ رہا کیکڑا تو وہ احناف کے نزدیک کھانا درست نہیں؛ اس لیے کہ یہ مچھلی کی قسم میں سے نہیں۔ ماکلی کیا چیز ہے؟ وہ میں نہیں جانتا۔ دیگر حضراتِ ائمۂ مجتہدین کا اس سلسلہ میں کیا مسلک ہے؟ وہ ان کے مفتیانِ کرام سے معلوم کرلیں۔

(۲) مکروہ وہ ہے جس میں ممانعت تو وارد ہے؛ لیکن جواز کی دلیل بھی پائی جاتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: مکروہِ تنزیہی جس کے نہ کرنے میں ثواب ہو اور کرنے میں عذاب نہ ہو اور یہ جواز کے دائرہ میں ہے، اور کراہتِ طبعی رکھتا ہے اور سنتِ غیر مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔ دوسرا مکروہ تحریمی یہ قریب حرام کے ہے اور یہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے؛ اگرچہ اشد ضرورت میں یہ بھی جائز ہے، اور یہ واجب کے بالمقابل ہے، پس اس کا انکار کرنے والا فاسق اور بغیر عذر کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہوگا۔

(عمدۃ الفقہ ۱/ ۹۰، ۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رمضان ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# جائفل استعمال کرنا

سوال: جائفل کا کیا حکم ہے؟ کیا کھانے میں بہ طور ذائقہ کے اس کا استعمال صحیح

ہے؟ یا مطلق حرام ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور کے حصہ:۱۱ میں لکھا ہے، اتنی مقدار استعمال درست ہے کہ نشہ نہ پیدا ہو مگر اس پر ایک صاحب کا اصرار ہے کہ مطلق حرام ہے۔ براہ کرم دیگر کتب متداولہ سے باحوالہ اس کا حکم فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائفل کی اتنی مقدار جس میں نشہ پیدا نہ ہو درست ہے۔ علامہ شامی نے صاحب درمختار کے قول، "و كذا تحرم جوزة الطيب" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: فهذا كله نظائره يحرم استعمال القدر المسكر منه دون القليل كما قدمناه" (شامی ۵/۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بانگڑا مچھلی اور جھینگے کا حکم

سوال: بانگڈا (مچھلی) کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایک بات یہ ہے بازاروں میں بکتی ہیں چھوٹی مچھلیاں (جس کو جھینگہ کہتے ہیں) کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بانگڈا مچھلی کیا ہے، میں نہیں سمجھا، اگر یہ کوئی مچھلی ہی کی قسم ہے تو اس کو کھانا درست ہے، اور اگر کوئی اور دریائی مخلوق ہے تو کھانا درست نہیں، مقامی علماء سے دریافت فرمالیں۔ جھینگا مچھلی کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، اس لیے کوئی کھاتا

ہے تو اس کو روکا نہ جائے؛ البتہ نہ کھانے میں احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مچھلی کے علاوہ اور کون کونسے بحری جانور حلال ہیں؟

سوال: مچھلی کے علاوہ سمندر کی اور کون کون سی چیز کھانا اسلام میں حلال ہے؟ اور کونسی چیز کھانا مکروہ ہے؟ اور کون سی چیز کھانا حرام ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی اپنے تمام انواع کے ساتھ حلال ہے، باقی کوئی جانور حلال نہیں، مچھلی اگر اپنی موت مر کر پانی پر الٹی تیرنے لگے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔ ولا يحل حيوان مائي إلا السمك الخ (در مختار شامی ۲۱۵/۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس بسم اللہ

## پرساد کا حکم

سوال: کیا پرساد کھا سکتے ہیں جب کہ نیت صرف مٹھائی کھانے کی ہو؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بتوں کے نام پر چڑھایا ہوا کھانا یا مٹھائی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# سگریٹ نوشی کا حکم

سوال: سگریٹ پینے کے مندرجہ ذیل نقصانات ہیں:

① ہر سال تقریباً ایک لاکھ پندرہ ہزار (۱۱۵۰۰۰) اموات کا سبب اسموکنگ بتایا جاتا ہے۔

② اسموکنگ کی وجہ سے دل کے امراض جیسے کینسر جیسا موذی اور سانس کے امراض ہوجاتے ہیں، اسی طرح سانس، دمہ، برنکائٹس بھی ہوتے ہیں۔

③ سگریٹ کے دھنویں سے دوسروں کو بھی نقصان پہونچتا ہے، اور انہیں بھی امراض لاحق ہوتے ہیں، جیسے لنگ کینسر، کورونری وغیرہ۔

④ سگریٹ کے تمباکو میں ہزاروں کیمیکل ہیں مثلاً تاز، یکزین، کاربن، مونوکسائند، امونیہ، فورمالدتھائد، ہائدوجن، اکرولین وغیرہ ان میں سے ۶۰ کیمیکل ایسے ہیں جو کینسر کا سبب ہوسکتا ہے۔

⑤ اسموکنگ میں عادت کا نشہ ہے، کہ ایک مرتبہ عادت ہوجانے پر اس کے بغیر چین نہیں رہتا۔

⑥ اس میں اسراف بھی بہت ہی زیادہ ہے، انگلینڈ میں ایک پاکٹ سگریٹ جس میں ۲۰ سگریٹ ہوتی ہے، وہ دو پاؤنڈ کی ہوتی ہے، اس کے حساب سے دن میں جو ۵ پیتے ہیں اس کا ماہانہ خرچ 15.77 پونڈ اور سالانہ خرچ 189.28 اور جو ۲۰ پیتا ہے، اس کا ماہانہ خرچ 63.09 اور سالانہ خرچ 757.12 ہوتا ہے۔

⑦ ایک سروے کے مطابق روزانہ ۵۰۰ بچے نو ۹ سال سے ۱۵ کی عمر والے

اسموکنگ کی کوشش کرتے ہیں، اور تقریباً ساڑھے سات لاکھ بچے ۱۸ سے کم عمر والے عادی ہوجاتے ہیں۔

⑧ برطانیہ کے ۱۹۹۰ کے سروے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۲۰ ر لاکھ افراد ۱۶ سال سے بڑے سگریٹ پیتے ہیں، یعنی تین بڑوں میں سے ایک سگریٹ نوشی کرتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات واحادیث کریمہ کی روشنی میں اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں مفصل جواب سے مشرف فرمائیں، کہ ہم اس مسئلہ کو اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے اکابر کے یہاں اس کے استعمال پر کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی کا حکم راجح ہے، اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتوی حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کا فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم از صفحہ ۲۴۲ تا صفحہ ۲۴۵ مذکور ہے، اس میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ بھی منقول ہیں۔

اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ "ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان" کے نام سے عربی زبان میں ساٹھ صفحات کا ہے، جس میں واقعات وحکایات بھی مذکور ہیں۔ آپ کتابچہ شائع کرنا چاہتے ہیں؛ تو اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اس وقت احقر پابہ رکاب ہے، اس لیے تفصیلی جواب سے قاصر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ ر شعبان ۱۴۱۶ھ

# مزار پر چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا

سوال: درگاہ پر سے پتیسہ وغیرہ کو کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درگاہ پر چڑھائی جانے والی چیزوں کا استعمال حرام ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۳۱۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# بن بلائے دعوت میں شرکت

سوال: ہمارے ایک عزیز بن بلائے شادی کی دعوتوں میں شرکت کرتے ہیں ایسے بڑے گھرانے کی شادیوں میں جہاں کھانا کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میزبان کی رسوائی ہو، ان کا کہنا ہے کہ یہ اسلامی گناہ نہیں بلکہ سماجی واخلاقی بدتمیزی ہے اور خدا تعالیٰ اس طرح کی بدتمیزی پر پرسش نہیں کریں گے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث شریف میں ایک واقعہ ہے کہ ایک انصاری صحابی جن کی کنیت ابوشعیب تھی، انھوں نے اپنے ایک گوشت کا کاروبار کرنے والے غلام سے کہا کہ تم میرے لیے پانچ آدمیوں کے لیے کھانا تیار کرو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینا چاہتا ہوں؛ چناں چہ وہ کھانا تیار کیا گیا پھر وہ صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو

دعوت پیش کی اس موقع پر ایک آدمی (جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی) ان حضرات کے ساتھ ہولیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دینے والے صحابی سے فرمایا کہ اے ابو شعیب ایک آدمی (مزید بغیر دعوت) ہمارے ساتھ آ گیا ہے تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر چاہو تو چھوڑ دو (یعنی اجازت نہ دو) اس پر حضرت ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ان کو اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ:۲۷۸)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشکوٰۃ کے مشہور شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هذا تصريح منه ﷺ علىٰ أنه لا يجوز لأحد أن يدخل دار غيره إلا بإذنه، ولا للضيف أن يدعو أحدا بغير إذن المضيف، قال النووي: ويستحب للضيف أن يستأذن له... الخ (مرقاة ٢٥٤/٦)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان صحابی سے اس آدمی کے لیے اجازت طلب کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر دعوت میں شریک ہو، اور خود مہمان کے لیے بھی درست نہیں کہ میزبان کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے ساتھ لے......الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے وہ عزیز جو شادی کی دعوتوں میں بن بلائے شریک ہو جاتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں سنن ابوداود کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے کہ جو آدمی کسی کے یہاں دعوت میں بغیر بلائے گیا تو چور بن کر داخل ہوا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (مشکوٰۃ ۲۷۸)

اس لیے آپ کے اس عزیز کا اپنے اس عمل کو گناہ نہ سمجھنا درست نہیں، ان کو

چاہیے کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## حرام کمائی والے کی دعوت قبول کرنا

سوال: تبلیغی جماعتوں کی اکثر شہروں میں یا گاؤں میں بہت سے لوگ دعوتیں کرتے ہیں، جن میں سے بہت سوں کی آمدنی سود، جوا، شراب کی ہوتی ہے، یا اکثر کمائی مالِ حرام کی ہوتی ہے، اور جماعت اس دعوت دینے والے کا حال نہیں جانتی کہ اس کا کیا کاروبار ہے؟ اس صورت میں اگر دعوت قبول نہیں کرتے تو حدیث کی خلاف ورزی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دعوت کو قبول کرو؛ نیز دعوت دینے والا بھی ناراض ہوتا ہے، اور اگر قبول کرتے ہیں تو پہلی بات یہ ہے کہ دعوت دینے والے کی کمائی معلوم نہیں، اور اگر معلوم ہو جائے جیسا کہ فی الحال اکثر سودی کاروبار ہے، اور مالِ حرام کے کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی؛ لہٰذا ان دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھ کر مدلل مع حوالے کے جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعوت قبول کرنے کا استحباب کسی مانع شرعی نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے اگر دعوت کرنے والے کی تمام آمدنی یا اکثر حرام ہے تو دعوت قبول نہ کرے؛ البتہ ایسا آدمی کسی حلال ذریعہ سے حاصل کیے ہوئے مال سے دعوت کرتا ہے تو دعوت قبول کی جاسکتی ہے، مانع شرعی ہونے کی صورت میں دعوت قبول نہ کرنے سے

حدیث کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، اور داعی کی ناراضگی کی پرواہ بھی اس صورت میں نہ کی جائے۔ "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (مشکوۃ:۳۲۱) معلوم نہ ہونے کی صورت میں بلا وجہ شبہ کرنا درست نہیں ہے، اور اگر شبہ کی کوئی وجہ موجود ہے تو دریافت کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حلت وحرمت میں اغلب کا اعتبار ہے

سوال: زید کے پاس آمدنی کا تقریباً ایک تہائی مال ناجائز کاروبار، مثلاً افیون، ہیروئن، حشیش اور شراب کی خرید وفروخت سے یا ان چیزوں کو کرایہ پر منتقل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے کہ مذکورہ دھندوں سے اس کی آمدنی کا نصف تو حرام اور نصف حلال ہے۔

تیسرا وہ شخص ہے کہ اس کی آمدنی مذکورہ اشیاء سے تقریباً دو تہائی ہے، اور صرف ایک تہائی حلال ہے۔

چوتھا وہ شخص ہے کہ اس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس کا ذریعۂ آمدنی جائز اور ناجائز دونوں ہیں؛ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ناجائز آمدنی کتنی ہے؟ اور جائز آمدنی کتنی ہے؟ تو ان تمام صورتوں میں دعوت میں شرکت اور چندہ وغیرہ کے وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟ سب صورتوں کا حکم یکساں ہے یا کسی صورت میں تفصیل ہے؟

واضح فرمائیں، اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خاص طور پر جن علاقوں میں اس طرح کا کاروبار بہت زیادہ ہوتا ہے، ان علاقے میں چندہ لینے والوں خصوصاً ان علاقوں کے اہل مدارس پر چندہ لینے کے لیے کیا ضروری ہے کہ تفتیش وتحقیق کے بعد چندہ لیں؟ یا خاموشی کے ساتھ بغیر کسی تحقیق کئے تمام افراد سے لیا جائے، اگر ایسے لوگوں کی رقم دینی فنڈ، مثلاً مسجد، مدرسہ وغیرہ میں جمع ہو تو کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں غالب کا اعتبار ہے، اگر حلال غالب ہے تو حلال ہے، اور اگر حرام غالب ہے یا دونوں متساوی ہیں تو حرام ہے۔ (امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۸، ۱۴۹) البتہ غالب حرام ہونے کی صورت میں وہ شخص حلال میں سے دیتا ہے تو لینا جائز ہے، اور غالب حلال ہونے کی صورت میں وہ حرام میں سے دیتا ہے تو جائز نہیں۔

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس؛ إلا أن يعلمه بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولا يأكل الطعام؛ إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل كذا في الينابيع. (عالمگیری ۵/ ۳۴۲)

جب یہ معلوم نہ ہو کہ غالب کیا ہے تو تحقیق کرلی جائے، اور تحقیق ممکن نہ ہو تو حالت اضطرار میں تحری پر عمل کرے، اور حالت اختیار میں قبول نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# فاسق اور حرام کمائی والے کی دعوت کھانا

سوال: کیا ڈاڑھی کٹانے والے اور ڈاڑھی کاٹنے والے مسلمان کے یہاں اور حرام طریقے سے کمانے والے کے یہاں اور بے نمازی کے یہاں اگر اس نے دعوت کی کھانے کی تو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی کاٹنا یا کٹوانا اگر ایک مشت سے کم ہے تو حرام ہے، اور اس کا مرتکب فاسق ہے، اور چوں کہ یہ علانیہ معصیت ہے اس لیے وہ فاسق معلن ہوا، لہٰذا اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ لا یجیب دعوة الفاسق المعلن؛ لیعلم أنه غیر راض لفسقه. پھر بھی اگر اس کا مال حرام نہیں ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

وفي الروضة: یجیب دعوة الفاسق والورع أن لا یجیبه.(عالمگیری۵/۳۴۳)

بے نمازی بھی اسی حکم میں آجاتا ہے۔

رہا وہ شخص جس کی کمائی حرام ہے، اس کی اکثر کمائی حرام ہے، تو اس کی دعوت کھانا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ خالص حلال مال سے دعوت دے رہا ہے تو کھا سکتے ہیں۔ (عالمگیری ۵/ ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# حرام پیشہ ترک کرنے والے کی چیز لینا

سوال: (۱) ہمارے گاؤں میں ایک حاجی صاحب ہیں، وہ فی الحال بہت نیک وعبادت گذار ہیں؛ لیکن پہلے ان کا پیشہ بہت ناپاک تھا، پیشہ یہ تھا کہ وہ عورتوں کو

رکھتے تھے اور ان سے پیسے کماتے تھے۔ (جس کو فی زمانہ نارنڈی بازار سے تعبیر کرتے ہیں) اب جب کہ انہوں نے یہ پیشہ بالکل چھوڑ دیا، اور ان کا پیشہ فی الحال ہوٹل وگاڑیوں کا ہے، اور وہ بڑے سخی بھی ہیں، تو وہ اگر کوئی چیز دیوے تو کیا اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ظاہر ہے کہ یہ دھندا اور پیشہ ان ہی ناپاک رقم سے ہوا ہوگا جو پہلے رنڈیوں کے ذریعہ حاصل کرتے تھے، تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں مع حوالہ عطا فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جن لوگوں سے وہ رقم حاصل کی گئی تھی، اگر وہ معلوم ومتعین ہیں تو اتنی رقم کا ضمان انہیں ادا کر دیا جائے، اور اگر وہ معلوم ومتعین نہیں تو اتنی رقم کا ان کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے، ساتھ ہی ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام کرے، تو امید کہ وہ اس ذمہ داری سے بری ہوکر موجودہ تجارت ٹھیک ہو جائے۔

إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح فهو على وجوه: إما أن يكون مما يتعين بالتعيين كالعروض أو لا يتعين، كالنقدين إلى أن قال واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام الخ
(تبيين الحقائق للزيلعي ٥ /٢٢٦)

وفي البزازية: وقول الكرخي عليه الفتوى الخ (شامی ٥/١٣٣)

صورت مسئولہ میں ان کی دی ہوئی چیز لینے کی اجازت ہے، اگرچہ تقوی یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ایضاً

سوال: ②وہی حاجی صاحب سے جب پوچھا گیا پیشہ کے بارے میں، تو جواب میں انہوں نے کہا کہ: ہاں! پہلے میرا پیشہ ایسا ناپاک تھا؛ لیکن اس کو میں نے چھوڑ دیا، پھر میں ایک مرتبہ گاڑی بھر کر باہر سے، یعنی دوسرے ملک سے مال لایا، اور خدا نے اس میں کامیابی عطا فرمائی، اور پھر اسی مال کو بیچ کر یہ ہوٹل وغیرہ کا پیشہ شروع کیا، تو کیا ان کی اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

③ جب کہ ہمارا پورا گاؤں ان کی چیزوں کو بخوشی حاصل کرتا ہے، اور استعمال کرتا ہے؛ لیکن ہمارے دو تین گھر اس سے محفوظ ہیں، اور وہ حاجی صاحب ہم سے بدظن بھی ہیں کہ کیوں ہماری کوئی چیز یہ لیتے نہیں، تو کیا ایسی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں مجبوری شمار کر کے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

② ان کی موجودہ حالت دینداری اور عدالت کی ہے، تو ان کی بات پر اعتماد کرنا چاہیے، خواہ مخواہ کے شبہات میں پڑنا اور ایک دین دار آدمی پر عدم اعتبار مناسب نہیں ہے۔

③ جواب نمبر دو کے مطابق ان کی اشیاء استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، خلاف احتیاط بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# دعوت میں دوست کو شریک کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: مجھے ایک جگہ ولیمہ کی دعوت تھی، شادی کی دعوت کے ساتھ ولیمہ کی دعوت تھی، اس میں لکھا رہتا ہے تم، تمھارے رشتہ دار اور دوستوں کو دعوت ہے، میرا ایک دوست ہے جب کہ اس کو دعوت نہ تھی؛ مگر مجھے دعوت تھی، میں اسے لے کر دعوت میں گیا جہاں اس نے کھانا کھایا؛ حالاں کہ اس کو دعوت نہ تھی تو کیا اس پر کوئی گناہ ہے؟ اگر گناہ ہے تو کیا کھائے ہوئے کا صدقہ کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعوت دینے والے کی طرف سے اگر آپ کو اس بات کی اجازت تھی کہ آپ اپنے دوست کو بھی ساتھ لیتے جاویں، تو اس صورت میں دوست کو لے جانا بغیر دعوت نہیں، اس لیے گناہ نہیں ہے، نہ توبہ کی ضرورت ہے نہ کفارہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# لوٹ کھسوٹ کا مال جائز نہیں

سوال: مسلم اور غیر مسلم میں لوٹ گھسوٹ عام ہوگئی، دونوں فریق ایک دوسرے کے مال لیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا مسلمانوں کے لیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان کے لیے لوٹ کھسوٹ کا مال کسی حال میں جائز نہیں ہے، چاہے وہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا۔

"من انتهب فليس منا" (ترمذي ۱/ ۲۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# ہوائی جہاز کا گوشت اور سبزی وغیرہ کھانا

**سوال**: بہشتی زیور حصہ: ۳، باب نمبر: ۳۴، مسئلہ: ۷ کے اندر ذیل کا مسئلہ بیان کیا ہے: جو گوشت ہندو بیچتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے ذبح کرایا ہے، تو اس سے مول کر کھانا درست نہیں؛ البتہ جس وقت سے مسلمان نے ذبح کیا اگر اسی وقت سے کوئی مسلمان برابر بیٹھا دیکھ رہا ہے، یا وہ جانے لگا تو دوسرا کوئی اس کی جگہ بیٹھ گیا، تب درست ہے۔ تو اصل عرض یہ کرنا ہے کہ ہوائی جہاز میں کام کرنے والے زیادہ تو ہندو ہی ہوتے ہیں، کھانا وہی تقسیم کرتے ہیں، تو ان کا کھانا کیسا ہے؟ تفصیلی جواب دے کر ممنون و مشکور فرماویں۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وہ گوشت ہے تو نہیں کھانا چاہیے، اور اگر کھانے کی کوئی ایسی چیز ہے جس کا تعلق ذبیحہ سے نہیں ہے، مثلاً سبزی یا چاول، روٹی وغیرہ تو اگر برتن پاک ہیں، یا ان کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو کھا سکتے ہیں، اور اگر یہ علم ہو کہ برتن ان کے ناپاک ہیں تو کھانا درست نہیں۔

قال محمد: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا ولا شاربا حراما، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا

علم فإنه لا يجوز. (فتاویٰ عالمگیری۵/۳۴۷)(فتاوی محمودیہ ۵ /۱۷۲)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# کھانا کھانے کے درجات کی شرعی حیثیت

**سوال**:ایک مولانا صاحب نے طعام کے متعلق کھانے میں دو فرض بتائے ہیں:

(الف) بھوک سے مرجانے کا ظن غالب ہو تو کھانا کھانا فرض ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسی بھوک کہ نہ کھائے تو مرجائے تو ایسے وقت کھانا کھانا فرض ہے۔

(ب) دوسرا فرض کھانا حلال کا ہو کہ آج سٹہ مٹکا، جوا، لاٹری، کرکٹ، سود کا لین دین، کسی غیر کے نام کا کھانا یہ سب حرام ہے، تو حلال کا کھانا ہونا فرض ہے۔ ان مولوی صاحب نے ثبوت میں ''فتاوی عالمگیری'' اور ''فضائل صدقات'' کو پیش کیا ہے؛ مگر ان مولوی صاحب کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، اور نہ کسی مدرسہ کا ثبوت ہے اس لیے ہم کو آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور آپ کو زحمت دینی پڑی، اور وہ بھی اس لیے کہ ہم کو جماعتوں کو لے کر جانا ہوتا ہے، اور ساتھیوں کو کھانے پینے اور سونے کے آداب بتلانے ہوتے ہیں، اور ان سب باتوں کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہوتی ہے کہ کہیں حرام کا لقمہ ان ساتھیوں کے پیٹ میں نہ جائے، اور کہیں ہم غلطی نہ کر جائیں؛ لہٰذا یہ سب فرض ہو یا پھر شرط؟ یہ آپ فیصلہ کریں گے۔

**الجواب**: حامداً ومصلياً ومسلماً

''فتاوی عالمگیری'' میں کھانے کے کئی درجات لکھے ہیں: پہلا درجہ فرض ہے،

اور وہ یہ ہے کہ اتنا کھاوے کہ ہلاکت اور موت نہ آوے، اب اگر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا؛ یہاں تک کہ مرگیا تو وہ گنہگار رہے۔ دوسرا درجہ ثواب کا ہے، اور وہ یہ کہ اتنا کھاوے کہ نماز کھڑا رہ کر ادا کر سکے، اور آسانی سے روزہ رکھ سکے۔ تیسرا درجہ مباح اور جائز کا ہے، اور وہ یہ کہ دوسرے درجہ پر اتنی زیادتی کرے کہ پیٹ بھر جائے، اور بدن کی قوت میں اضافہ ہو اس میں نہ ثواب ہے، اور نہ گناہ، اور اس میں روز قیامت معمولی محاسبہ ہوگا؛ بشرطیکہ کھانا حلال ہو۔ چوتھا درجہ حرام کا ہے اور وہ پیٹ بھر سے زیادہ کھانا ہے؛ البتہ اس کے ذریعہ اس کا ارادہ کل کے روزہ میں قوت حاصل کرنا ہے، یا اس کا مقصد یہ ہے کہ مہمان شرمندہ نہ ہو، تو پیٹ بھر کر سے زیادہ کھانے میں گناہ نہیں۔

أما الأكل فعلى مراتب: فرض: وهو مايندفع به الهلاك، فإن ترك الأكل والشرب؛ حتى هلك فقد عصى ومأجور عليه: وهومازاد عليه ليتمكن من الصلاة قائما، ويسهل عليه الصوم. ومباح: وهومازاد على ذلك إلى الشبع لتزداد قوة البدن، ولاأجر فيه ولاوزر، ويحاسب عليه حسابا يسيرا إن كان من حل. وحرام: وهو الأكل فوق الشبع إلا إذا قصد به التقوّي على صوم الغد أو لئلايستحي الضيف فلا بأس بأكله فوق الشبع. (۳۳٦/٥)

رہا کھانے کا حلال ہونا تو اس کا ضروری اور فرض ہونا ایک ایسی واضح چیز ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، پھر بھی چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

مشکوۃ میں مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے، اور پاک (مال یعنی

حلال) ہی کو قبول کرتا ہے، اور بیشک اللہ نے مؤمنین کو اس چیز کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو حکم دیا؛ چناں چہ باری تعالی کا ارشاد ہے: ﴿یآیھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا﴾ اور باری تعالی نے فرمایا: ﴿یآیھا الذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقناکم﴾ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا تذکرہ فرمایا جو ایک طویل سفر میں ہے اور اس کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے ہیں، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کر دعا کرتا ہے، حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اور اس کا پینا حرام ہے، اور اس کا لباس حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی ہے، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (مشکوۃ ۲۴۱)

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گوشت کی پرورش حرام سے ہوئی وہ جنت میں نہیں جائے گا، اور ہر وہ گوشت جس کی پرورش حرام سے ہوئی جہنم اس کی زیادہ حقدار ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۲)

نیز حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال کمائی کا حاصل کرنا یہ بھی ایک فریضہ ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## بیوی کا دودھ پی لیا

سوال: اگر کسی مرد نے شادی کے بعد اپنی بیوی کا دودھ پیا، کیا اس کا نکاح باقی رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدتِ رضاعت یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، صورتِ مسئولہ میں جب وہ شادی شدہ مرد مدتِ رضاعت یعنی دو سال کی عمر سے تجاوز کر چکا ہے، تو اب اپنی بیوی کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے نکاح باقی رہے گا۔

درمختار میں ہے: مصّ رجل ثدي زوجته لم تحرم.

(درمختار على هامش الشامي ۲/٤٤٩)

البتہ اس کا اس طرح اپنی بیوی کے دودھ کو پینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قرعہ اندازی کی دعوت

سوال: چند دوستوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم رقعہ ڈالتے ہیں، جس کا بھی نام نکلے گا وہ سب کو فلاں چیز کھلائے گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نام نکلنے کے بعد بھی اس پر کھلانا ضروری نہیں ہے، رقعہ سے پہلے جس طرح وہ اپنی مرضی اور خوش دلی سے کھلا سکتا تھا، اس کے بعد بھی مرضی وخوش دلی سے کھلا سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ رقعہ کی وجہ سے اس پر لازم نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فٹ پاتھ پر کھانا

سوال: فٹ پاتھ پے بیٹھ کر تجارت کرنے والا چائے یا ناشتہ بیٹھ کر کھا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی لوگوں کے سامنے بازار میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ

## زبردستی کی دعوت اور طلبہ میں دعوت کا رائج طریقہ کا حکم

سوال: ایک طالب علم کا کہنا ہے کہ بخیل انسان کے اوپر دعوت وغیرہ معاملات میں زبردستی سے پیسے لینا جائز ہے؟ کیا یہ صحیح ہے؟ جواب مع دلیل کے مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی مسلمان کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے، آج کل طلبہ میں دعوت کا جو طریقہ رائج ہے کہ جماعت کے تمام طلبہ سے رقم وصول کرتے ہیں، اس کو عار دلاتے ہیں، نہ دینے والے یا کم دینے والے کا استہزاء کرتے ہیں یا تنقید کرتے ہیں، اور بھی مختلف طریقوں سے جبر کرتے ہیں، یہ تمام امور شرعاً ناجائز وحرام ہیں، ایسی دعوت سے احتراز لازم ہے، بادل ناخواستہ دی ہوئی رقم حلال نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه". (مسند للإمام أحمد) جو صاحب اس طریقہ سے لینے کو جائز کہتے ہیں

وہ اپنے دین پر بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں، شریعت کی حرام کردہ چیز کو حلال کہنا موجبِ کفر ہے، اس قسم کے جملوں سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بغیر ہڈی کا گوشت کھانا

**سوال**: بغیر ہڈی کا گوشت کھانا کیا مکروہ ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## حرام کمائی والے کے یہاں کھانا

**سوال**: جوا، شراب وویڈیو، ٹی وی، کیسٹ کا دھندا کرنے والے کے گھر کا کھانا کھانا حلال ہے یا حرام؟ واضح فرمائیں۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوا، شراب کی آمدنی حرام ہے، اور حرام کمائی سے تیار شدہ کھانا جائز نہیں ہے، اگر اس آدمی کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ حلال کمائی کا ہو اور وہ اس حلال کمائی سے کھانا کھلائے، تو اس کا کھانا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نکاح میں لڑکی والوں نے روپیہ لیا ہو ایسی دعوت میں شرکت

**سوال**: نکاح میں لڑکی والوں سے متعین کر کے روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر

کسی نے لیا، تو اس کے ولیمہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## غدود (حرام مغز) کھانا

سوال: حلال جانور کی کون کون سی چیزیں کھانا جائز ہے؟ بعض لوگوں سے ایسا سنا ہے کہ جانور کا غدود کھانا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غدود یعنی حرام مغز کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سینما گھر کے قریب خورد ونوش کی کینٹن

سوال: سینما گھر جہاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں، اور اس گھر میں صرف فلم دیکھنے والے ہی لوگوں کی آمد ورفت ہوتی ہے، ان کے علاوہ اور لوگ نہیں آتے، اس گھر میں فلمیں دیکھنے آنے والے لوگوں کے لیے خورد ونوش کی اشیاء فروخت کرنے کے لیے کینٹن بنانا اور چائے اور کھانے پینے کی چیزیں بیچ کر منافع کمانا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چائے اور خورد ونوش کی اشیاء بیچنے والے کا تعلق براہِ راست فلم دیکھنے یا دکھانے

سے نہیں، اور سببِ قریب کے درجہ میں بھی نہیں ہے؛ اس لیے ضوابط واصول فقہ کے پیشِ نظر یہ کینٹن والا کاروبار جائز ہے؛ البتہ محل وقوع کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔ وإن أردت التفصيل في هذه المسئلة فعليك برسالة المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ المسماة بـ "تفصيل ا لكلام في مسئلة الإعانة على الحرام" من جواهر الفقه؟ ٤٥١/٢۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## جس دعوت میں ناچ گانا ہو اس میں شرکت

(سوال): کسی شخص نے دعوت دی، اور اس کے یہاں ناچ گانا ہے تو اس کی دعوت قبول کریں گے یا نہیں؟ اس کی دعوت کو قبول کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پہلے سے معلوم ہے کہ وہاں ناچ گانا ہے، تو اس کی دعوت میں شرکت جائز نہیں۔

وإن علم أولا باللعب، لا يحضر أصلا سواء كان ممن يقتدى به أولا. (درمختار)

البتہ اگر اس کو یہ یقین ہو کہ میرے جانے سے میرے احترام میں ناچ گانا بند کر دیں گے، تو اس کو چاہیے کہ شرکت کر لے۔

(قوله لا يحضر أصلا) إلا إذا علم أنهم يتركون ذلك احتراما له،

فعلیه أن یذهب.(شامی۵/۲۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بینک کے ملازم کی دعوت قبول کرنا

سوال: ہمارے یہاں بہ نفسِ نفیس ایک دن ساتھ کھانا کھاتے ہیں جس میں بینک سروس کرنے والوں کا کھانا ہوتا ہے، اور دیگر کاروبار کرنے والے بھی اپنا کھانا ساتھ لاتے ہیں اور شریک ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح کھانا صحیح ہے؟ بینک میں سروس کرنے والے ساتھ ہوتے ہیں اس سے فرق پڑے گا یا نہیں؟

نیز جماعتیں وغیرہ آتی ہیں تو بینک میں سروس کرنے والے انھیں دعوت بھی دیتے ہیں، تو اگر ان لوگوں کا کھانا درست نہ ہو تو جماعت والوں کو بتلانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور کیا تدبیر کی جاوے جس سے ان لوگوں کے مال سے خلاصی ہو؟ کیوں کہ اگر ان کو صراحتاً بتلاتے ہیں تو یہ بینک میں سروس کرنے والے جو ابھی دینی کام میں لگے ہیں، وہ کٹ جائیں گے تو کیا تدبیر اختیار کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کا کاروبار سودی لین دین کا ہوتا ہے، اس کی ساری آمدنی اسی پر موقوف ہے، بینک میں ملازمت اسی کاروبار میں تعاون ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾، بینک کی ملازمت سے حاصل شدہ تنخواہ خبیث ہے؛ اس لیے اس کے ذریعہ سے تیار کیا ہوا کھانا درست

نہیں۔آپ اپنے ساتھ دو تین آدمیوں کا کھانا لے جائیں، اور جب سب مل کر کھانے لگیں اس وقت آپ اپنے گھر سے لائے ہوئے کھانے ہی میں سے کھاتے رہیں، یا اس مشترکہ کھانے میں شرکت سے معذوری ظاہر کردیں۔

جس کی آمدنی خبیث اور ناجائز ہو اس کی دعوت کھانا شرعاً درست نہیں، بینک ملازم کو بتلادیا جائے کہ آپ کی آمدنی خبیث ہونے کی وجہ سے آپ کی دعوت قبول نہیں کی جاسکتی، اس کے باوجود اگر اس کو اصرار ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ کوئی آدمی اس کو اتنی رقم ہدیہ میں دے، یا وہ کسی کے پاس سے بہ طور قرض اتنی رقم لے کر اس سے دعوت کا سامان خرید کر دعوت کرلے، اس صورت میں اس کی یہ دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ایسے آدمی کو چاہیے کہ اپنے لیے آمدنی کا کوئی حلال ذریعہ بھی سائڈ بزنس کے طور پر رکھے؛ تاکہ ایسی دشواری پیش نہ آئے، ویسے بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی حلال ذریعۂ آمدنی کی تلاش میں رہے، اور وہ ملنے پر اِس ملازمت کو ترک کردے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

# کھیل کود اور آلات لہو ولعب

## عصر حاضر میں رائج کھیلوں اور لہو ولعب کا حکم

**سوال**: مسلمانوں کا کھیلوں (Sports) میں مشغول ومصروف ہونا عام ہو رہا ہے اس کے متعلق حسب ذیل سوالات ہیں:

① اگر کسی کھیل میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

② کیا مذکورہ کھیل میں (جو غیر شرعی امور پر مشتمل نہ ہو) ورزش کا مقصود ہونا ضروری ہے یا تفریح کے طور پر بھی کر سکتے ہیں؟ (صورت جواز میں)

③ اگر فی نفسہ جائز ہو تو کیا مالی منفعت کے لیے اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟

④ بعض حضرات اس کو تشبہ بالغیر اور لایعنی فرما کر مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

⑤ جواز و عدم جواز کے علاوہ اولویت و عدم اولویت، منفعت و مضرت کے اعتبار سے بھی اس مسئلہ کے متعلق آراء سے مشرف فرمائیں۔

⑥ جائز کھیلوں میں جو لوگ منہمک رہتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

⑦ ان کھیلوں کی تماشائی (spectate) کا کیا حکم ہے؟ نیز ریڈیو پر اس کی کومینٹری (commentary) سننا یا ٹیلیویژن پر اس کو دیکھنا جب کہ اسی وقت کھیلا جاتا ہو live transmission کیسا ہے؟

مفصل جواب بحوالۂ کتب عنایت فرمائیں، بے حد امتنان ہوگا۔

نوٹ: کھیلوں سے خاص طور پر کرکٹ فٹ بال ٹینس (Tennis) اور عمومی لحاظ سے سب کھیل مراد ہیں۔

محمد الیاس بن یوسف پٹیل غفرلہٗ

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کھیل کے سلسلہ میں دورِ حاضر کے نظریہ اور اسلامی نظریہ میں بنیادی اختلاف ہے، دورِ حاضر میں کھیل برائے کھیل اور کھیل بحیثیت ایک فن والا نظریہ رائج ہے، جب کہ اسلام نہ تو کھیل برائے کھیل کا قائل ہے، اور نہ ہی اس کی نئی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، دورِ حاضر کے نظریہ کے اعتبار سے کھیل مقصود بنتا ہے جب کہ اسلام کسی بھی ایسی صورت کی اجازت نہیں دیتا جس میں کھیل کو مقصود قرار دیا گیا ہو۔ قرآن پاک میں کھیل کا تذکرہ عموماً مذمت کے انداز میں کیا گیا ہے، آپ پورے قرآن مجید کا مطالعہ فرمائیے، لہو و لعب کے الفاظ کا استعمال موقع مذمت میں کیا گیا ہے۔

﴿وما الحيوة الدنيا إلا لعب و لهو﴾(الانعام: ٣٢)

اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا۔ (معارف القرآن ٣/٣٠٥)

﴿وما هذه الحيوة الدنيا إلا لهو ولعب﴾ (العنكبوت: ٦٤)

اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیل ہے۔ (معارف ٦/٧١١)

﴿إنما الحيوة الدنيا لعب ولهو﴾(محمد: ٣٦)

یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشہ۔ (معارف ٨/٤٥)

﴿اعلموا أنما الحيوة الدنيا لعب ولهو﴾(الحديد: ٢٠)

جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشہ۔ (ایضاً ٨/٣١٣)

﴿فذرهم يخوضوا ويلعبوا حتى يلٰقوا يومهم الذي يوعدون﴾

(الزخرف: ٨٣)

سو چھوڑ دے ان کو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے۔ (ایضاً ۸/ ۵۵۱)

﴿ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب﴾ (التوبه:٦٥)

اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی۔

(ایضاً ۴/ ۴۱۴)

﴿قل الله ثم ذرهم في خوضهم يلعبون﴾ (الأنعام: ٩١)

پھر چھوڑ دے ان کو اپنے خرافات میں کھیلتے رہیں (ایضاً ۳/ ۳۹۰)

﴿فويل يومئذٍ للمكذبين الذين هم في خوض يلعبون﴾ (الطور:١٢)

سو خرابی اس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے۔ (ایضاً ۸/ ۱۷۴)

﴿وإذا ناديتم إلى الصلوة اتخذوها هزواً ولعباً﴾ (المائدة:٥٨)

اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لیے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل۔ (ایضاً ۳/ ۱۶۷)

﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ (لقمان: ٦)

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے۔ (۷/ ۱۷)

﴿قل ما عند الله خير من اللهو﴾ (الجمعة:١١)

تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشہ سے۔ (ایضاً ۸/ ۴۳۹)

وغير ذلك من الآيات

البتہ بعض وہ کھیل جو صورۃً کھیل ہیں؛ لیکن اپنے دینی و دنیوی فوائد کے پیش نظر مقاصدِ شرع کے حصول میں مانع بننے کے بجائے اس کے حق میں مدد و معاون ہیں ان کی یہ کہہ کر اجازت دی گئی ہے کہ اپنے انجام اور مقصود کے اعتبار سے اس کا کھیل والا پہلو مغلوب ہو کر ایسا دب گیا کہ اب وہ کھیل نہ رہا بلکہ مقاصدِ شرع کے حصول کا ذریعہ

بن گیا، چاہے اپنی ظاہری شکل وصورت کی وجہ سے اس کو کھیل کا نام دیا جائے۔ سنن أبوداؤد و ترمذی وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی نشاندہی فرمائی گئی ہے: ليس من اللهو ثلاث: تأديب الرجل فرسه وملاعبته أهله ورميه بقوسه ونبله.(نصب الراية ٤/ ٢٧٣) ''تین چیزیں کھیل میں سے نہیں ہیں، آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اس کا اپنے اہل کے ساتھ دل لگی کرنا اور اپنے تیر وکمان سے تیر چلانا''۔

اس کے برخلاف عصر حاضر میں کھیلوں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ کھیل کو بحیثیت کھیل ہی خصوصی اہمیت دی جا رہی ہے اس کو ایک فن کے طور پر معراج کمال پر پہنچانے کے لیے ہر نوع کے اسباب اختیار کیے جا رہے ہیں، اس کے نام کی مستقل وزارت قائم ہے، ملکی بجٹ میں اس کے لیے مستقل حصہ الگ رکھا جاتا ہے، اس کے لیے الگ بورڈ قائم کیے جاتے ہیں، اس نام سے ممالک سے روابط قائم کیے جاتے ہیں اس کے لیے نظامہائے سفر طے ہوتے ہیں (وغیر ذلك من الخرافات) بلکہ اس کے ورزش ہونے کا پہلو جو خالص دنیوی طور پر بھی تمام کھیلوں میں قدرِ مشترک ہونا چاہیے وہ بھی ایسا نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ وہ نہ کھیلنے والوں کے پیش نظر ہوتا ہے، نہ دیکھنے والوں کے، نہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے والوں کے۔

اسلام نے تجارت کو نہ صرف جائز اور مباح قرار دیا بلکہ اس کی ترغیب یہ کہہ کر دی گئی کہ ''تسعة أعشار الرزق'' (روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے) اس میں رکھے گئے ہیں؛ لیکن جب اس میں بھی لہو کا پہلو شامل ہوا اور عین اس وقت جب کہ لوگ اپنی بنیادی ضروریات کے فقدان کی وجہ سے پریشان تھے اور اسی کے خاطر

بوقت خطبہ دوڑ پڑے تو ﴿وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها﴾ (الجمعة: ۱۱)
''اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشہ متفرق ہو جائیں اس کی طرف''۔ (معارف القرآن
۴۳۹/۸) نازل فرما کر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی جن کی شان میں ﴿رجال لا تلهيهم
تجارة ولا بيع عن ذكر الله وإقام الصلوة﴾ (النور: ۳۷) ''وہ مرد کہ نہیں غافل
ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے'' (معارف
۴۱۸/۶) وارد ہوا ہے۔

بھلا جب تجارت کے ساتھ اس کی معمولی آمیزش کو جو وقتی حالات وضروریات کی وجہ سے ذکر اللہ سے غفلت کا باعث بنی اسلام برداشت نہیں کرتا تو اس کو مستقل ایک ذریعۂ معاش کی حیثیت سے اختیار کرنے کی تو کیسے اجازت دے گا جس کے نتیجہ میں نہ صرف وہ شخص جو کھیل کو ذریعۂ معاش بنائے ہوئے ہے بلکہ کلمہ پڑھنے والوں کے ایک بڑے طبقہ کو عین نماز جمعہ کے وقت ٹی وی اور کھیل کے میدان پر مشغول رکھتا ہے، شارجہ ٹورنامنٹ کے مناظر ایک صاحب ایمان کی غیرت ایمانی کو چیلنج دینے کے لیے کافی ہیں۔

موجودہ تہذیب وتمدن نے کھیلوں کو جو درجہ دیا ہے اس کے نتیجہ میں دورِ حاضر کے کھیلوں کے ساتھ لوگوں کا معاملہ بھی یکسر بدل چکا ہے، ایک زمانہ تھا کہ عرب میں شعر وشاعری کا انہماک اس حد تک ہو چکا تھا کہ بعض لوگوں نے اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، جس کے نتیجہ میں وہ افراد اپنے مقصد زندگی سے دور وبے خبر اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انہماک کو یہ فرما کر ممنوع قرار دیا کہ لأن يمتلي جوف أحدكم قيحاً خير له من أن

يمتلي شعراً لأن يمتلي جوف الرجل قيحاً حتى يريه خيراً من أن يمتلي شعراً (بخاري ۲/ ۹۰۹) یعنی کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور پیپ اس کو کھا کر ختم کر دے یہ اچھا ہے بنسبت اس کے کہ اس کے سینے میں شعر بھرے ہوئے ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرما کر "باب ما يكره أن يكون الغالب على الإنسان الشعرحتى يصده عن ذكر الله والعلم والقرآن" (یہ باب اس بات کے ناجائز ہونے میں کہ آدمی پر شعر اتنا غالب آجائے کہ اس کو اللہ کی یاد اور علمی مشاغل اور قرآن سے روک دے) اس پر تنبیہ فرمائی کہ شعر کے متعلق یہ وعید اس وقت ہے جب کہ وہ انسان کے دل و دماغ پر ایسا حاوی ہو جائے کہ اس کے نتیجہ میں وہ آدمی یاد الٰہی، تحصیل علم وقرآن سے غافل ہو جائے ورنہ اسی شعر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے "إن من الشعر حكمة" (بخاري ۲/ ۹۰۸) (یعنی بعض اشعار حکمت والے ہوتے ہیں)۔

بعض کھیلوں کی حدیث میں جو ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی شراح نے یہی بتلائی ہے کہ اس کے بعض دنیوی فوائد کے باوجود اس کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی جب اس میں لگتا ہے تو وہ کھیل آدمی کو اپنی طرف ایسا کھینچ لیتا ہے کہ بالآخر وہ شخص اسی کھیل کی نذر ہو جاتا ہے اور وہ کھیل اپنے کھیلنے والوں کے دل و دماغ پر ایسا حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ اپنے مقاصد زندگی سے دور اور اپنے فرائض منصبی سے غافل ہو جاتے ہیں، مثلاً شطرنج کی جو ممانعت آئی ہے اس کی علت یہی بتلائی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أو الإكثار من المسليات بحيث يفضي إلى إهمال أمر المعاش

والمعاد كالمزامير والشطرنج و الصيد و اقتناء الحمام ونحوها.
(حجة الله البالغة ٤٩/١)

ومنها الاشتغال بالمسليات وهي ما يسلى النفس عن هم آخرته ودنياه و يضيع الأوقات كالمعازف و الشطرنج واللعب بالحمام واللعب بتحريش البهائم و نحوها فإن الإنسان إذا ا شتغل بهذه الأشياء لها عن طعامه وشرابه وحاجته و ربما كان حاقناً و لا يقوم للبول فإن جرى الرسم بالاشتغال بها صار الناس كلاً على المدينة و لم يتوجهوا إلى إصلاح نفوسهم. (حجة الله البالغة٢/١٩٢)

تفریحات میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ امور معاش وآخرت سے غافل ہو جاتے ہیں مثلاً مزامیر شطرنج، شکار اور کبوتر بازی وغیرہ (مترجم: ۱/۱۳۱) ان میں سے ہے ایک یہ کہ بے غم کرنے والی چیزوں میں مشغول رہیں جو کہ اسے آخرت اور دنیا سے بے فکر بنا دیتی ہیں، اوقات کو ضائع کرتی ہیں مثلاً باجے، شطرنج، کبوتر بازی اور چوپایوں کو لڑانا وغیرہ، جب انسان ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو کھانے پینے اور ضروری کاموں سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اسے پیشاب کی حاجت ہوتی ہے مگر نہیں اٹھتا، اگر ان کاموں کی رسم چل پڑے تو یہ لوگ شہر پر بوجھ بن جائیں گے اور اصلاح نفس کی طرف توجہ بھی نہیں کریں گے۔ (مترجم ۲/۴۹۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری شریف میں نقل فرمایا ہے: شعر، شکار اور شطرنج ایسی بدترین چیزیں ہیں کہ انسان جب ان میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ذکر اللہ، نماز وغیرہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

قال مولانا: إن الشعر والشطرنج والاصطياد من أقبح الأشياء لأن

الإنسان يشتغل بها فيغفل عن ذكر الله وعن الصلاة. (فيض الباری ٣٩٧/٤)

”حضرت مولانا (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ شعر اور شطرنج اور شکار بدترین چیزیں ہیں اس لیے کہ آدمی جب ان میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے غافل ہوجاتا ہے“۔

دورِ حاضر میں ایک تو کھیل کے معاملہ میں نظریاتی جو تبدیلی آئی ہے اس کی وجہ سے اور ساتھ ہی ساتھ عصرِ حاضر کے معروف کھیل (کرکٹ، فٹ بال وغیرہ) جن علاقوں میں رائج ہیں وہاں کے باشندوں کا ان میں انہماک جس نوع کا ہے اس کی بنیاد پر کہنا پڑیگا کہ یہ کھیل ان علاقوں کے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسے حاوی ہیں کہ ان کی مشغولیت ان لوگوں کے حق میں غفلت عن ذکر اللہ اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کا باعث ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان وپاکستان ودیگر ممالک میں کرکٹ کے ساتھ اور مغربی یوروپ میں فٹ بال کے ساتھ، بعض دیگر یوروپی ممالک میں رگبی کے ساتھ اور امریکہ میں ٹینس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے، جس کے نتیجہ میں صرف اتنا ہی نہیں کہ ان کی مشغولیت وقت اور مال کا ضیاع ہو بلکہ یہی تعلق بہت سی مرتبہ آپسی ٹکراؤ اور فسادات کا باعث ہوتا ہے اور قرآن پاک میں خمر ومیسر کے جو مفاسد بیان فرمائے ہیں: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر﴾ (المائدۃ:۹۱) ”شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعۂ شراب اور جوئے کے“ (معارف القرآن) وہ ان کھیلوں پر صادق آتے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ

"الناهي عن الملاهي" نامی ہے جو "أحكام القرآن للتهانوی" (۱۸۶/۳تا۲۰۲) میں ایک جزکے طور پر شامل ہے اس میں تمام آیات قرآنیہ اور روایات حدیث وفقہ پر کلام فرما کر آخر میں جو خلاصہ اور ضابطہ تحریر فرمایا ہے وہ انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

فالضابطة في هذاالباب عند مشائخنا الحنفية المستفادة من أصولهم وأقوالهم المذكورة آنفا: إن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش ولاالمعاد حرام أو مكروه تحريماً وهذا أمر مجمع عليه في الأمة، متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيويةفإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة كان حراماً أو مكروهاً تحريمياً، وألغت تلك المصلحة والغرض لمعارضتها النهي المأثورة حكماً، بأن ضرره أعظم من نفعه، وليس من الضرورات أن يكون كل غرض ونفع يكتسبه الإنسان جائزاً مبا حاً كيف؟ والشئ إذا غلب شره على خيره وضرره على نفعه عد من المضرات عند العقلاء قطعاً وإلا فلا شئ من السموم و المهلكات لايكون فيه نفع ما و فائدة ولكن لما غلب ضرره على نفعه عدوه من المضرات، فكذلك لما ورد الشرع بالنهي عنه مع ما فيه من بعض الفوائد والمنافع علمنا أن ضرره أعظم من نفعه وألغيت تلك المنافع والمصالح في جنب ما يتولد منه من المضار والمفاسد، ألا ترى فيه قوله عز وجل (فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما) فلم ينكر القرآن العزيز المنافع المودعة فيها، ولكن ورد على أسلوب الحكيم حيث وضع المنافع والمضار في ميزان الحكمة وغلب غالبها وهذا أيضاً متفق

عليه بين الأئمة غير أنه لم يثبت بعض النهي عند بعضهم فجوزه و رخص عنه وثبت عند غيره فحرمه وكرهه، وذلك كالشطرنج فإن النهي الوارد فيه المتكلم فيه من جهة الروا ية والنقل، فثبت عند الحنفية وعامة الفقهاء فكرهوه، ولم يثبت عند ابن المسيب وابن المغفل وفي رواية: عندالشافعي أيضاً فأباحوهوأمَّا مالم يرد فيه النهي عن الشارع وفائدة ومصلحة للناس فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ماشهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذكر الله وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلك بالمنهي عنه لاشتراك العلة فكان حراماً أو مكروهاً والثاني: ما ليس كذلك فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح، بل قد يرتقي إلى درجة الا ستحباب أو أعظم منه و فذلك الكلام أن اللهو على أنواع:

لهو مجرَّد،

ولهو فيه نفع وفائدة ولكن ورد الشرع بالنهي عنه،

ولهو فيه فائدة ولم يرد فيهالشرع نهي صريح عنه ولكنه ثبت بالتجربة أنه يكون ضرره أعظم من نفعه ملتحق بالمنهي عنه،

ولهو فيه فا ئدة ولم يرد الشرع بتحريمه ولم يغلب على نفعه ضرره، ولكن يشتغل فيه بقصد التلهي،

ولهو فيه فائدة مقصودة ولم يرد الشرع بتحريمه وليس فيه مفسدة دينية واشتغل به على غرض صحيح لتحصيل الفائدة المطلوبة لابقصد التلهي.

فهذه خمسة أنواع لا جائز فيها إلا الأخير الخامس فهو أيضاً ليس من إباحة اللهو في شئ، بل إباحة ما كان لهواً صورة ثم خرج عن اللهوية بقصد صالح وغرض صحيح فلم يبق لهواً.

(أحكام القرآن للتهانوي ۱۹۹/۳تا۲۰۱)

ہمارے مشائخ حنفیہ کے اصول اور مذکورہ اقوال سے جو ضابطہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے: لہوِ محض جس کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور کوئی صحیح، مفید غرض نہ ہو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور یہ بات امت میں مجمع علیہ اور ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور جس میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور غرض ہو اگر قرآن وحدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے تو وہ بھی حرام یا مکروہ ہوگا اور اس کا وہ فائدہ اور غرض شریعت میں وارد شدہ ممانعت کے مقابلہ میں کالعدم سمجھے جائیں گے بایں طور کے اس کا نقصان فائدہ سے بڑا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انسان جس فائدہ اور غرض کو حاصل کرنا چاہے وہ جائز ومباح ہی ہو حالاں کہ کسی چیز کی برائی اس کی بھلائی پر اور اس کا نقصان اس کے فائدے پر غالب ہو تو عقلاء کے نزدیک بھی مضر ہی شمار ہوتی ہے ورنہ تو مہلک اور زہریلی اشیاء میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو؛ لیکن جب اس کا ضرر اس کے نفع پر غالب ہے تو عقلاء نے اس کا شمار مضر اشیاء میں کرلیا، اسی طرح جب شریعت میں اس کھیل کی ممانعت وارد ہوئی تو اس کے بعض فوائد ومنافع کے باوجود ہم نے اس کے ضرر کو اس کے نفع سے بڑا سمجھا اور اس سے ہونے والے نقصانات ومفاسد کے مقابلہ میں وہ فوائد ومنافع کالعدم قرار دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فيهما إثم كبير و منافع للناس وإثمهما اكبر من نفعهما﴾

ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور انکا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے"۔ (معارف القرآن، اول)

دیکھئے! قرآن کریم نے اس میں موجود منافع کی نفی نہیں کی؛ لیکن حکیمانہ انداز میں اس کے منافع اور نقصانات کو حکمت کے ترازو میں رکھ کر ان میں جو غالب تھا اس کو غالب بتلادیا، اور یہ بھی ائمہٴ اربعہ کے درمیان متفق علیہ بات ہے۔ البتہ بعض ائمہ کے نزدیک بعض کھیلوں کی ممانعت ثابت نہیں، اس لیے انہوں نے ان کو جائز قرار دے کر اس کی اجازت دے دی اور بعض کے نزدیک ان کی ممانعت ثابت ہے اس لیے انہوں نے اس کو حرام اور مکروہ گردانا مثلاً شطرنج کہ اس کے بارے میں واردشدہ ممانعت روایت وثبوت کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے، چناں چہ حنفیہ اور عام فقہاء کے نزدیک وہ ثابت ہے؛ اس لیے انہوں نے اس کو مکروہ کہا اور سعید بن مسیب اور ابن مغفل کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق وہ ممانعت ثابت نہیں اس لیے انہوں نے اس کو جائز قرار دیا البتہ صاحب شریعت کی طرف سے جن کے متعلق صراحتاً ممانعت نہیں آئی اور اس میں لوگوں کا فائدہ اور مصلحت ہے تو فقہی اصول کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی: تجربہ جس کے متعلق شہادت دیتا ہو کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑا اور اس کے مفاسد اس کے منافع پر غالب ہیں اور جو آدمی اس میں مشغول ہوتا ہے اس کو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر کے نماز ومساجد سے روکتا ہے وہ بھی اشتراک علت کے پیش نظر ممنوع کے ساتھ ملحق قرار دے کر حرام ومکروہ ہوگا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں یہ بات نہ ہو اس میں بھی اگر لہو ولعب کی غرض سے مشغول ہوتا ہے تو وہ

بھی مکروہ ہے، اور اگر اس میں اس منفعت کی تحصیل کے لیے اور فوائد کے حصول کی غرض سے مشغول ہوتا ہے تو وہ جائز ومباح ہے؛ بلکہ کبھی استحباب یا اس کے اوپر کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کھیل کی چند اقسام ہیں: ① لہو محض۔ ② وہ کھیل جسمیں فائدہ بھی ہے نقصان بھی؛ لیکن شریعت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ③ وہ کھیل جس میں فائدہ تو ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی؛ لیکن تجربہ سے اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہونا ثابت ہو چکا ہو وہ بھی ممنوع کے حکم میں ہے۔ ④ ایسے کھیل جن میں فائدہ ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی اور اس کا ضرر بھی اس کے نفع سے زیادہ نہیں؛ لیکن ان میں محض بنیت لہو مشغول ہوتا ہے۔ ⑤ ایسے کھیل جن میں منفعت مقصودہ ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی اور ان میں کوئی دینی نقصان بھی نہیں ہے اور ان میں مطلوبہ فائدہ حاصل کرنے کی غرض صحیح سے مشغول ہوتا ہے، بغرض لہو نہیں۔ ان پنج گانہ اقسام میں سے آخری پانچویں قسم کے علاوہ کوئی جائز نہیں ہے وہ بھی لہو کے جواز کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ ایسی چیز مباح کی جارہی ہے جو صورۃً لہو ہے؛ لیکن نیت صالحہ اور غرض صحیح کی وجہ سے وہ لہو نہیں رہا۔ (احکام القران)

آپ کے قائم فرمودہ اکثر سوالات (۱-۲-۴-۵-۶) کے جوابات عبارات بالا میں آگئے ہیں، اب یہ سوال کہ اس کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا، تو ظاہر ہے کہ کھیل کر تو آدمی پیٹ بھر نہیں سکتا۔ اس میں اجارہ ہی کرنا ہوگا، اب وہ کس بات پر اجارہ منعقد کرے گا۔ معقود علیہ مجہول ہے، اس لیے کہ کھلاڑی کے عمل کو ضبط کرنا مشکل ہے وقت

کی تعیین بھی دشوار ہے اس لیے کہ کبھی مقررہ وقت سے پہلے ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے "ولا لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي" (در مختار) (اور گناہ کے کاموں کے لیے اجارہ درست نہیں ہے مثلاً گانا، نوحہ کرنا اور کھیل) اور اگر مقصود تماشائیوں کی تفریح ہے تو یہ غیر مقدور التسلیم ہے، کما عللوا في عسب التيس (شامی ۵/۳۸) (گابھن کرانے کی اجرت کے ممنوع ہونے کی جو علت بتلائی گئی ہے)؛ اس لیے اس کو کسب معاش کا ذریعہ قرار دینا شرعاً درست نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اس کی بنیاد دورِ حاضر کا وہ نظریہ ہو جو شروع جواب میں گزر چکا ہے۔

آپ نے آخری سوال میں جو دریافت فرمایا ہے اس کی حیثیت بھی اب صاف ہو چکی جب کہ خود کھیل کے سلسلہ میں حکم معلوم ہو چکا، خود میدان میں جا کر اس کو دیکھنا تو آج کل وہاں جو خرافات ہوتے ہیں سب کو معلوم ہیں۔ نیز جن صورتوں میں وہ کھیل ممنوع ہوگا اس کا دیکھنا بھی ناجائز ہوگا، اور کھیل کی آخری صورت جو جائز ہے کون اس کو دیکھنے جاتا ہے؟ جب میدان پر تماشہ بینی کا یہ حکم ہے تو ٹی وی پر بطریقۂ اولیٰ ممنوع ہے اسی وقت وہ شائع ہو رہا ہو تب بھی وہ تصویر ہی کا حکم رکھتا ہے اس لیے اس میں قباحت بڑھ جاتی ہے کومینٹری میں بھی ضیاع وقت کے ساتھ دور حاضر کے نظریۂ کھیل کی حوصلہ افزائی کے سوا کچھ نہیں اس لیے وہ بھی ممنوع ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح۔ ماشاء اللہ! بہت عمدہ اور قابل عمل جواب ہے اس کی خوب اشاعت کی جائے، احقر کا بھی اس کے متعلق ایک جواب فتاوی رحیمیہ ہفتم ص ۲۷۵ تا ۲۸۰

پر موجود ہے۔ مناسب معلوم ہو تو اسے بھی شامل فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر الانام سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ، ۲۳/ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## فتویٰ حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب فتاوی رحیمیہ)

سوال: ایک امام صاحب کو کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق ہے اور کافی انہماک رکھتے ہیں۔ میچ کی کومینٹری بڑے شوق سے سنتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمائیں۔ بينوا توجروا.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

درمختار میں ہے: (و) كره (كل لهو) لقوله عليه السلام كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه (درمختار)

ہر کھیل مکروہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے سوائے تین کے، آدمی کا اپنے اہل سے کھیلنا اور گھوڑے کو سدھانا اور تیر اندازی کرنا۔

شامی میں ہے:

(وقوله وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث إلى قوله والتصفيق وضرب الأوتار فإنها كلها مكروهة لأنها زَي الكفار (درمختار و شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۳۴۷،۳۴۸/۵) یعنی لہو سے مراد ہر کھیل اور عبث کام ہیں۔

شامی میں ایک اور جگہ ہے: وفي القهستاني عن الملتقط من لعب بالصولجان يريد الفروسية يجوز في الجواهر قد جاء الأثر في رخصة المصارعة لتحصيل القدرعلى المقاتلة دون التلهي فإنه مكروه.

(شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع ۳۵۵/۵)

قہستانی میں ملتقط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو آدمی صولجان سے اس لیے کھیلتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہی گھوڑے سواری میں مہارت حاصل ہو تو جائز ہے اور الجواہر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث میں اکھاڑے کی اجازت آئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے دشمنوں کے مقابلہ پر قدرت حاصل کی جائے البتہ محض لہو کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔

"ہدایہ اخیرین" میں ہے: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد والأربعة عشر وكل لهو لأنه إن قامر بها فالميسر حرام بالنص وهواسم لكل قمار وإن لم يقامربها فهوعبث ولهووقال عليه الصلاة والسلام لهو المؤمن باطل إلا الثلاث تأديبه لفرسه ومناضلته عن قوسه وملاعبته مع أهله ثم إن قامر به (أي بالشطرنج) تسقط عدالته وإن لم يقامر لاتسقط لأنه متأول فيه (هدايه اخيرين ص:٤٥٩)

شطرنج اور نرد اور چوسر اور ہر لہو کے ذریعہ کھیلنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں بازی لگاتا ہے تو میسر حرام ہے اور میسر ہر قسم کے جوئے کو کہتے ہیں اور اگر بازی نہیں لگاتا ہے تو یہ عبث اور لغو ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کا ہر کھیل لغو اور باطل ہے سوائے تین باتوں کے، اس کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، تیر اندازی اور اپنے اہل کے ساتھ دل لگی کرنا۔

خلاصۂ تفاسیر میں ہے: کھیل سے اگر وہ سب امور مراد لیے جائیں جو محض دل خوش کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی دینی یا دنیوی نفع نہیں تو حرام باعتبار اضاعت وقت کے ہے اور یہ حرام بجائے ترک اولی کے ہے اور اگر وہ کھیل مراد لیے جائیں جن میں جوا یا کسی اور قسم کی شرعی ممانعت ہو یا ایسی محویت غالب ہو کہ آدمی تدبیر معاش وفکر سے بے پرواہ یا معطل رہے جس طرح کنکوہ یا کبوتر وغیرہ میں آدمی محو

اور خود فراموش ہو جاتا ہے تو ان کے حرام یا مکروہ ہونے میں کچھ تردد نہیں۔

(خلاصۂ تفاسیر ۱/۱۵۶،۱۵۷)

نیز فرماتے ہیں: ہر ایسا کھیل جس میں ہار جیت ہو قمار میں داخل ہے اور نص قرآن سے حرام ہے۔ (خلاصۂ تفاسیر ۱/۱۵۶ تحت آیۃ یسئلونک عن الخمر والمیسر پارہ:۲)

مذکورہ حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:

① ایسے کھیل جس میں قمار جوا کی صورت ہو وہ بالکل حرام ہے، جیسا کہ ہدایہ اخیرین اور خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

② ایسا کھیل جس میں کوئی دینی، دنیوی نفع نہیں ہے وہ بھی اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے جیسا کہ خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

③ اور ایسا کھیل جس میں قمار نہ ہو اور اس میں دینی یا دنیوی نفع ہو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ قہستانی کی عبارت سے جسے شامی نے نقل کیا ہے مفہوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ گنجائش اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع عمل نہ ہو، چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

(ب) جس کھیل سے دینی یا دنیوی کوئی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلاف شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امور خلاف شرع کے تشبہ بالکفار بھی ہے۔

(ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو؛ لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہوتا ہے جیسے تیر اندازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ

جب کہ اس میں قمار کی صورت پیدا ہو جائے، دونوں طرف سے کچھ مال کی شرط لگائی جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے (فتاوی دار العلوم قدیم ۷،۸/ ۲۸۵، امداد المفتیین)

موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایک ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں، نمازوں کا قضا کر دینا، اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا، فجار، فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا۔ غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن، اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے۔ کرکٹ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آچکی ہیں، اور تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچے میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع میں رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومینٹری آرہی ہو تو اس کے بہت سے شوقین تو اس پر تراویح قربان کر دیتے ہیں، اور جو شوقین مسجد میں آئے ہیں ان کی توجہ اور دھیان بس اسی طرف، ترویحہ میں تسبیح پڑھنے کے بجائے یہی فکر سوار رہتی ہے کہ میچ کا حال معلوم کیا جائے، ہار جیت پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بن جاتی ہے، اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟

چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: آج کل چوں

کہ عموماً یہ شرائط (جس کا بیان فتاوی دار العلوم کے حوالہ سے مذکور ہوا) موجودہ کھیلوں (ٹینس، فٹ بال، کرکٹ) میں موجود نہیں ہیں اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے۔

(فتاوی دار العلوم قدیم ۷، ۲۸۵/۸ امداد المفتیین)

لہٰذا ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو اس کو اس قسم کے بدنام اور بے کار لغو کھیل میں مشغول ہونا، اس سے دل چسپی رکھنا، کومینٹری سننا، قطعاً اس کے شایان شان نہیں، غافلوں کے ساتھ تشبہ بھی لازم آتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہو جاتا ہے۔ اور اگر ورزش اور بدن کی تقویت مقصود ہو تو دوسرے جائز طریقے اختیار کیے جائیں، اگر کوئی شخص کرکٹ میں اس قدر منہمک رہتا ہو کہ نماز قضا ہو جائے اور جماعت فوت ہوتی ہو تو پھر ایسا کھیل بالکل ناجائز اور موجب فسق ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔

کبیری میں ہے: ”وفيه إشارة الى أنهم لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم“ (كبيری ص:٤٧٩ فصل في الإمامة) وقت خدا تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے ایسے بے کار اور لغو کھیل میں مشغول ہونے یا کومینٹری سننے سے آخرت کا کونسا فائدہ ہوگا؟ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی چیز ہے اور جو چیز انسان کو اللہ سے اور اس کے مقصد حیات سے غافل کر دے وہ منحوس اور بے کار ہے۔ حدیث میں ہے: ”من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه“ (ترمذي ٥٥/٢ باب ماجاء من تكلم بالكلمة ليضحك الناس) (ترجمہ) انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہ ہو قیامت کے روز عمر اور خاص کر اپنی جوانی

کے زمانہ کا جواب دینا ہوگا، کہ اسے کن کاموں میں خرچ کیا۔

حدیث میں ہے: "عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: لا تزول قدما ابن آدم یوم القیمة من عند ربه حتی یسأل عن خمس، عن عمره فیما افناه، وعن شبابه فیما ابلاه، و عن ماله من این اکتسبه و فیما انفقه و ماذا عمل فیما علم" (ترمذی شریف ٢/٦٤، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کے دونوں قدم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس سے نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو: ① اس کی عمر کے متعلق کہ کن کاموں میں اسے ختم کی ② اس کی جوانی کے متعلق کہ کن مشغلوں میں اسے خرچ کی ③ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے مال حاصل کیا ④ اور کن کاموں میں مال خرچ کیا ⑤ اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔

لہٰذا جو وقت ملا ہے اسے بہت بڑا قیمتی سرمایہ سمجھے اور بڑی ذمہ داری اور فکر کے ساتھ موت اور آخرت کی تیاری میں خرچ کرے، بے کار اور لغو کاموں میں ضائع نہ کرے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے:

| | | |
|---|---|---|
| جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است | | جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است |

یادِ الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا عمر ضائع کرنا ہے، عشقِ الٰہی کے سوا جو کچھ کیا جائے بے کار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ ۷/۲۷۵ تا ۲۸۰)

## ویڈیو گیم کے کلب قائم کرنا جائز نہیں

(سوال): ویڈیو گیم جس میں پیسے ڈال کر وہ گیم کھیلا جاتا ہے، اس کی نوعیت یہ

ہے کہ اس ویڈیو گیم میں سامنے ٹی وی رہتی ہے اور اس کے سامنے ایک اس کوٹر نما آلہ رہتا ہے جس پر بیٹھ کر وہ گیم کھیلا جاتا ہے اور جس طرح اسکوٹر کی تیزی بڑھائی جاتی ہے یا کم کی جاتی ہے بعینہ اس میں وہ ساری چیزیں ہوتی ہیں پھر وہ اسکوٹر پر بیٹھ کر پیسے ڈالتے ہیں، پیسے ڈالنے کے بعد اس ٹی وی میں تصویریں آتی ہیں گاڑیوں کی، پھر کھیلنے والا جتنی تیزی سے بچا کر گاڑی کو چلائے گا اتنے زیادہ اسے نمبرات ملتے ہیں، پس یہ کھیل کھیلنا یا اس کے کلب قائم کرنا بطور تجارت، شریعت کے نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں پوری تفصیل تحریر نہیں فرمائی بلکہ صرف آخر میں اتنا کہہ دیا ہے کہ ''اتنے زیادہ اسے نمبرات ملتے ہیں'' اس کے بعد کیا ہوتا ہے وہ نہیں بتلایا، اگر ان نمبرات کی بنیاد پر رقم بھی ملتی ہے تو یہ قمار کی صورت ہے جو حرام ہے، اور اگر رقم نہیں ملتی تو صرف ایک کھیل ہے، لیکن ایسا کھیل ہے جو ان کھیلوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اس لیے یہ بھی ناجائز ہے، اس کے کلب قائم کر کے اس کو ذریعۂ معاش بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فٹ بال کھیلنا

سوال: ورزش کی نیت سے فٹ بال یا اس جیسا کھیل کھیلنا کیسا ہے؟

نوٹ: برائے کرم حوالجات شامل کرنے کی کوشش فرمائیں، آپ کی بہت بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ورزش مقصود ہو اور اس میں مشغولی کے نتیجہ میں نماز اور دیگر فرائض سے غفلت نہ ہوتی ہو، تو گنجائش ہے۔

فالظاهر أنه إن قصد به التمرن والتقوى على الشجاعة لا بأس به. (شامی ۵/۲۸۶)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: کھیل خواہ گیند کا ہو یا کوئی دوسرا، اگر اس سے محض کھیل اور لہو ولعب مقصود ہے تو مکروہ ہے، اور اگر تفریح طبع یا دفع کسل یا تحصیل قوت مقصود ہے تو جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہو۔ (فتاوی دار العلوم امداد المفتیین ۲/۱۰۰۰ مطبوعہ کراچی) إن شئت التفصيل فارجع إليه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

# کرکٹ، کبڈی کھیل کا شرعی حکم

سوال: کرکٹ اور کبڈی کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کھیل میں ستر کھلا ہوا ہوتا ہے؛ نیز اس میں علمائے کرام بھی شریک ہوتے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دور حاضر میں کھیل کے معاملہ میں نظریاتی تبدیلی جو آئی ہے، اس کی وجہ سے اور ساتھ ہی ساتھ عصرِ حاضر کے معروف کھیل (کرکٹ وغیرہ) جن علاقوں میں رائج ہیں،

وہاں کے باشندوں کا ان میں انہماک جس نوع کا ہے، اس کی بنیاد پر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ کھیل ان علاقوں کے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسے حاوی ہیں کہ ان میں مشغولیت ان لوگوں کے حق میں غفلت عن ذکر اللہ اور فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کا باعث ہے، ہندوستان و پاکستان وغیرہ ممالک میں کرکٹ کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے، اس لیے کرکٹ کھیلنا ناجائز ہے۔ ستر کھول کر کھیلنا اور شنیع ہے۔

کبڈی اگر ورزش اور جہاد کی مشق کے لیے ہو، اس میں ستر نہ کھلے؛ نیز اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ ہو، اور بھی کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو تو درست ہے۔ ستر کھول کر کبڈی کھیلنا بھی ناجائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۲۸، ۱۲/ ۵۷۳، ۱۴/ ۱۲۳)

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں علماء بھی شریک ہوتے ہیں" یہ یاد رکھئے کہ ناجائز کام کسی کے کرنے سے جائز نہیں ہوتا، بعضے بے عمل عالم نماز تک ترک کر دیتے ہیں، آپ کو ان کے اس غلط فعل پر یہ خیال نہ آیا کہ نماز کا ترک کرنا جائز ہوگا، پھر کرکٹ وغیرہ کے بارے میں علماء کے اس فعل کو بطور حجت کیوں پیش کیا؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی

## پتنگ کی رسم

**سوال**: تمام جگہ پتنگ کی رسم ہے، کیا مسلمان کر سکتے ہیں؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز ہے۔ (احکام القرآن للتھانوی ۳/ ۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# لکھوٹی، پتہ اور کرکٹ کھیلنا

**سوال**: لکھوٹی اور کرکٹ اور پتہ وغیرہ شرطوں کے ساتھ کھیل سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سے وقت بیکار ضائع ہوتا ہے، اور اب تو وقت کی بات الگ رہی، نماز چھوڑی جاتی، سب کھیل کھیلنا جس میں نماز ضائع ہوتی ہے کیسا ہے؟ حضرت تمام مسئلوں کے جواب واضح عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ناجائز اور حرام ہے، قمار (جوا) کی حرمت منصوص ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا

**سوال**: اگر شرعی احکام کی پابندی اور نماز وغیرہ کا اہتمام کیا جائے تو انٹرنیشنل اور آئی-پی-ایل میچ میں شریک ہو کر کرکیٹ کھیلنے کے بارے میں اصول شرعیہ جواز فراہم کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اس پر ملنے والی آمدنی کے سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ نیز فی زماننا کرکٹ کو تشبہ بالکفار کا مصداق قرار دیا جائے گا یا نہیں، جب کہ یہ ان کی خصوصیت اور شعار باقی نہیں رہا؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کرکٹ کی ممانعت کی بنیاد صرف تشبہ بالکفار ہی نہیں ہے، اس سلسلہ میں احقر کا ایک تفصیلی جواب محمود الفتاویٰ میں مطبوع ہے، بغور ملاحظہ فرمالیں۔

جو لوگ انٹرنیشنل اور آئی-پی-ایل میچ میں شریک ہو کر کرکٹ کھیلتے ہیں وہ بطور اجرت ہوتا ہے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، اور کرکٹ کو عقد اجارہ میں معقود علیہ قرار دینے کے سلسلہ میں محمود الفتاوی میں لکھا ہے کہ "کھیل کر تو آدمی پیٹ بھر نہیں سکتا، اس میں اجارہ ہی کرنا ہوگا، اب وہ کس بات پر اجارہ منعقد کرے گا؟ معقود علیہ مجہول ہے، اس لیے کہ کھلاڑی کے عمل کو ضبط کرنا مشکل ہے، وقت کی تعیین بھی دشوار ہے، اس لیے کہ کبھی مقررہ وقت سے پہلے ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے؛ نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے: ولا لا جل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی (در مختار) (اور گناہ کے کاموں کے لیے اجارہ درست نہیں، مثلاً گانا، نوحہ کرنا اور کھیل) اور اگر مقصود تماشائیوں کی تفریح ہے تو یہ غیر مقدور التسلیم ہے؛ کما عللوا فی عسب التیس (شامی ٥ /٣٨) (گابھن کرانے کی اجرت کے ممنوع ہونے کی جو علت بتلائی گئی ہے) اس لیے اس کو کسب معاش کا ذریعہ قرار دینا شرعاً درست نہیں"۔ (محمود الفتاوی)

اور جس طرح تشبہ بالکفار ممنوع اور ناجائز ہے، اسی طرح تشبہ بالفساق والفجار بھی ممنوع اور ناجائز ہے جو اس میں پایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایک ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں: نمازوں کا قضا کر دینا، اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا، فساق وفجار اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا۔ غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے، کرکٹ کے میچ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا، اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آ چکی ہیں، اور

تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے؛ حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے، وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچہ میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع میں رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومینٹری آ رہی ہو تو اس کے بہت سے شوقین تو اس پر تراویح قربان کر دیتے ہیں، اور جو شوقین مسجد میں آتے ہیں ان کی توجہ اور دھیان بس اسی طرف، تراویح میں تسبیح پڑھنے کے بجائے یہی فکر سوار رہتی ہے کہ میچ کا حال معلوم کیا جائے، ہار جیت پر پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بن جاتی ہے، اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟ (فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۷۷، ۲۷۸)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنے کے جواز اور عدم جواز کے متعلق پوچھا گیا، جس کا انہوں نے تفصیلی جواب دیا ہے اور جواب میں کرکٹ کا بھی حکم بتلا دیا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

ورزش کی دو قسمیں ہیں: (۱) جس کا تعلق براہ راست جہاد سے ہو، اس کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ مقام ایسا منتخب کیا جائے، جس میں جہاد کی مشق کرنے سے گرد ونواح میں کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، خود ورزش کرنے والوں کا خطرہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی مر بھی گیا تو شہید ہوگا۔

② جس کا براہ راست جہاد کی تربیت سے تعلق نہیں، ایسی ورزش تحفظ صحت اور دینی و دنیوی امور میں معین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز؛ بلکہ کسی قدر ضروری ہے؛ مگر اس کے لیے یہ شرائط ہیں:

① شرط مذکور یعنی گرد و نواح میں کسی قسم کے جانی و مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

② خود ورزش کرنے والے کو یا اس کے ساتھ شرکاء میں سے کسی کو کسی قسم کے جسمانی یا مالی نقصان یا ایذا پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

③ اس میں ورزش کے مفہوم پر کھیل کود، لہو ولعب اور تماشا کا پہلو غالب نہ ہو۔

قال رسول الله ﷺ کل شئ یلهو به، الرجل با طل الا رمیه بقوسه وتأدیبه فرسه وملاعبته امرأته فانهن من الحق رواہ الترمذی (مشکوۃ ۲/۳۳۷)

عن سعید بن الجبیر أن قریبا لعبدالله بن المغفل خذف، قال: فنهاه، و قال ان رسول الله ﷺ نهی عن الخذف، و قال انها لا تصید صیدا ولا تنكأ عدوا؛ ولكنها تكسر السن وتفقأ العین، قال: فعاد، فقال: احدثك ان رسول الله ﷺ نهی عنه ثم تخذف لا اکلمك ابدا.

(صحیح مسلم ۲/ ۱۵۲)

## گیند اور فٹ بال:

یہ درج ذیل فسادات کی بنا پر جائز نہیں:

① اس میں کھیل کے شرکاء کو سخت جسمانی نقصان پہنچتا ہے، اس کی بے شمار مثالیں ہیں، بعض کی ٹانگیں ٹوٹنا اور بعض کے پیٹ میں چوٹ لگنے سے بر لب مرگ ہو جانا ہم نے خود دیکھا ہے۔

② قریب سے گذرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے، بعض کی آنکھیں پھوٹنے اور

بعض کے چہرے مسخ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس شیطانی تماشے کے نواح میں شارع عام پر کوئی انسان؛ بلکہ کوئی حیوان بھی اطمینان سے نہیں گذر سکتا۔

③ مالی نقصان، جب یہ کسی عمارت کے قریب کھیلتے ہیں تو کتنے لوگوں کے مکانوں کی کھڑکیاں توڑ دیتے ہیں، اس کے بے شمار واقعات ہیں، دو بار تو ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہو چکا ہے۔

④ بسا اوقات دنگا وفساد: اس شیطانی گولے کے مالی، جسمانی، جانی اور دینی وایمانی نقصانات پوری دنیا میں مسلم، ہر شخص کے مشاہد، بدیہی؛ بلکہ روز روشن کی طرح اجلی البدیہیات سے ہیں، مجھے گوشہ نشینی کے باوجود اس شیطانی حرکت کی جن تباہ کاریوں کا مشاہدہ اور یقینی علم ہے، خیال تھا کہ ان میں سے مثال کے طور پر چشم عبرت کے لیے چند واقعات لکھ دوں؛ مگر اس سے دو امر مانع ہوئے:

① ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اگر انتخاب کروں تو کیسے؟ کیوں کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

② ایسی حقیقت بدیہیہ کی مثالیں لکھنا اس کو نظری یا غیر ظاہر قرار دینے کے مترادف ہے۔

اس مہلک شیطانی گولے کی تباہ کاریاں اللہ کی نافرمانیوں پر عذاب ہے،

﴿ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر لعلهم يرجعون﴾

پھر ایسے عذاب الیم کو بچشم خود دیکھنے؛ بلکہ اپنی جان پر بیتنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ان دشمنوں کو عبرت وہدایت کی توفیق نہ ملنا عذاب پر عذاب۔ ﴿ضعف الحيوة وضعف الممات﴾

نفس وشیطان کے بندوں پر عذاب الٰہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو اپنے دنیوی نفع ونقصان کا بھی ہوش نہیں رہتا۔﴿نسوا اللّٰہ فانسٰهم انفسهم﴾

③ اس میں ورزش کے مفہوم پر تماشے کا مفہوم غالب ہے، اس پر دلائل:

① کسی ورزش کو پوری دنیا میں کوئی کھیل نہیں کہتا، پہلوان ورزشیں کرتے ہیں، ڈاکٹر مختلف امراض کے لیے ورزشیں بتاتے ہیں، کوئی بھی اس کو کھیل نہیں کہتا، گیند اور فٹ بال کو کوئی بھی ورزش نہیں کہتا، کھیل کہتے ہیں۔

② ورزش کو دیکھنے کے لیے دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے، کوئی ایک آدمی چلا گیا تو ایک الگ بات ہے، فٹ بال کو دیکھنے بہت لوگ آتے ہیں، مولوی لوگ بھی آتے ہیں، ایک شخص نے صرف فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لیے نیا ٹی-وی خریدا اور گھر والوں سے یوں جھوٹ بولا اور یوں فریب دیا کہ فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لیے ٹی-وی کے جواز کا میں نے فلاں سے فتوی لیا ہے۔ مجھ پر افتراء باندھا کہ اس نے جواز کا فتوی دیا ہے۔

④ فٹ بال وغیرہ کے مقابلہ کو دیکھنے کے لیے لوگ ٹی-وی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں، کسی ورزش کو دکھانے کے لیے کسی حکومت میں کسی ملک میں کوئی نظم نہیں۔

⑤ ورزش میں کوئی شخص ایسا مگن نہیں ہوتا کہ ضرورت سے زائد کرتا ہی چلا جائے، وقت متعین ہوتا ہے: آدھا گھنٹہ، گھنٹہ، جب وقت گذر جاتا ہے تو پھر اس کا شوق نہیں رہتا۔ اس شیطانی دھندے کا حال یہ ہے کہ اگر شروع کیا تو ہوش نہیں رہتا، کھیلتے ہی چلے جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ ورزش نہیں؛ بلکہ کھیل تماشا ہے۔

(احسن الفتاوی ۸/ ۲۵۸ تا ۲۶۱)

مندرجۂ بالا دونوں تحریریں اپنے وقت کے اکابر اہل فتوی کی ہیں، جن کا شمار اکابر اہل اللہ میں بھی ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں اور اپنا جائزہ لیں، بات دراصل یہ ہے کہ کرکٹ کی محبت ایسی رچ بس گئی ہے کہ اس کو چھوڑنے کے لیے طبائع آمادہ نہیں ہوتیں، اس کو جائز بنانے کے لیے نئی نئی تاویلیں کر کے سوالات کیے جاتے ہیں، جو دراصل اس کھیل کے ساتھ عشق ومحبت کی وجہ سے قلوب میں پیدا شدہ زیغ کا اثر ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس مخمصہ سے امت مسلمہ کو نجات عطا فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## کیرم بورڈ کھیلنے کا حکم

سوال: کیرم بوڈ اسی طرح لوڈو وغیرہ اس قسم کا کھیل جو عام طور سے شرط یا بلاشرط سے کھیلتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کھیل درست نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

## شرط کے ساتھ ہولی بال کھیلنا

سوال: ہولی بال ۱۲/افراد مل کر کھیلتے ہیں، اور اسی طرح شرط لگاتے ہیں کہ جو ہار جائے گا وہ چھ سوڈا لیمن یا میٹھائی منگائے، اور ان کو جیتنے والا اور ہارنے والا سب مل کر کھاتے پیتے ہیں؛ لہٰذا یہ شرط جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی ناجائز ہے، قمار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

# انتفاع بالحرام اور انقلابِ ماہیت

## سینٹ کا استعمال

سوال: آج کل بازار میں جو پرفیومس (سینٹ) ملتا ہے اس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو لگا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آج کل باہر ممالک سے بنے ہوئے مختلف قسم کے پرفیومس سینٹ اور عطر وغیرہ آتے ہیں، ان میں الکحل (Alcohol) یعنی اسپریٹ بھی شامل ہوتا ہے، تو ان کا استعمال جائز ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ الکحل اگر انگور یا کھجور کے شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہے، اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں، اور اگر وہ انگور یا کھجور کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ پاک ہے اور اس کا خارجی استعمال شرعاً جائز ہے، اور آج کل پرفیومس میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ عموماً کھجور یا انگور کی شراب سے بنا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسری مختلف قسم کی چیزیں مثلاً: مکئی، جوار، گندم، بیر، آلو، چاول یا پٹرول وغیرہ سے

بنا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا ایسا پرفیومس شرعاً ناپاک نہیں، اور اس کے لگانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اگر کسی نے ایسا پرفیومس کپڑے پر لگا کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ادا ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ص/ ۵۷، ۵۸)

حكم الكحول المسكرة: فانها ان اتخذت من العنب او التمر فلاسبيل الى حلتها او طهارتها، وان اتخذت من غيرهما فالامر فيها سهل على مذهب ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وان معظم الكحول التى تستعمل اليوم فى الادوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب اوالتمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغيره كما ذكرنا فى باب بيع الخمر من كتاب البيوع وحينئذ هناك فسحة فى الاخذ بقول ابى حنيفة عند عموم البلوىٰ (تكمله فتح الملهم ۳/ ۶۰۸)

بہشتی زیور میں ہے: ''اسپریٹ اگر عنب (انگور) وزبیب (منقیٰ) ورطب (تر کھجور) وتمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف، ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق''۔ (اختری بہشتی زیور ۹/ ۱۰۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے: ''تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپریٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے۔ حضراتِ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر آج کل ضرورتِ تداوی وعمومِ بلویٰ کی رعایت کے پیشِ نظر شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قولِ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کو ترجیح ہوتی ہے، الا لعارض''۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۹۵)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ دار العلوم دیوبند نے بھی اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب دیتے ہوئے آخر میں اس کے استعمال اور خرید وفروخت اور تجارت کی اجازت دی ہے۔ دیکھیے: (فتاوی نظامیہ ۱/ ۴۳۸)

مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ سنگرہ میں اجازت دی ہے۔ دیکھیے: فتاویٰ سنگرہ گجراتی ۲/ ۸۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱/ ۲/ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# جلیٹین پاک ہے یا ناپاک؟ (انقلاب ماہیت کی تفصیل)

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد! الموضوع: طلب فتوى ومعلومات عن مادةالجيلاتين

نحييكم نحن الهيئة الوطنية لتوثيق ا لحلال من أهل السنة والجماعة منضم الى عضويتنا اكثر من عشرين رابطة غذائية على نطاق البلاد، عملنا رسمى يفيد المسلمين فى البلاد، بتوثيقنا للحلال مما يتناوله المسلمون من الطعام.

المشكلة التى تواجهنا الآن تنحصر فى ماد الجيلاتين المستعملة فى الحلويات ومشتقات الألبان حيث مصدرها الحيوانات المذبوحة ذبحا غير اسلامى وعليه نرفع لسماحتكم الأسئلة التالية آملين فى رايكم وارشاداتكم حسب مايريد من راي أهل السنة والجماعة سلمكم الله:

(۱) هل الجيلاتين المشتق من لحم أو عظام الخنزير مسموح باستعماله من جانب المسلمين؟

(۲)هل حلال ذلك الجيلاتين الماخوذمن الأبقار غير المذبوحةعلى الشريعة"مشبور"؟

(۳) هل هناك خلاف بين المذاهب الأربعة فى مسألة مثل الجيلاتين المصنع من ماد حرام؟

(٤) هناك بعض العلماء رأيهم كالآتي: (الف) نظر الحدوث "تبديل الماهيات" أو "انقلاب الحقائق" فان البنود ا لحرام تصبح حلالاً هل هذا الراي مقبولاًمن أي مذاهب الأربعة؟

(ب) هل هناك أية شروط مسبقة لتطبيق الراى أعلاه وهل من الممكن تطبيقه على وجه العموم؟

(ج) بعض العلماء يقرون أن السبب الحقيقي فى تطبيق هذا المبدأ هو ورطة أو حالة العامة الاصطلاح الا نجليزي لها هوPUBLIC PREDICAMENT وليس الطهار بمعنى أنه لو لم يوجد ظرف "حالة العامة" هذا فان الأمر يصبح غير مقبول فى هذه الحالة.

(٥) هل هناك تفسير من جانبكم أو تعريف لما يوصف بحالة أو ورطة العامة؟

وختاماً نتقدم بتحيتنا وتقديرنا سائلين الله تعالىٰ بقائكم والاخوة زملائكم العلماء فخرا للاسلام والمسلمين والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

أخوكم في الله:الشيخ /محمد سعيد نافلاخى

هيئةالتوثيق الوطنية على الحلال ①

① ترجمہ: موضوع: جلیٹین (GILLETINE) سے متعلق معلومات اور فتویٰ طلب کرنا ہے۔

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

**آپ کا سوال عربی میں ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ میں بھی عربی میں جواب تحریر**

---

بعد سلام مسنون ہم اہل سنت والجماعت کی ایک کمیٹی ہے، جو "الهيئة الوطنية لتوثيق الحلال" کے نام سے موسوم ہے، ملکی پیمانہ پر ۲۰ سے زائد غذائی تنظیموں کی ہماری کمیٹی میں رکنیت ہے، ہم کچھ مطعومات کی "الحلال" کہہ کر توثیق کرتے ہیں اور ہمارا یہ عمل سرکاری اور رسمی ہوتا ہے، جس سے ملک کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ابھی فی الحال کے gilletine کے بارے میں مشکل درپیش ہے، جس کو میٹھی اور دودھ سے بنی ہوئی چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے چوں کہ gilletine کا ماخذ وہ جانور ہیں جنھیں غیر اسلامی طریقہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔

لہٰذا آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق اپنی رائے اور ارشادات سے نوازیں گے۔

① جو gilletine خنزیر کے گوشت یا ہڈیوں سے بنایا گیا ہو اس کے استعمال کرنے کی مسلمانوں کو گنجائش ہے؟

② کیا غیر شرعی مذبوحہ گایوں سے بنایا ہوا gilletine حلال ہے یا مشبوہ یعنی مشکوک؟

③ کیا حرام مادہ سے بنے ہوئے gilletine کے بارے میں مذاہب اربعہ میں کسی امام کا کچھ اختلاف ہے؟

④ یہاں کچھ علماء کی آراء حسب ذیل ہیں:

(الف) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تبدیلِ ماہیات یا انقلاب حقائق والے قانون سے حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے، کیا یہ رائے مذاہب اربعہ میں کسی امام کے یہاں مقبول ہے؟

(ب) کیا مذکورہ رائے پر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط کا پہلے پایا جانا ضروری ہے؟ یا علی وجہ العموم اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟

(ج) بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ قانون پر عمل کرنے کے لیے سبب حقیقی عموم بلویٰ ہے جسے انگریزی اصطلاح میں PUBLIC PRADICAMENT کہتے ہیں؛ لہٰذا جس صورت میں حالة العامة یا عموم بلویٰ نہ پایا جائے وہاں انقلاب حقائق سے حلت کی رائے غیر مقبول ہوگی۔

⑤ کیا آپ بھی ورطۃ العامہ اور عموم بلویٰ کی تعریف کر کے اس سلسلہ میں کچھ وضاحت فرمائیں گے؟

اخیر میں باری تعالیٰ سے آپ کی بقاء کا سوال کرتے ہوئے ہم اور ہمارے علماء بھائی سلام پیش کرتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ فقط والسلام　　آپ کا بھائی: شیخ محمد سعید نافلاخی

کرتا لیکن عادت نہ ہونے کی وجہ سے میرے لیے اردو میں جواب دینا زیادہ آسان ہے؛ چناں چہ اردو میں ہی جواب لکھ رہا ہوں۔

پہلے ایک بات اصولی طور پر پیش کرتا ہوں: مطہرات یعنی جن چیزوں اور طریقوں سے ناپاک چیز کو پاک کیا جاتا ہے، ان میں بعض تو متفق علیہ ہیں، مثلاً: پانی، اور بعض مختلف فیہ ہیں، یعنی اس کے مطہر ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اسی قبیل سے انقلابِ عین یا انقلابِ ماہیت ہے، حنفیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انقلاب حقیقت اور استحالۂ عین سے نجاست وطہارت کا حکم بدل جاتا ہے، جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں بدلتا۔

بدائع الصنائع میں ہے: ان النجاسة اذا تغيرت بمضى الزمان او تبدلت اوصافها تصير شيئا آخر عند محمد فيكون طاهرا، وعند ابى يوسف لا يصير شيئا آخر فيكون نجسا وعلى هذا الاصل مسائل بينهما منها: الكلب اذا وقع فى الملاحة والجمد والعذرة اذا احرقت بالنار وصارت رمادا، و طين البالوعة اذا جف و ذهب اثره والنجاسة اذا دفنت فى الارض و ذهب اثرها بمرور الزمان، وجه قول ابى يوسف ان اجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت طهارة مع بقاء العين النجسة والقياس فى الخمراذا تخلل ان لا يطهرلكن عرفناه نصا بخلاف القياس بخلاف جلد الميتة فان عين الجلدطاهروانماالنجس ماعليه من الرطوبات وانها تزول بالدباغ، وجه قول محمد ان النجاسة لما استحالت او تبدلت اوصافها ومعانيهاخرجت عن كونها نجاسة لانها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر اذا تخللت. (بدائع ۸۵/۱)

شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں:

(قوله لانقلاب العين) علة للكل وهذا قول محمد وذكر معه فى الذخيرة والمحيط ابا حنيفة حلية قال فى الفتح وكثير من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف نجاسة على تلك الحقيقة وتنتفى الحقيقة بانتفاع بعض الاجزاء مفهومها فكيف بالكل، فان الملح غير العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره فى الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهى نجسة وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمرا فينجس ويصير خلا فيطهر فعرفناان استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليهااھ (شامی ۲۳۹/۱)

اس مسئلہ میں فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے؛ البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک بحث وتحقیق فرمائی ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مشائخ نے جو فتوی دیا ہے اس کی علت عموم بلویٰ ہے؛ چناں چہ اس سلسلہ میں انھوں نے مجتبیٰ کی یہ عبارت نقل فرمائی:

وعبارة المجتبى جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند محمد وبه يفتى للبلوىٰ اھ (شامی ۲۳۱/۱)

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان العلة عند محمد هى التغير و انقلاب الحقيقة وانه يفتى به للبلوى كما علم مما مر و مقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون فيدخل فيه كل ماكان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه

بلویٰ عامة فيقال كذلك فی الدبس المطبوخ اذا كان زبيبه متنجسا ولاسيما ان الفار يدخله فيبول ويبعر فيه وقد يموت فيه الخ (شامی ۱/۲۳۱)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علتِ طہارت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انقلابِ ماہیت ہے، اور اس پر فتویٰ عموم بلویٰ کی وجہ سے دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم (ناپاک تیل سے بنائے گئے صابون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام صورتیں (چیزیں) داخل ہیں جن میں انقلابِ ماہیت ہوا ہو اور عموم بلویٰ بھی ہو۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث وتحقیق کا مطلب یہ ہوا کہ اگر انقلاب ماہیت تو ہے لیکن عموم بلویٰ نہیں ہے، تو وہاں حکمِ طہارت جاری نہیں ہوگا، اسی چیز کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:

''اب غور طلب امر یہ ہے کہ کیا انقلاب عین طہارت کی علت ہے یا عموم بلویٰ، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا فیصلہ فرمایا ہے کہ اصل علت عموم بلویٰ ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے قول والا لزم نجاسة خبز فی سائر الامصار پر تحریر فرمایا ہے:

وظاهره ان العلة الضرورة وصريح الدرر وغيرها ان العلة هی انقلاب العين كمايأتی لكن قدمناعن المجتبی ان العلةهذه وان الفتوىٰ علی هذا القول للبلوىٰ فمفاده ان عموم البلوىٰ علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين الخ''۔ (فتاویٰ خلیلیہ فتاویٰ مظاہر العلوم ۱/۱۱، شامی رشیدیہ ۱/۲۳۹)

لیکن اس کا مطلب کوئی آدمی یہ نہ نکالے کہ جہاں صرف عموم بلویٰ ہو لیکن انقلاب ماہیت نہ ہو پھر بھی حکم طہارت جاری ہوگا، اس لیے کہ اصولِ افتاء میں یہ بات مسلم ہے کہ عموم بلویٰ کسی ایسے قول کے لیے جو ائمہ مذہب سے منقول ہو وجہ ترجیح

وتصحیح بن سکتا ہے لیکن جو بات ائمۂ مذہب سے منقول ہی نہ ہو، اس کو گھڑنے کی عموم بلویٰ کی وجہ سے اجازت نہیں ہے، اس تفصیل سے آپ کے چوتھے سوال میں علماء کے دو گروہ کے دو نظریے پیش کر کے جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان کا حل بھی نکل آیا۔

استحالۂ عین کی وجہ سے نجاست پر طہارت کا حکم لگانے میں جتنی وسعت حنفیہ کے یہاں ہے، دیگر مذاہب فقہیہ میں نہیں ہے۔ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' کی عبارت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے:

الاستحالة: اى تحول العين النجسة بنفسها او بواسطة كصيرورة دم الغزال مسكا، وكالخمر اذا تخللت بنفسها، اوبتخليلها بواسطة، والميتة اذا صارت ملحا، او الكلب اذا وقع فى ملاحة، والروث اذا صار بالاحراق رمادا، والزيت المتنجس بجعله صابونا، وطين البالوعة اذا جف وذهب اثره، والنجاسة اذا دفنت فى الارض وذهب اثرها بمرور الزمان، وهذا عمل بقول الامام محمد خلافا لابى يوسف، لان النجاسة اذا استحالت وتبدلت اوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة، لانها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر اذا تخللت باتفاق المذاهب.

وتطهر الخمر ودنّها (وعاؤها) اذا تخللت بنفسها او بنقلها من ظل الى شمس او بالعكس عند غير الحنفية؛ لان نجاستها بسبب شدتها المسكرة قد زالت، من غير نجاسة خلفتها، كما تطهر الخمر اذا خللت عند المالكية، ولا تطهر عند الشافعية والحنابلة بتخليلها بالعلاج كالبصل والخبز الحار، لان الشی ء المطروح يتنجس بملاقاتها اما غير ذلك فهو نجس، فلا تطهر نجاسة باستحالة ولا بنار، فرماد الروث

النجس: نجس، والصابون المعمول من زيت نجس، ودخان النجاسة وغبارها نجس، وما تصاعد من بخار ماء نجس الى جسم صقيل او غيره نجس، والتراب المجبول بروث حمار او بغل ونحوه مما لا يؤكل لحمه نجس ولو احترق كالخزف، ولو وقع كلب فى ملّاحة فصار ملحا، او فى صبانة فصار صابونا فهو نجس؛ لكن استثنى المالكية على المشهور رماد النجس ودخانه، فقالوا بطهارته على المعتمدة.

وقيد الحنابلة طهار الخمر بنقلها من مكان لآخر بحالة غير قصد التخليل، فان قصد تخليلها بنقلها لم تطهر لانه يحرم تخليلها فلاتترتب عليه الطهارة وقال الشافعية: لا يطهر شيء من النجاسات بالاستحالة الا ثلاثة اشياء: الخمر مع انائها اذا صارت خلا بنفسها، والجلد (غير جلد الكلب والخنزير) المتنجس بالموت يطهر ظاهره وباطنه بالدبغ، وما صار حيوانا كالميتة اذا صارت دودا لحدوث الحياة (۱/ ۱۰۱،۱۰۰)

انقلاب حقیقت سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجۂ ذیل تحریر مفید ہے:

انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے، جیسے: شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ، کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقت میں متبدل ہو گئے، حقیقت بدل جانے کا حکم اس وقت دیا جا سکتا ہے کہ حقیقتِ اُولیٰ منقلبہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں، جیسا کہ امثلۂ مذکورہ میں پایا

جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہو جانا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجبِ انقلاب نہیں، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکائی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے، یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب مل جائے تو پانی ناپاک ہے؛ حالاں کہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن چوں کہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لیے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چوں کہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے زیادہ اس لیے وہ روٹی میں محسوس نہیں ہوئے، پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب، اسی طرح حقیقتِ منقلبہ کی بعض کیفیاتِ غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں، جیسے: شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے کیوں کہ رقت حقیقتِ خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقتِ دھنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ پس انقلابِ عین کی وجہ سے تبدیل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے، کیوں کہ بسا اوقات انقلاب و اختلاط میں اشتباہ پیش آ جاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۸۴)

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش کرتا ہوں۔

① اگر کیمیاوی عمل کے نتیجہ میں اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، بایں طور کہ مکمل طور پر انقلابِ حقیقت ہو جاتا ہے تو اس کا استعمال درست ہے، ورنہ نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

ان كان العنصر المستخلص من الخنزير تستحيل ماهيته بعملية كيمياوية بحيث تنقلب حقيقته تماما، زالت حرمته ونجاسته، وان لم تنقلب حقيقته بقى على حرمته ونجاسته، لان انقلاب الحقيقة مؤثر فى زوال الطهار والحرمة عند الحنفية (بحوث فى قضايافقهيه معاصر: ٣٤١)

(٢) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ایک میں گذرا۔

(٣) جواب کے شروع میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

(٤) الف، ب، ج، اس کی تفصیل بھی شروع میں آچکی ہے۔

(٥) عموم بلویٰ کی مراد سمجھنے کے لیے عبارتِ ذیل مفید ہوگی۔

يراد بقول الفقهاء "ما تعم به البلوىٰ" تلك الامور التى يتعذر او يتعسر التحرز منها بحيث يصعب على المرأ التخلص او الابتعاد عنه، وهذا السبب من اسباب التخفيف مظهر واضح من مظاهر التسامح واليسر فى الاحكام الشرعية خصوصا فى العبادات، والطهارات من النجاسات، وله امثلة كثيرة:

فيقال مثلاً لطين الشارع ممّا تعم به البلوىٰ، او المياه التى قد تنزل من الميازيب امورا تعم بها البلوىٰ، او سقوط زرق الطيور او العصافير او بول مثلها على الثياب حين تنشر او تعم على المساجد ومطاف الكعبة المشرفة وآثار النجاسة عسر زوالها وغبار الشوارع ودخان النجاسة ونحو ذلك.

وكخلاصته وعموم البلوىٰ يظهر فى موضعين:

الاول: مسيس الحاجة فى عموم الاحوال بحيث يعسر الاستفناد عنه الا بمشقة زائدة.

الثانی: شیوع الوقوع والتلبس بحیث یعسر علی المکلف الاحتراز عنه او الانفکاف منه الا بمشقة زائد، ففی الموضع الاول ابتلاء بمسیس الحاجة، وفی الموضع الثانی ابتلاء بمشقة الدفع.

الدلائل لاستنباط احکام عموم البلویٰ:

ویستنبط ا حکام عموم البلویٰ من الاحادیث وآثار الصحابة واقوال التابعین کما هي مصرحة فی کتب الفقه واصوله

منها: کما جاء ان رسول الله ﷺ قال فی الهرة: "انها لیست بنجس انها من الطوافین علیکم والطوافات". رواه الخمسة، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح، ووصفها بالطوافین والطوافات للدلالة علی کثرة الابتلاء بها۔

ومنها: عن عمر قال: کانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر زمان رسول الله ﷺ فی المسجد، فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلك اخرجه البخاری، وابوداؤد والترمذی

ومنها: خرج عمر بن الخطاب وعمرو بن العاص فی رکب حتی وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض: یا صاحب الحوض! هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر بن الخطاب: یا صاحب الحوض! لاتخبرنا فانا نرد علی السباع وترد علینا کما فی المنتقیٰ شرح المؤطا للباجی (٦٢/١)

وفیه ان ورودها لم یعتبر، لان مالایمکن الاحتراز عنه فمعفو عنه.

فبعد ملاحظة تلك النصوص والآثار وامثالها ممّا یتعلق بتقریر اصل عموم البلویٰ یقرر ان الامر اذا عمت به البلویٰ فان للشارع

فيه نظرا يبتنى على شدة الحاجة اليه او مشقة التحرز منه، ومن هنا قالوا: "ان عمت بليته خفت قضيته" و "ان الامر اذا ضاق اتسع" كما فى الاشباه والنظائر لابن نجيم (۱۱۷/۱)

القاعدة الرابعة: وليتنبه ههنا ان عموم البلوىٰ يعتبر فيما لا نص له واما فى موضع النص فلا اعتبار له كما فى بول الآدمى، فان البلوىٰ فيه اعم ولكن لا اعتبار له فيه (المصباح فى رسم المفتى ۲/ ۲۴،۲۳،۲۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

# پرفیوم (الکحل) کا استعمال

**سوال**: پرفیوم-جس میں الکحل ہو- کا استعمال بدن کپڑے وغیرہ پر ہوتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسپرٹ اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے، اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہے تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پاک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور نہیں استعمال کی جاتی؛ لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے الخ۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۹۵)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں: اب الکحل سائنٹیفک طریقہ سے بننے لگی ہے کہ وہ شراب نہیں رہتی؛ بلکہ سرکہ (خل) کے حکم میں ہو جاتی ہے،

اس لیے جب تک دلائل شرعیہ سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے اس وقت تک اس کے ناپاک وحرام ہونے کا اور اس کے دوا میں استعمال کی ممانعت یا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے، اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے ہیں؛ البتہ تقوی الگ بات ہوگی، اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا نہ کہ فتوی۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۳۹۶)

اگر پرفیوم میں ملانے کے بعد الکحل کی حقیقت وماہیت باقی نہیں رہتی؛ بلکہ ختم ہوجاتی ہے تو اس صورت میں تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس کا استعمال جائز ہے؛ اس لیے کہ شراب جب سرکہ میں تبدیل ہوجائے اس وقت تمام ائمہ کے نزدیک حقیقت وماہیت کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے۔ (ماخوذ از فقہی مقالات ۱/ ۲۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# اسپرٹ کا استعمال

سوال: آج کل جو سینٹ الکحل کی ملاوٹ کا چل رہا ہے وہ خوشبو کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اسپرٹ ناپاک ہے، تو وہ سینٹ جس میں یہ اسپرٹ ہو وہ بھی ناپاک ہے اور اس کا استعمال ممنوع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# الکحل کا استعمال

سوال: الکحل کا استعمال اسپرے میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

الکحل اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہے تو بالاتفاق ناپاک ہے، اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخین کے نزدیک پاک اور امام محمد کے نزدیک ناپاک ہے، اگر پہلی قسم سے ہے تو اس کا استعمال اسپرے میں جائز نہیں ہے، اور اگر دوسری قسم سے ہے تو گنجائش ہے؛ مگر احتیاط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# گوبر گیس کا استعمال

سوال: انسانوں اور جانوروں کے بیت الخلا کی بھاپ سے گیس تیار کر کے کھانا بنانا یا لائٹ، پنکھے، کولر، فریج وغیرہ کے استعمال میں لانا کیسا ہے؟ اگر صرف انسانوں کے بیت الخلا یا صرف جانور کے بیت الخلا یا دونوں کے مجموعہ سے تیار کر کے استعمال میں لایا جائے تو ان تینوں صورتوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

گیس بن جانے میں ماہیت بدل جاتی ہے، اور جب کہ اوپلے (چھانے) سے گوبر کی صورت میں جلا کر کھانا پکایا جاتا ہے تو اس میں (گیس میں) نادرست ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور فقہاء کا انسانی پیٹ سے نکلنے والی ہوا (گیس) کو پاک کہنا

اس گیس کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے: وإنما قيدناه من (نجس)لأن الريح طاهر على الصحيح، والا ستنجاء منه بدعة (مراقی الفلاح مع طحطاوی: ۲۵)(فتاوی رحیمیہ ۶/۳۳۶)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سینٹ کا استعمال

سوال: اسپریٹ جو انجکشن لگانے سے پہلے لگائی جاتی ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس میں شراب کا حصہ ہوتا ہے اور سینٹ بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو کپڑوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ نشہ کے طور پر پیتے ہیں اور سینٹ بنانے کے لیے جو استعمال ہوتا ہے اس میں شراب کا حصہ جتنا ہوتا ہے، اتنا اعلیٰ سینٹ تیار ہوتا ہے اور دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تو اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور سینٹ بنا کر فروخت کرنا کیسا ہے اور کپڑوں پر لگانا کیسا ہے؟

اسپریٹ کی دوسری قسم جس کا نام جَیسُوْل ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس میں شراب کا حصہ نہیں ہوتا ہے اور ڈاکٹر اس کو کم استعمال کرتے ہیں اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کم ہوتا ہے اور وہ کیمیکل سے بنایا جاتا ہے اور اس سے بھی سینٹ بنایا جاتا ہے، جو کم دام سے فروخت کیا جاتا ہے، تو اس کا فروخت کرنا اور خریدنا اور سینٹ بنا کر فروخت کرنا اور کپڑوں پر لگانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسپریٹ اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو، تو بالاتفاق نجس ہے اور ان

کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو، تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پاک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپریٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے، حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اگرچہ فساد زمان کی حکمت کی بنا پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے؛ مگر آج کل ضرورت تداوی اور عموم بلویٰ کی رعایت کے پیشِ نظر شیخین کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخینِ کو ترجیح ہوتی ہے، الا العارض۔ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۵)

سینٹ میں جب تک ناپاکی کا یقین یا ظن غالب نہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے، اور یقین یا ظنِ غالب ناپاکی کا ہو جائے، تو جائز نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

## کولگیٹ وغیرہ میں حرام چربی کی آمیزش

سوال: کیا کولگیٹ، (Colget) لائف بائے صابن، چائنا گھاس، جیلی: کیا اس کا استعمال کر سکتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس میں کسی جنگلی جانور کی چربی کا استعمال ہوتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مذکورہ اشیاء میں جنگلی جانور کی چربی کی ملاوٹ کا مجھے علم نہیں ہے، اگر شرعی طریقہ سے ان اشیاء میں جنگلی جانور کی چربی کی ملاوٹ ثابت ہو جائے اور وہ جانور حرام ہے

یا حلال ہے؛ لیکن غیر مذبوحہ ہے، تو اس صورت میں ان کا استعمال جائز نہ ہوگا؛ لیکن بلا تحقیق حرام کہنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کولگیٹ میں خنزیر کی چربی کی آمیزش

(سوال): کثرت سے سننے میں آتا ہے، کولگیٹ میں خنزیر کی چربی کا استعمال ہوتا ہے، تو اس کا استعمال جائز ہے کہ نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے سننے میں تو ایسی کوئی بات نہیں آئی، باقی اگر کسی کو اس میں خنزیر کی چربی ڈالے جانے کا یقین یا ظن غالب ہو، تو اس کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

## مردار جانور کے بال، ہڈی وغیرہ پاک اور حلال ہیں یا نہیں؟

(سوال): میتہ کے وہ اجزاء جو پاک ہوتے ہیں جیسے بال، ہڈی، جلد مدبوغ وغیرہ وہ حلال ہوتے ہیں یا نہیں اور اس میں مأکول اللحم اور غیر مأکول اللحم کا فرق ہے یا نہیں؟

یہ تو اصل سوال ہے لیکن اس کا پس منظر بھی بتا دیتا ہوں، وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اور فقہاء کے کلام سے جو میں سمجھا ہوں وہ یہ کہ طاہر ہونا الگ ہے اور حلال للأکل ہونا الگ ہے۔ مذبوحہ جانور کے بال وغیرہ پاک بھی ہیں اور حلال بھی۔ میتہ

مأکول اللحم کے اس قسم کے اجزاء جن میں حیات حلول نہیں کرتی وہ پاک ہیں؛ لیکن حنفیہ کے راجح قول کی بنا پر حلال نہیں ہے، غیر مأکول اللحم کے اجزاء بالاتفاق حرام ہیں؛ اگرچہ وہ بھی پاک ہیں۔ اس مسئلہ میں جلد مدبوغ کے بارے میں صریح جزئیہ شامی، البحر الرائق اور مجموعۃ الفتاوی میں ملا؛ لیکن بال اور ہڈی کے بارے میں نہیں ملا، میرا خیال یہی تھا کہ بال وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔

لیکن تردد کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مفتی صاحب (جنوبی افریقہ والے) نے یہ فتوی دیا ہے۔ ''میتہ کے بال، ہڈی اور ان سے بننے والی تمام اشیاء حلال ہیں''۔ میں نے ان کی خدمت میں البحر الرائق والی یہ عبارت پیش کی۔ واذا کان جلد مالا یؤکل کالحمار فإنه لا یجوز أکله إجماعاً. (بحر ۱/ ۱۰۴)

اور یہ بھی سوال پوچھا کہ کتے کے بال اور ہڈی کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو جواب میں یہی فرمایا: کتے کے بال اور ہڈی بھی پاک اور حلال ہے۔ اور طہارت کے بارے میں جو عبارات کتبِ فقہ میں ہیں وہ تحریر فرمائیں، لیکن مجھے تسلی نہیں ہوئی اس لیے آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

اصل سوال اور جواب چوں کہ انگریزی میں تھا اس لیے اس کا مفہوم نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، نیز میرا مقصد اپنی اصلاح ہے، اگر آپ کا جواب میرے موافق رہا تب بھی میرا ارادہ ان کی خدمت میں ارسال کرنے کا نہیں ہے اِلّا یہ کہ آپ کا حکم یا مشورہ ہو۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مردار کے بال ہڈیاں، کھر اور سینگ پاک ہیں یعنی ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے؛ لیکن ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں، پاک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا

کھانا بھی جائز ہو، فقہاء نے ضابطہ تحریر فرمایا ہے: ہر نجس چیز حرام ہے؛ لیکن ہر حرام چیز نجس نہیں، مثلاً گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے؛ لیکن گدھے پر سوار ہونا، اس پر سامان لادنا وغیرہ جائز ہے، اسی طرح مٹی کا کھانا حرام ہے؛ مگر اس کا استعمال تعمیرات وغیرہ میں جائز ہے اور مٹی پاک بھی ہے۔

''سعایہ'' میں ہے: قد اجتمعت الأمة المحمدية على ان كل نجس فهو حرام كذا قرره الرازى فى تفسيره وغيره من المفسرين، واما انه ليس كل حرام نجساً فلأن كثيراً من الأشياء حرام أكلها فى الشرع ولم يحكم بنجاستها كالحمار فإن أكله حرام لأحاديث وردت بذلك وليس بنجس وإلا احرم استعماله والركوب عليه مع ان النبى ﷺ واصحابه ركبوا عليه كما هو فى الأخبار مأثور وفى كتب السير مبسوط، و قال فى الهداية فى باب الماء الذى يجوز به الوضوء وما لا يجوز به: الحرمة ليست من ضرورتها النجاسة كالطين الخ (سعاية ١/٢٢٦)

حدیث شریف سے بھی مردار کے اجزاء کے کھانے کی حرمت ثابت ہے۔

عن عبدالله بن عباس قال تصدق على مولا لميمونة بشاة فماتت فمر بها رسول الله ﷺ فقال: هلا اخذتم اهابها فدبغتموه فانتفعتم به، فقالوا: انها ميتة، فقال: انما حرم اكلها. متفق عليه

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کی ہوئی ایک لونڈی کو کسی نے ایک بکری خیرات میں دی تھی اور وہ مرگئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اس پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں نہیں لے لیا کہ پھر اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ

اٹھاتے (یہ سن کر) صحابہ بولے: وہ تو مردار ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مردار کا صرف کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کی جو چیزیں اس کے ذبیحہ کی صورت میں کھائی جاتی ہیں اور جن کا کھانا حلال ہے وہ تو اس کے بغیر ذبح مرجانے (مردار) کی صورت میں حرام ہو جاتی ہیں؛ لیکن ان کے علاوہ دوسری باقی چیزیں جیسے دباغت دیا ہوا چمڑا، دانت، بال، سینگ اور ہڈیاں وغیرہ ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، ان کی خرید و فروخت بھی کی جاسکتی ہے اور ان کو کام میں بھی لایا جاسکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ۱/ ۴۵۵)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ کے حوالہ سے صاف لکھا ہے کہ مردار کے بال، دانت، سینگ وغیرہ سے کھانے کے علاوہ دیگر منافع حاصل کر سکتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے:

فی شرح السنة فیه دلیل لمن ذهب الی أن ما عدا المأکول غیر محرم الانتفاع کالشعر والسنة والقرن ونحوه. (مرقاة المفاتیح ۱/ ۷۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مردار کے بال، ہڈی، دباغت دی ہوئی کھال وغیرہ کھانا جائز نہیں، مردار ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم عدم جواز میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مردار بکری کا ذکر ہے، بکری ماکول اللحم کے قبیل سے ہے اس کے باوجود اس کے مذکورہ اعضاء کو کھانا جائز نہیں جیسا کہ مرقاۃ کی عبارت میں مصرح ہے، تو اسی سے غیر ماکول اللحم جانور کے اعضاء کا حکم معلوم ہو گیا کہ اس کے بھی یہ اجزاء کھانا جائز نہیں۔

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: مردہ حیوان کی کھال کھانا کیسا ہے؟ اور یہ جو متعارف ہے کہ بکری کا سر مع کھال کے بھونتے ہیں اور اس کا شوربا کھاتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مردہ جانور کی کھال کھانا اگرچہ مدبوغ ہو اور درندوں کی کھال اگرچہ مذبوح ہو جائز نہیں ہے؛ لیکن مذبوح بکری کی کھال کا کھانا جائز ہے، زیلعی میں ہے:

جاز بیع لحوم السباع و شحومها و جلودها بعد الذکاة کجلود المیتة بعد الدباغ حتی یجوز بیعها و الانتفاع بها غیر الاکل لطهارتها بالذکاة

درندوں کا گوشت، چربی اور کھال ذبح کرنے کے بعد بیچنا درست ہے، جس طرح مردے کی کھال کو دباغت کے بعد؛ حتی کہ اس کی بیع اور اس کے کھانے کے سوا دوسری قسم کے منافع حاصل کرنا درست ہے، کیوں کہ وہ ذبح کرنے سے طاہر ہو جاتا ہے۔

اور منح الغفار میں ہے: ویباع جلد المیتة و ینتفع به لطهارته بعد الدبغ بغیر الاکل؛ فانه لا یجوز اکله؛ وان کان طاهراً قال فی السراج الوهاج: مسألة جلد المیتة بعد الدباغ هل یجوز اکله اذا کان من حیوان ماکول اللحم؟ قال: بعضهم نعم! لانه طاهر کجلد الشاة المذکاة، و قال بعضهم: لا یجوز اکله و هو الصحیح.

مردے کی کھال بیچی جا سکتی ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ وہ دباغت کے بعد طاہر ہے؛ البتہ اس کو کھانا درست نہیں ہے۔ سراج وہاج میں ہے: مسئلہ: مردہ کی کھال کا دباغت کے بعد کھانا درست ہے یا نہیں جب کہ مردہ حیوانات ماکولات اللحم سے ہو؟ بعضوں کے نزدیک درست ہے کیوں کہ وہ طاہر ہے ذبح کی

ہوئی بکری کی کھال کی طرح، اور بعضوں کے نزدیک درست نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

اور ہدایہ میں ہے: ثم ما یمنع النتن و الفساد فھو دباغ وان کانت تشمیساً او تتریباً جو چیز بدبودار اور خراب نہ ہونے دے وہی دباغت ہے چاہے دھوپ میں رکھ کر ہو یا مٹی مل کر۔ (مجموعۃ الفتاوی ۲/۳۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## کولگیٹ کا استعمال جائز ہے؟

سوال: کولگیٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ قول فیصل کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کے اجزائے ترکیبیہ کیا ہیں؟ اس پر اس کے استعمال کے جواز وعدم جواز کا مدار ہے، اس کے اجزائے ترکیبیہ کے سلسلہ میں ہمارے پاس مستند ذریعہ سے حاصل شدہ معلومات نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ شعبان ۱۴۱۶ھ

## لکس صابون کا استعمال کرنا

سوال: انڈیا کا لکس صابون استعمال کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہمیں تحقیق نہیں ہے کہ لکس صابون کن اجزا سے تیار ہوتا ہے؟ آپ اس کے

اجزاء ترکیبیہ کی تفصیل وتحقیق پیش فرما کر مکرر دریافت فرمالیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## پرفیوم کا حکم

سوال: بندے کو اسپرے (پرفیوم) کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ بندہ جو اسپرے لگاتا ہے اس کی خوشبو تقریباً ایک دو دن رہتی ہے، اور بندہ جو جو اسپرے لگاتا ہے اس کے نام یہ ہے: ھَیوک، لومین،، ون مین شو، فال، ریکسونا، لہٰذا بندہ کے لیے اسپرے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ جو اسپرے استعمال کرتے ہیں اس میں اگر ایسا الکحل ملایا جاتا ہے جو خمورِ اربعہ سے بنا ہے تو اس کو استعمال کرنا درست نہیں، ورنہ گنجائش ہے۔(از منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۳۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## اجزائے خنزیر سے تیار شدہ انجکشن کا حکم

سوال: یہاں برطانیہ میں سرکاری سرجری میں چھوٹے بچوں کو حفظِ ماتقدم کے طور پر کہ بچوں کی مستقبل میں ہاتھ، پیر کی معذوری، اپاہج وغیرہ ہونے سے حفاظت رہے ''ویکسن'' نامی انجکشن دیا جاتا ہے، وہ انجکشن جن جن چیزوں سے تیار کیا جاتا

ہے اس میں سوّر کے اجزا بھی ڈالے جاتے ہیں؛ مگر مسلمان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ: ان تمام اجزا کو آگ پر اتنا پکایا جاتا ہے کہ سوّر کے اجزا یا تو بالکل ختم ہو جاتے ہیں، یا تھوڑا سا حصّہ باقی رہتا ہے تو کیا اس طرح کا تیار شدہ انجکشن مسلمان بچوں کو لگانے کی شرعاً اجازت ہے؟ اگر سوّر کے اجزا کی ماہیت بالکل تبدیل ہو چکی ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اگر سوّر کے اجزا کچھ باقی رہتے ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوّر نجس العین ہے اس کے کسی بھی جز کا استعمال جائز نہیں، صورتِ مسئولہ میں اس انجکشن میں اگر سوّر کے اجزا شامل کیے جاتے ہیں اور اس کی ماہیت بدل جاتی ہے تو استعمال کی اجازت ہوگی؛ لیکن جب تک ماہیت کی تبدیلی کا یقین نہ ہو وہاں تک استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

## حرام اشیاء سے بنے ہوئے صابون کا حکم

سوال: خنزیر کی چربی یا شراب کسی چیز کے بنانے میں استعمال ہوتا ہو جیسے صابون وغیرہ اور بننے کے بعد ان دونوں کی شکل بدل جاتی ہو تو کیا وہ بنی ہوئی شی پاک ہو جائے گی یا بننے کے بعد بھی ناپاک رہے گی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صابون میں اگر خنزیر کی چربی استعمال کی گئی ہو تو کیا وہ صابن پاک ہے؟ اور اس

کا استعمال درست ہے؟ یہ مسئلہ خود ہمارے اکابر کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو ناپاک ہی قرار دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتاوی مظاہر العلوم ۱/ ۹ تا ۲۲)۔ شراب اگر سرکہ سے بدل جائے تو وہ سرکہ پاک ہے، اور اس کا استعمال درست ہے۔

"ومنها الاستحالة: تخلل الخمر فی خابیة جدیدة طهرت بالاتفاق" (عالمگیری ۱/ ٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# سرکاری چوری یا عوامی خیانت سے متعلق مسائل

## بجلی چوری کرنے کے مختلف حیلے اور ان کا حکم شرعی

**سوال:** بجلی (الیکٹرک) آج گویا انسانی زندگی کا جزء لاینفک بن گئی ہے، اور انسانی ضروریات کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے جدا ہو کر رہنا ممکن نہیں، حکومت یا حکومت کی ماتحتی میں کام کرنے والی کمپنیاں بجلی بناتی؛ نیز اسے دوسری جگہوں پر بھیجتی ہیں، بجلی حاصل کرنے کے لیے ضروری دستاویز کے ساتھ درخواست دینی پڑتی ہے، اور بجلی کمپنی اپنے مقرر کردہ اصول ڈپازٹ، لائن فیس، وغیرہ وصول کر کے متعین شروط منوا کر گاہک کو بجلی کا کنکشن دے دیتی ہے، بجلی کے استعمال کے حساب کے لیے میٹر

لگایا جاتا ہے گھر کے استعمال، کسی کاروبار میں استعمال اور عام استعمال کرنے میں باعتبار یونٹ کے مقاصد کے مختلف ہونے سے الگ الگ قیمت ہوتی ہے۔

بہت سے گاہک بجلی کے بڑے بل سے بچنے کے لیے بجلی چوری کی مختلف صورتیں اپناتے ہیں، بجلی کی چوری قانوناً جرم شمار ہوتا ہے، اور اگر کوئی اس جرم میں گرفتار ہوتا ہے تو اس سے ایک بڑی رقم جرمانہ کے طور پر لی جاتی ہے، اور اگر بجلی کا چوری ہونا یقیناً معلوم ہو جائے تو بجلی کمپنی مقدمہ بھی دائر کر دیتی ہے، اور اخبارات میں بھی بجلی چوری کرنے والے کا نام شائع کیا جاتا ہے اور جرمانہ کی رقم اگر متعینہ مدت میں مجرم ادا نہ کرے تو بجلی کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے۔

بجلی چوری کرنے میں گاہک جو مختلف صورتیں اپناتے ہیں ان میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں:

① بلا واسطہ بجلی کے جو تار لگے ہوئے ہیں ان پر تار ڈال کر بجلی حاصل کرنا۔

② بجلی میٹر پر لگے ہوئے سیل (لاک) کو ایک خاص طریقہ سے کھول کر اندر سے میٹر کی موجودہ سسٹم میں تبدیلی کر کے میٹر کو آہستہ چلانا۔

③ بجلی کا میٹر کھول کر نمبرات کو پیچھے چلانا (ریورس کرنا)۔

④ بجلی کمپنی کے سروس تار میں سے بالا ہی بالا (بائی پاس) چوری کر کے بجلی حاصل کرنا۔

⑤ میٹر کے کانچ میں سے پتلی پٹی اندر ڈال کر میٹر کو بند رکھنا۔

⑥ پرانے میٹر پر مضبوط مقناطیس رکھ کر میٹر بند کرنا۔

⑦ میٹر پر وزنی چیز رکھ کر یا میٹر کو ٹیڑھا یا الٹا کر کے میٹر کو بند رکھنا یا آہستہ کرنا۔

⑧ جدید ریموٹ کنٹرول سے میٹر کو ہاتھ لگائے بغیر پیچھے کرنا (ریورس کرنا)۔

غرض کہ صورت کوئی بھی اپنائی جائے مگر ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ کسی طرح بل کم آئے، قانونی طور پر مذکورہ تمام صورتیں سزا یا جرمانہ کو واجب کرنے والی ہیں، اب موجودہ صورت حال میں حسبِ ذیل سوالات کے جوابات شریعت کی روشنی میں دے کر ممنون فرمائیں تاکہ مسلم سماج کو اس کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

① بجلی کمپنی قیمت زیادہ لیتی ہے، خاموشی سے قیمت میں اضافہ کر دیتی ہے مختلف طریقے اپناتی ہے، ناقص اور تیز پھرنے والے میٹر رکھتی ہے، کچھ نہ کرنے کے باوجود میٹر میں نقص نکال کر جرمانہ عائد کرتی ہے وغیرہ وغیرہ، طرح طرح کے بہانوں کا عذر نکال کر لوگ بجلی چوری کرتے ہیں تو ایسے اعذار اگر واقعۃً سچے ہوں تو کیا بجلی کی چوری کرنا جائز ہے؟

② بجلی لائن میں غیر قانونی طور پر چوری کرنے والے کے ذمہ کمپنی ایک بڑی رقم جرمانہ کی عائد کرتی ہے جس سے انسان کی بے عزتی ہوتی ہے اور وقار مجروح ہوتا ہے تو اس طرح سے ایک مسلمان کو اپنی عزت داؤ پر لگانا جائز ہے؟

③ بجلی چوری کرنے میں بعض بجلی کام کو جاننے والے حضرات تعاون کرتے ہیں تو بجلی چوری کرنے میں معاون بننے والے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

④ بجلی کمپنی کی طرف سے وقتاً فوقتاً بجلی کی چوری کو روکنے کے مقصد سے گاہکوں کے بجلی میٹر کی اچانک جانچ کی جاتی ہے، اس جانچ کرنے والی جماعت پر بہت سی مرتبہ لوگوں کی طرف سے حملہ کیا جاتا ہے، اور جانچ کو روکنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ "فلانے محلہ میں جائیے وہاں کیوں نہیں جاتے، فرقہ وارانہ رویہ اپناتے

ہو میٹر خراب رکھتے ہو قیمت زیادہ لیتے ہو............ وغیرہ وغیرہ'' تو کیا اس طرح جانچ کو روکنا جائز ہے؟

⑤ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاں بجلی کا زیادہ استعمال ہوتا ہے وہی بجلی چوری کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں، گھر میں بجلی کا استعمال زیادہ ہوگا تو بجلی کے بل کا زیادہ آنا قرین قیاس ہے، اس میں بجلی کمپنی کو زیادہ نقصان ہوتا ہے اس کے باوجود باضابطہ گاہکوں سے وصول کیا جاسکے ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کیوں کہ بجلی کمپنی کے پاس نقصان کی کمی کو پورا کرنے کے لیے قیمت میں اضافہ کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں بجلی کی چوری کرنا دوسروں کی حق تلفی شمار ہوگی؟

⑥ ایمان دار گاہک عامۃً اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ بجلی کا بے جا استعمال نہ ہو، بجلی چوری کرنے والے گاہک آزادانہ استعمال کرتے ہیں، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بجلی چوری کرنے والے پکانے کے لیے بھی الیکٹرک چولہے کا استعمال کرتے ہیں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اگر ان کو بجلی چوری کرنے کا موقع نہ ملے تو اس طرح کی ہائی پاور والی اشیاء کا استعمال یہ حضرات خوب احتیاط سے کرنے لگیں، اور بجلی چوری کرنے کا ایک بہت برا پہلو یہ بھی ہے کہ ''ہمیں کہاں بل بھرنا پڑتا ہے؟'' ایسی غیر معقول وجوہات کو آڑ بنا کر بھی بہت سارے گاہک اس کا بے جا استعمال کرتے ہیں، بجلی کمپنی والوں کو اس میں دوگنا نقصان ہوتا ہے کیوں کہ بجلی کے بیچنے کا بجلی کمپنی والوں کو کوئی نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے برخلاف بجلی کمپنی والے ''بجلی بچاؤ'' کا اعلان کرتے ہیں اور حتی الامکان بجلی کا کم سے کم استعمال کرنے کی گاہکوں کو ہدایات اور مشورے دیے جاتے ہیں، تو اس طرح سوچ کر بجلی کا آزادانہ استعمال کرنے

والے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اللہ کی نعمت کی ناقدری نہیں ہے؟

⑦ بجلی کمپنی کے قوانین کے بموجب بجلی کنکشن حاصل کرتے وقت اپنا استعمال کتنا رہے گا؟ اس کی تفصیل فارم میں درج کرنی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ڈپازٹ وصول کی جاتی ہے، اگر آپ زیادہ استعمال لکھیں تو زیادہ ڈپازٹ بھرنی پڑتی ہے، بجلی کمپنی کے قوانین کے موافق مانگی گئی بجلی سے زیادہ استعمال کرنا جرم شمار ہو کر جرمانہ لازم ہونے کا ذریعہ بنتی ہے، چاہے اس بجلی کو استعمال کرنے میں کوئی غیر قانونی طریقہ نہ اختیار کرے اور تحمل سے زیادہ بوجھ پڑنے کے باعث بجلی کمپنی کو لاکھوں روپیے ڈپازٹ کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے، اور ٹیکنیکل کا ٹرانسفر مرکی طاقت، کیبل کے تحمل وغیرہ امور کا پروگرام بنانے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں، مشینیں ہائی وولٹیج اور تحمل سے زیادہ بوجھ کی بنا پر جل جایا کرتی ہیں، وولٹیج آہستہ ہونے کی وجہ سے تمام حضرات کو تکلیف ہوتی ہے گاہکوں کی یہ دلیل ہوتی ہے کہ ہم جتنا چاہے بوجھ ڈالیں بجلی کی چوری تو نہیں کرتے، میٹر تو اتنا استعمال کرنا بتلا ہی دیتا ہے پھر گناہ کس بات کا؟ تو کیا قاعدہ کے موافق ڈپازٹ اور فیس (چارج) ادا کیے بغیر مزید بوجھ ڈال کر بجلی کا استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

⑧ بجلی چوری کے مجرمین پکڑے جانے پر جرمانہ سے بری ہونے کے لیے خوب ہاتھ پیر مارتے ہیں، اور کمپنی کے ملازم کو رشوت دے کر جرمانہ سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں، تو جرمانہ سے بچنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے؟ رشوت لے کر گاہک کو بجلی چوری کا جرمانہ نہ عائد کرنے والے یا کم جرمانہ عائد کرنے والے ملازم کے متعلق شرعی کیا حکم ہے؟ کیا وہ خائن شمار ہوگا؟

⑨ بجلی کی چوری ثابت ہو جائے تو بجلی کمپنی چاہے گا ہک تین سال سے چوری کر رہا ہو، یا تین دن سے چوری کر رہا ہو، تین مہینہ سے چوری کرنا شمار کرتی ہے، اس کے بعد آخری تین ماہ کا استعمال دیکھا جاتا ہے اور گا ہک کے استعمال میں آنے والی اشیاء کو دیکھ کر اندازلگالیا جاتا ہے کہ اتنی چیزوں کے استعمال پر تین ماہ میں کتنا بل آسکتا ہے اور گا ہک کا میٹر کتنا بتا رہا ہے؟ جو فرق ہوگا اسے چوری میں شمار کیا جائے گا، اس کے بعد چوری کے ہر یونٹ کی قیمت عام قیمت سے تقریباً ڈھائی گنا زیادہ کر کے جرمانہ کا بل دیا جاتا ہے، ان حالات میں اس شخص کی جو تین ماہ سے کم مثلاً ۱۰، ۱۵ دن سے استعمال کر رہا ہے مخالفت کا اندیشہ ہے تو ایسا گا ہک جرمانہ کی رقم نہ بھرے تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

بجلی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ لازمی ایک ضرورت کی چیز بن چکی ہے، مذکورہ بالا سوالات کے جوابات مسلم معاشرہ کو شریعت کی روشنی میں ملنے ازحد ضروری ہے، کیوں کہ مسلم معاشرہ میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بجلی چوری کے جرم میں مبتلا ہیں، ایک ضلع کے ایک گاؤں میں مسلم معاشرہ بجلی چوری کرنے کے سلسلہ میں اتنا بدنام ہو چکا ہے کہ کئی مسلم علاقوں میں بارہ بارہ گھنٹوں تک بجلی کاٹ دی جاتی ہے، ٹرانسفر مر بھی ہٹا دیا جاتا ہے، بجلی جانچ کرنے والی جماعت پولس کی حفاظت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتی، لوگ اسے ’’قومی تعصب‘‘ سے بدنام کرتے ہیں مگر ان مسلم علاقوں میں ایک بہت بڑی مقدار میں لوگوں کا بجلی کی چوری کرنا ایک تلخ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا تو بجلی کی چوری کرنا کہاں تک جائز ہے؟

اس کا جواب مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں دے کر ممنون فرمائیں اللہ تعالیٰ

آپ کو اس کا بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔سوال بہت طویل ہو چکا ہے معاف فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوری اسلام میں بہت ہی سخت گناہ کا کام ہے،اور شریعت میں اس کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں،جس طرح کسی کی ذاتی ملکیت میں سے چوری کرنا گناہ ہے اسی طرح ملک اور قوم کی مشترکہ چیز میں سے چوری کرنا بھی گناہ کا کام ہے بلکہ کئی حیثیت سے یہ چوری زیادہ سنگین ہو جاتی ہے کیوں کہ ایک آدمی سے معاف کرانا تو ممکن بھی ہے؛ جب کہ پوری قوم سے معاف کرانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

(ماخوذ از آپ کے مسائل اوران کا حل ۸ / ۲۸۴،۲۸۵)

آدمی کسی بھی ملک میں رہتا ہو اور کوئی بھی حالت ہو مسلمان کو حرام کاموں سے بچنا واجب ہے،قرآن اور حدیث سے چوری کی حرمت ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حرام ہونے پر پوری امت کا اتفاق بھی ہے،اس حرام کو حلال کرنے کی شکلیں اختیار کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے،امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی ہو،احکام اسلام کا پابند ہے۔(فتاویٰ قاضی خان ۲۲۲، ۲۲۳)

اسی طرح سے خیانت اور غصب نیز بغاوت بھی شرعاً سخت گناہ کا کام ہے،اس سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات ترتیب وار دیے جاتے ہیں:

① سوال میں مذکور وجوہات اور بہانوں کو عذر بنا کر بجلی کی چوری کرنا جائز نہیں ہے،سوال میں مذکور اعذار اگر واقعۃً سچے ہوں تو اس کے لیے سرکاری اور قانونی رو سے جو کاروائی ہو سکتی ہو کی جاوے،کورٹ یا گاہک سرکشا منڈل ( گاہک کے پیچیدہ

مسائل حل کرنے کا ادارہ) وغیرہ جس طریقہ سے بھی اس کا حل ہو سکے اس کی اجازت ہے مگر بجلی کی چوری کرنا جائز نہیں ہے۔

ابتدائے اسلام میں جانوروں نیز دیگر اموال کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے آدمی مقرر کیے جاتے تھے وہ بعض مرتبہ واجب شدہ زکوٰۃ سے زائد وصول کرتے تھے، تو اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر ظلم کرتے ہیں، (یعنی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سے زائد وصول کرتے ہیں) تو کیا ہم ہمارے مال میں سے اتنا مال چھپا سکتے ہیں جتنی مقدار میں وہ ہمارے پاس زائد وصول کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ''نہیں''۔

وعن بشير بن الخصا صية قال: قلنا ان اهل الصدقة يعتدون علينا افنكتم من اموالنا بقدر ما يعتدون؟ قال: لا. رواه ابو داؤد

(مشکوٰۃ ص/۱۵۷)

② ایک مسلمان کے لیے ایسا کام کرنا جس سے اس کی عزت داؤ پر لگے جائز نہیں ہے، شرعی حدود میں رہ کر اپنی عزت کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

③ اس طرح سے بجلی چوری کرنے میں کسی مسلمان الیکٹریشن (الیکٹرک کام جاننے والا) کا معاون بننا شرعاً گناہ کا کام ہے، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ ترجمہ: گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں معاون نہ بنو۔

④ اس طرح سے جانچ کو روکنا بھی شرعاً سخت گناہ ہے۔

⑤ جی ہاں! سوال میں مذکور نظریہ کے موافق بجلی چوری کرنا دوسروں کی حق تلفی شمار ہوگی۔

⑥ واقعۃً سوال میں مذکور حرکت کرنے والے اشخاص شرعاً سزا کے مستحق ہیں۔

وضو جیسی عبادت میں پانی کو زیادہ استعمال کرنا (مثلاً وضو میں اعضاء مغسولہ میں سے کسی عضو کو تین بار سے زائد دھونا وغیرہ) شرعاً مکروہ تحریمی ہے، جب کہ پانی اپنا ذاتی ہو چاہے نہر کے کنارہ ہی کیوں نہ ہو؟ (جیسا کہ ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزر رہے تھے وہ وضو فرما رہے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فضول خرچی کیسی؟ تو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا جی ہاں! چاہے آپ جاری نہر پر وضو کر رہے ہوں) اور اگر وہ پانی وقف کا ہو تو اسے ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (درمختار شامی ۱/ ۹۷، ۹۸)

اس سے زیادہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے قوم کی ملکیت کی چیز چوری کر کے استعمال کرنا کتنا سخت گناہ کا کام ہے۔

⑦ بجلی کمپنی سے کنکشن لیتے وقت کمپنی کی طرف سے جو شرطیں مقرر کی گئی ہیں ان کی پابندی کرنا ضروری ہے، یہ ایک طرح کا عہد و پیمان ہے اور عہد و پیمان کو نبھانا اسلامی احکام کے بموجب ضروری اور فرض ہے، عہد شکنی کرنا کبیرہ گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ منافق کی نشانی بھی بتلائی گئی ہے، بجلی کمپنی کے پاس سے مانگے گئے بوجھ سے زیادہ بوجھ کا استعمال کرنے سے بجلی کمپنی کو ڈپازٹ کے نقصان کے ساتھ ساتھ اور کئی نقصانات ہوتے ہیں جن کی تفصیل آپ نے سوال میں درج کی ہے، شرعاً یہ

تمام باتیں گناہ اور قابل مذمت ہیں، گاہکوں کی طرف سے دی جانے والی دلیل صحیح نہیں ہے، گناہ کا ارتکاب بجلی چوری میں منحصر نہیں ہے، صورت مسئولہ میں اگر چہ میٹر پورے استعمال کو بتا دیتا ہے جس کی وجہ سے بجلی کی چوری کا گناہ تو نہیں ہوتا مگر بجلی کمپنی کو سوال میں درج کیے گئے نقصانات پہونچانے کے گناہ کے ساتھ ساتھ عہد شکنی کا کبیرہ گناہ بھی عائد ہوتا ہے، ویسے بھی کسی چیز کو اس کے استعمال کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر غلط طریقہ سے استعمال کرنا جس کے نتیجہ میں وہ چیز خراب ہو جائے اپنی ذاتی ملکیت ہونے کے باوجود شرعاً ممنوع ہے تو اگر وہ چیز دوسرے کی خصوصاً عوامی ملک ہو تو یہ ممانعت اشد ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں چمڑے کے مشکیزہ کا منہ موڑ کر اس سے پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، اس کی وجوہات بتلاتے ہوئے شراحِ حدیث نے ایک وجہ یہ بھی بتلائی ہے کہ اس طرح سے مشکیزہ کا منہ موڑ کر پانی پینے سے کچھ ہی مدت میں وہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ مشکیزہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ طریقہ چیز کو خراب کرنے والا ہے، اس وجہ سے ایسا طریقہ اپنانے سے روکا گیا۔ (بخاری شریف ص/۸۴۱ نیز حاشیہ) کئی احادیث میں ایک جانور پر تین یا اس سے زیادہ آدمیوں کے سوار ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ وہ جانور تین یا اس سے زائد کا تحمل نہ کر سکتا ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی چیز سے اس کے تحمل سے باہر کام لینا چاہے وہ غیر ذی روح ہو یا جانور ہو شریعت اسے پسند نہیں کرتی۔

⑧ بجلی چوری کرنے والا مجرم گاہک اپنے پر لازم ہونے والے جرمانہ سے بچنے کے لیے کمپنی ملازم کو رشوت دیتا ہے تو یہ سخت گناہ کا کام ہے، اور ملازم کا بھی

رشوت لے کر اس شخص کو سزا سے بچا لینا اپنی ذمہ داری کے ادا کرنے میں ایک طرح کی خیانت ہے۔

⑨ گاہک نے آج تک جو بجلی چوری کی ہے اس کی رقم ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے، بجلی چوری کرنے کی صورت میں اس طرح سے رقم وصول کی جائے گی اس کی وضاحت بجلی کمپنی کی طرف سے ہو جانے کے باوجود گاہک کا بجلی چوری کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بجلی کمپنی کی طرف سے متعین کردہ اس طریقہ پر رضامند ہے اس کے باوجود اگر وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو وعدہ خلافی ہوگی۔

اخیر میں آپ نے مسلم معاشرہ کے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا اس گناہ میں مبتلا ہونے کے متعلق جو تلخ حقیقت لکھی ہے، اور اس کی وجہ سے اسلام اور اسلامی احکام کی جو غلط شبیہ غیر مسلموں کے سامنے آتی ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات اور اسلامی شکل وصورت جس طرح سے بدنام ہو رہی ہے، اور اس سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا تو بس صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے، ہمارے یہ کام اور ہماری یہ بدعنوانیاں ہی اسلام کے مخالفین اور دشمنوں کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ۸/ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## پڑوسی کی لائٹ بجلی استعمال کرنا

سوال: ایک شخص اپنے پڑوسی کی لائٹ بجلی کو اس کی اجازت سے استعمال کرتا ہے تو کیا اس شخص کے لیے اس روشنی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ اور کیا کرایہ دینے اور نہ دینے کی صورت میں حکم بدل سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

پڑوسی کی اجازت سے اس کی لائٹ بجلی استعمال کرنا درست ہے؛ البتہ اگر کرایہ سے استعمال کرتا ہے تو عقد اجارہ کے تمام شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بجلی کا میٹر بند کروانا

سوال: زید وائر مین ہے، لوگ اپنے گھر کام کی غرض سے لے جاتے ہیں، اس میں بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے گھر لے جانے کے بعد کہتے ہیں زید صاحب آج کل بجلی کا چارج (Bill) بہت زیادہ آتا ہے تو ایسی ترکیب اختیار کی جائے جس سے رقم بتانے والی مشین بند ہو جائے، تو پہلے تو زید صاحب کے لیے کیا اس مشین کا بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس معاملے میں زید صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟ مگر زید صاحب جب بند کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس سے بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حکومت بھی ہمیں کیا حق دیتی ہے تو کیا ان کی اس دلیل کی وجہ سے ان کے لیے مشین بند کروانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بجلی کا استعمال بتلانے والی مشین یعنی میٹر کو بند کرنا؛ تا کہ اس کے نتیجہ میں استعمال شدہ بجلی کی مقدار کم نظر آئے، اور واجب الاداء رقم کم ہو جائے یہ چوری اور دھوکہ بازی ہے، زید کے لیے اس مشین کو بند کر کے چوری اور دھوکہ بازی کے اس فعل میں مدد اور تعاون کرنا جائز نہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ یعنی گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں مددمت کرو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بند میٹر والے کا بجلی چولہا جلانا

سوال: بجلی سے جلنے والا چولہا (Electric Sigdi) جلانا کیسا ہے؟ جب کہ میٹر بند ہے، مگر ۶۰/ یونٹ کا بل بنتا ہے، جو ۱۲۰/ آتا ہے، میٹر خراب ہے، قریب ۵/ سال سے بند ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قانونی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ میٹر بند ہونے کی صورت میں ساٹھ یونٹ کا ہی بل بنتا ہے چاہے کتنی ہی بجلی استعمال کی ہو تب تو بجلی کا چولہا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر ساٹھ یونٹ کا بل اس لیے بنتا ہے کہ سابقہ (یعنی میٹر خراب ہونے سے قبل) استعمال اوسطاً اتنا ہی ہوتا تھا، اور اُس وقت آپ بجلی کا چولہا استعمال نہیں کرتے تھے تو اب بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بجلی کی چوری کرنا

سوال: زید نے ریشم کے کتان کا ایک کارخانہ لگایا جس پر دس لاکھ روپیہ خرچ ہوئے، ان دس لاکھ میں آدھے سے زیادہ مبلغ قرض لیا ہوا ہے، اس کارخانہ میں ماہانہ

تقریباً پچاس ہزار روپیوں کا کام ہوتا ہے، جس میں پچیس ہزار روپیہ ملازمین کی مزدوری میں خرچ ہوتے ہیں، اور تقریباً پچیس ہزار روپیہ بجلی کرنٹ بل دینی پڑتی ہے، مالک کارخانہ کو کچھ نہیں بچتا یا تھوڑا بچتا ہے جس سے اس کے گھر کا گذارہ ہوسکتا ہے؛ لیکن کارخانے پر جو قرضہ ہے اس کو ادا نہیں کرسکتا، اور وقت ضرورت کارخانے کی مرمت نہیں کرسکتا، اس لیے یہاں عام طور پر (الکٹرک) بجلی کے میٹروں میں کچھ گڑبڑ کرا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ میٹر بجلی کی خرچ کی صحیح مقدار نہیں بتلاتا؛ بلکہ کم بتلاتا ہے، میٹر اس طرح گڑبڑ کرانے کے بعد بجلی کی بل ادائیگی سے جو روپیہ بچتا ہے اس سے مالک کارخانہ اپنا قرض بھی ادا کرتا ہے، اور کارخانے کی مرمت بھی، گویا یہی کمائی ہے۔

(۱) اگر زید الکٹرک میٹر میں کچھ گڑبڑ نہیں کرتا بلکہ بجلی کی صحیح مقدار جو میٹر بتلائے ادا کر دیتا ہے تو خود کو کچھ نہیں بچتا، اور قرضہ جو کارخانہ قائم کرنے کے لیے لیا تھا ادا نہیں کرسکتا اور وقت ضرورت کارخانے کی مرمت بھی نہیں ہوسکتی ہے۔

(۲) زید اگر کارخانہ کو کرایہ پر دیتا ہے تب بھی مشکل یہ ہے کہ کرایہ دار الکٹرک میٹر میں گڑبڑ کرا کر بچائے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اگر کسی وقت محکمے کا خصوصی عملہ میٹروں کے معائنے کے لیے آ گیا اور اس نے گرفت کرلی تو کرایہ دار بچ جائے گا زید جو کارخانہ کا مالک ہے پھنس جائے گا۔

(۳) زید یہ کارخانہ بیس سال سے چلا رہا ہے، اگر وہ آج الکٹرک بل پوری ادا کرتا ہے تو حکومت کے جانب سے بیس سال پہلے سے حساب لگوا کر سابقہ بل کی باقی رقم ادا کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے جو لاکھوں روپیہ ہوتی ہے اتنی رقم اس کے پاس نہیں بلکہ وہ قرض دار ہے۔

④ محکمے کے تمام افسران یہی چاہتے ہیں کہ کرنٹ کے میٹروں میں گڑبڑ کا یہ سلسلہ جاری رہے تا کہ رشوت کے طور پر انہیں ماہانہ رقم ملتی رہے، رشوت حاصل کرنے میں محکمے کے چھوٹے بڑے تمام افسر شامل ہوتے ہیں۔

⑤ زید اگر صحیح حساب الکٹرک بل پوری ادا کر دیتا ہے تب بھی رشوت نہ ملنے کی وجہ سے محکمے کے افسران بار بار اس کارخانے پر چھاپے مار کر پریشان کرتے ہیں، اور مختلف قسم کے جرمانے عائد کرتے رہتے ہیں۔

⑥ محکمے کے پاس صحیح میٹر بھی نہیں اور وہ صحیح میٹر رکھنا بھی نہیں چاہتے ہیں، چوں کہ عوام میٹروں میں گڑبڑ کروا کر فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے خراب میٹروں کی شکایت بھی نہیں کرتے اگر کوئی صحیح میٹر رکھنا بھی چاہے تب بھی نہیں ملتا، جب حکومت دیکھتی ہے کہ بجلی کی پوری رقم وصول نہیں ہو رہی ہے، تو بجلی کی قیمت میں بار بار اضافہ کرتی رہتی ہے۔

⑦ صوبہ کرناٹک میں یہ ریشم کا کاروبار کرنے والے اکثر مسلمان ہیں، اس لیے حکومت موقع پا کر بلکہ سخت قانون بنا کر خصوصاً مسلمان کارخانے والوں اور تاجروں کو مجبور کرتی رہتی ہے، اور یہاں عموماً ہر کارخانہ دار کرنٹ کی بل پوری ادا نہ کر کے بچت کرتا ہے، اور فائدہ اٹھاتا ہے، ان تمام حالات میں زید اکیلے کا اس پر عمل کرنا یعنی کرنٹ کی بل پوری ادا کرنے پر عمل کرنا نفع سے محرومی اور نقصان کا باعث ہوتی ہے، ان حالات میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے، بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی بجلی بنانے والی کمپنی سے بجلی حاصل کرنے کا جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ

اپنی مرضی پر ہے، جبری نہیں ہے، یعنی اگر آپ چاہیں تو حکومت سے بجلی حاصل نہ کریں بجلی حکومت کی ملک ہے، وہ اپنی چیز کا دام اپنی مرضی کے مطابق لے سکتی ہے اگر آپ کو یہ بجلی گراں معلوم ہو تو آپ کو نہ لینے کا اختیار ہے لیکن سوال میں مذکورہ طریقے اختیار کرنا یہ خیانت اور فریب ہے، جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رجب ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# چوری کی بجلی سے فائدہ اٹھانا

**سوال**: میرے والد صاحب بجلی کی چوری کرتے ہیں، میں نے ان کو منع کیا اور بارہا منع کیا؛ لیکن وہ تب بھی نہیں مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہت ہی بل آتا ہے، یعنی وہ اسے مکمل بند نہیں رکھتے ہیں؛ بلکہ کچھ دنوں میٹر چالو بھی رکھتے ہیں؛ لیکن اب انھوں نے یہ حیلہ نکالا ہے کہ، ہمارے جو دو کرایہ دار ہیں ان کو میرے والد صاحب نے کہہ دیا کہ: اب سے تم اس میٹر کے ذمہ دار ہو، چاہے تم چالو رکھو یا بند رکھو، میں تم کو ہر دو مہینے پر ۶۰/روپیہ دے دوں گا، میں نے اپنے والد صاحب کو کہہ دیا کہ: چاہے تم پہلے جس طرح کرتے تھے ایسا کرو یا کسی دوسرے کو ذمہ دار بناؤ، بہر دو صورت آپ اس کے ذمہ دار ہو، اللہ کے یہاں آپ کی پکڑ ہوگی۔ تو میں اب پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ: میں ان کو برائی سے روکتا ہوں؛ لیکن پھر بھی وہ نہیں مانتے تو کیا اب میں اس کا ذمہ دار رہوں گا؟ اور یہ کہ میں اس بجلی سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہوں مثلاً میں اس بجلی سے کپڑوں کو پریس کر سکتا ہوں؟ اور پھر اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ نے جب ان کو آگاہ کردیا پھر بھی وہ عمل نہیں کرتے تو آپ کا ذمہ بری ہوگیا؛ البتہ ان کے حق میں دعا کرتے رہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو گناہ سے بچائے۔ آپ کے لیے ایسی بجلی کا استعمال درست نہیں ہے؛ ورنہ آپ بھی گناہ میں شریک ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

## بجلی کا بل کم آنے کی تدبیر درست نہیں

سوال: جی ای بی یعنی گجرات الیکٹرک بورڈ کی طرف سے گھروں میں بجلی کا جو کنکشن دیا جارہا ہے، اس کے میٹروں کی رفتار زیادہ تیز ہوتی ہے، خصوصاً نئے لگائے جانے والے میٹروں کی رفتار تو حد سے زیادہ تیز ہے، کہ پرانے میٹر کے مقابلے میں نئے میٹر ڈیڑھ گنا یا اس سے کچھ کم پھرتے ہوں گے، اور بجلی کا جو بل ہوتا ہے اس میں صرف بجلی کا بل ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اس میں مختلف چیزیں بڑھا کر اصلی بل سے ساڑھے تین گنا زیادہ کردیتے ہیں، آپ کے سامنے ایک بل کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس میں چالیس یونٹ استعمال ہوئے ہیں، اس میں اصلی بل تو ۲۶/ روپیے ۸۰/ پیسے ہیں، جس پر ۵۰/ روپیے فیوئل چارج کے نام سے بڑھاتے ہیں، اور بجلی بیچنے پر ٹیکس کے نام سے ۲/ روپیے ۳۰/ پیسے بڑھاتے ہیں، اور وِڈھوت شولک کے نام سے ۱۹/ روپیے ۲۰/ پیسے بڑھاتے ہیں، جس سے کل ملا کر ۹۸/ روپیے ۳۰/ پیسے ہوگئے، اس میں اصل بجلی کا بل ۲۶/ روپیے ۸۰/ پیسے ہے، اور باقی الگ الگ قسم کا ٹیکس ہے،

توصورت مذکورہ میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ: ان زائد ٹیکسوں کے بہ قدر میٹر بل کم آوے اس کے لیے کوئی چال چلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ

# انکم ٹیکس کے انتقام میں بجلی کی چوری کرنا

سوال: اگر حکومت کسی سے انکم ٹیکس لے رہی ہے تو وہ شخص کسی دوسرے طریقے سے حکومت کو نقصان پہنچا سکتا ہے، کہ جس سے وہ اپنا انکم ٹیکس وصول کر سکے، مثلاً کوئی شخص اپنے گھر کا یا دوسرے کے گھر کا بجلی کا میٹر بند کر دے، یا اسی طرح کسی دوسرے طریقہ سے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ طریقہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# حکومت سے بجلی لینے میں دروغ بیانی

سوال: ایک شخص پانی کی بورنگ لگائے یا کنواں کھودے، اور اس پر موٹر لگائے اور میٹر بھی لگائے، اور نام دیتا ہے کہ موٹر یا میٹر کھیت کے لیے یا باغ کو پانی دینے کے لیے چاہیے؛ مگر اس کو کھیت اور باغ کے لیے استعمال نہیں کرتا؛ بلکہ اپنے گھر کے لیے

وہ پانی استعمال کرتا ہے، اور وہی پانی مسجد کے لیے بھی دیتا ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص ہے، وہ بھی اسی نام پر لیتا ہے اور کھیت باغ کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور گھر میں بھی استعمال کرتا ہے، اور مسجد کے لیے وہ پانی دیتا ہے، حالاں کہ حکومت ان اشخاص سے انکم ٹیکس بھی نہیں لیتی ہے، اور اگر حکومت انکم ٹیکس وصول کرے تو کیا حکم ہے؟ تو دونوں اشخاص کا کیا حکم ہے؟ اس طرح پانی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حکومت یا بجلی بنانے والی کمپنی سے جو کنکشن لیا جاتا ہے وہ دراصل اس بجلی کی خریداری کا معاملہ ہے، اس میں جو شرائط آپس میں طے ہوں اس کی پابندی ضروری ہے، کذب و دروغ بیانی کر کے اس طرح بجلی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## زیادہ بل آنے پر میٹر کی مقدار کم کرنا

سوال: ایک شخص کا میٹر ہے جس پر وہ پانی کی موٹر ایک گھنٹہ چلاتا ہے، تو اس پر سو روپے بل آتا ہے، اور دوسرا شخص بھی اپنے میٹر پر موٹر چلاتا ہے تو اس کا دو سو روپے بل آتا ہے، حالاں کہ دونوں کی موٹریں بھی ایک جیسی ہیں اور میٹر بھی ایک ہی جیسے، تو کیا جس کا میٹر تیز چلتا ہے تو کیا اتنی مقدار بند کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بند کرنا تو درست نہیں؛ البتہ قانونی طور پر درخواست دے کر اس کو محکمہ والوں کے ذریعے ٹھیک کرا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا

سوال: اگر کوئی آدمی ہندوستان کے اندر ریل گاڑی کے اندر بغیر ٹکٹ کے سفر کرے، تو کیا اللہ کے نزدیک کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بلا کرایہ کیے گئے سفر کی تلافی

سوال: کسی انسان نے ٹرین میں سفر کیا بغیر ٹکٹ کے، اور وہ اس کا جرمانہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں یہ ہے کہ جس سال سفر کیا تھا اس کے مطابق جرمانہ ادا کرنا پڑے گا یا فی الحال کے مطابق؟ اور اس جرمانہ کے ادا کرنے کی کوئی آسان صورت لکھ دیں تو بہت احسان ہوگا آپ کا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جب سفر کیا تھا اس زمانے میں اس سفر کا جو کرایہ ہوتا تھا اتنی رقم کا ریل

کا ٹکٹ خرید کر بغیر سفر کیے وہ ٹکٹ پھاڑ دیں، تو آپ کا ذمہ بری ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## حکومت سے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے خاطر اسکول کے طلباء کی حاضری میں تاویل

سوال: ہمارا ایک اسکول ہے جس کو گورنمنٹ پرمیشن (اجازت) سے کھولا گیا ہے، لیکن گورنمنٹ کا صرف پرمیشن ہے، کوئی مالی امداد یا کسی بھی طرح کی کوئی مدد نہیں لی جاتی، اسکول میں نصاب گورنمنٹ کا چلتا ہے اور کچھ اپنی کتابیں بھی، گورنمنٹ کے قاعدہ کے مطابق اسکول کا وقت ۱۱/ سے سوا پانچ (سوا چھ گھنٹہ) ہے، لیکن ہمارے یہاں پڑھنے والے جتنے طلباء ہیں چوں کہ سب کے سب درجات حفظ میں زیر تعلیم ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے ہم اس کو صرف سوا دو گھنٹہ چلاتے ہیں، اس کے بعد طلباء اپنے اپنے درجہ میں پڑھائی میں مشغول ہو جاتے ہیں: (۱) لیکن گورنمنٹ کاغذات میں پورا وقت لکھا جاتا ہے۔ (۲) بعض طلباء دوسرے ادارہ میں چلے گئے، یا اردو جماعت میں چلے گئے، یا کسی وجہ سے نہیں آسکے، حاضری رجسٹر میں ان کی بھی حاضری لگائی جاتی ہے۔ (۳) بعض مرتبہ اسکول چلتا ہے لیکن گورنمنٹ ریکارڈ میں چھٹی بتانا پڑتا ہے اور کبھی اسکول نہیں چلتا لیکن رجسٹر میں چلتا لکھا جاتا ہے، ان سب کے باوجود بلحاظ کیفیت بچے پڑھائی میں ان اداروں سے اچھے ہیں الحمد للہ! جہاں پورا وقت پڑھائی

ہوتی ہے، اگر صحیح لکھیں تو آگے پرمیشن ملنا مشکل ہوگا، تو ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے پہلی کی تو یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ طلباء پورے وقت میں تعلیمی کام میں مصروف رہتے ہیں، اور جس تعلیم میں مصروف رہتے ہیں اصولی طور پر اس تعلیم کے بھی نصاب میں داخل رکھنے کی قانوناً اجازت ہے۔ دوسری بات میں جو طلباء اردو پڑھتے ہیں ان کے حق میں بھی یہ تاویل ممکن ہے لیکن جو طلباء حاضری نہیں دیتے ان کے حق میں کوئی تاویل ممکن نہیں۔ تیسری بات میں اسکول جاری رکھنے کے باوجود ریکارڈ میں چھٹی بتلانے کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ چھٹی ہونے کے باوجود رضا کارانہ طور پر تعلیم جاری ہے لیکن اسکول بند رکھ کر جاری بتلانے کی کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آتی۔

آپ حضرات جب حکومت سے مالی امداد حاصل نہیں کرتے ہیں تو آپ کا مقصد صرف ان موضوعات کی تعلیم ہے جن کا بچوں کو سکھلانا ضروری ہے، مثلاً زبان، حساب، جغرافیہ وغیرہ تو اس کے لیے کیا یہ ضروری ہے حکومت سے پرمیشن لیا جائے؟ اس کے بغیر بھی آپ یہ کام کرسکتے ہیں، پھر کیوں ان غلط کاریوں میں اپنے آپ کو ملوث کرتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت سے سرٹیفکٹ مل جائے، ﴿واثمهما اكبر من نفعهما﴾ شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: قاعدة خامسة: وهي درء المفاسد أولى من

جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات.(۹۰ مطبوعه بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بی پی ایل کارڈ سے فائدہ اٹھانا

سوال: غیر مستحق حضرات (یعنی جو سرکاری شرائط پر پورے نہ اترتے ہوں) ان کا کسی طرح سے بی پی ایل (BPL) کارڈ بنالینا اور اس کارڈ پر ملنے والی مختلف راحتوں کا حاصل کرنا (مثلاً دواخانہ کی راحتوں کا حاصل کرنا) از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بی پی ایل کارڈ کی حقیقت سے مجھے واقفیت نہیں؛ البتہ اصولی طور پر یہ جان لیں کہ حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو بعض مخصوص شرائط کے ساتھ جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، کسی ایسے آدمی کا جو ان مخصوص شرائط پر پورا نہ اترتا ہو، فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## دھوکہ بازی سے سرکاری راحت حاصل کرنا حرام ہے

سوال: ایک انسان کے پاس اپنی آمدنی سے اپنا گزارا ہوتا ہے، پھر ایک اسکیم ہے کہ سرکاری راحت یعنی سبسڈی مل رہی ہے، اس میں رشوت دینا ہوتا ہے، یعنی کم آمدنی بتاکر رشوت دے کر اس سبسڈی کو حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ایک طرح کی دھوکہ بازی ہے کہ اپنی آمدنی کم بتلا کر ناحق طریقہ سے اپنے آپ کو مستحقِ امداد ثابت کیا جائے، یہ حرام ہے؛ مزید برآں اپنے اس فریب اور دھوکہ بازی کو درست ظاہر کرنے کے لیے رشوت کا بھی ارتکاب کیا جارہا ہے، وہ بھی حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## غلط طریقے سے فون کر کے سرکاری ظلم کا معاوضہ وصول کرنا

سوال: بلیک میں فون کرنے کی حاصل شدہ کمائی کا کیا حکم ہے؟ جس کی شکل یہ ہے کہ ٹیلی فون ایکسچینج سے بعض لوگ لائن کاٹ کر دوسروں کو فون کرنے کے لیے دے دیتے ہیں، جس کی وجہ سے بات کرنے کا بل دوسرے پر یا حکومت پر جاتا ہے، ان کو اپنا ذاتی کچھ لگانا نہیں پڑتا ہے، وہ لوگ تقریباً ۱۰۰۰/ روپئے کا بل جو صحیح طور پر S.T.D سے کیا جائے اس کا ۲۰۰/ یا ۳۰۰/ روپئے لے کر کام کر دیتے ہیں، اور اس کے لیے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حکومت ہمارا نقصان کرتی ہے، اس لیے ہم بھی حکومت کا نقصان کریں، اور مسلمانوں سے تو ان کو دشمنی ہی ہے؛ اس لیے ان کو اس طرح نقصان پہنچا کر کھوکھلا کیا جائے، کس حد تک صحیح ہے؟ نیز اس سے حاصل ہونے والی کمائی شرعاً کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلیک میں اس طرح فون کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنانا جائز نہیں ہے، اس سے

حاصل شدہ کمائی حرام ہے، اس قسم کا دھندا کرنے والا آدمی جو دلیل پیش کرتا ہے اس سے تفصیل معلوم کی جائے کہ حکومت ان کا کیا نقصان کرتی ہے؟ اور وہ اپنی اس حرکت سے اپنے اس نقصان کا معاوضہ کس طرح وصول کر رہا ہے؟ دونوں کی تفصیل معلوم ہونے پر اس کے متعلق کچھ عرض کیا جا سکتا ہے، یہ یاد رہے کہ حکومت کے کسی کارندہ کا کوئی ایسا اقدام جو کسی کے لیے مضر ہو وہ خود غیر قانونی اور ظلم ہے، جو قانوناً قابل مواخذہ ہے، اس کی ذمہ داری حکومت پر ڈالنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سرکاری ملازم کا خرچ سے زائد رقم وصول کرنا

سوال: سرکاری ملازم کو آفس کے کام کے لیے مرکزی آفس یا پھر دوسرے مقامات جانا ہوتا ہے، کام کے لحاظ سے کبھی کچھ روز قیام بھی کرنا پڑتا ہے، آنے جانے کا خرچ اور کھانے پینے کے اخراجات حکومت سے ملتے ہیں، مگر جب کبھی قیام کرنا ہوتا ہے، تو جو اخراجات حکومت سے ملتے ہیں وہ ناکافی ہوتے ہیں، اور پھر یہ کہ پہلے ملازم کو اپنے ذاتی پیسے خرچ کرنے ہوتے ہیں، اس کے بعد پھر وہ پیسے ملتے ہیں، جو پیسے زائد خرچ ہوتے ہیں، وہ ملازم کو وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا، بجائے اس کے ایسی صورت میں اگر ملازم حقیقتاً دوسرے درجہ میں سفر کرے، اور بتائے یہ کہ میں نے پہلے درجہ میں سفر کیا ہے، تو اس طرح وہ زائد رقم خرچ کی ہوئی حاصل کر سکتا ہے، اگر اس طرح وہ رقم لے تو اس ملازم کے جو قطعی اخراجات ہوئے تھے، اس سے یہ رقم زائد ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں ملازم کیا کرے؟ کہ اپنا نقصان برداشت کرے یا

دوسرے درجہ میں سفر کر کے پہلے درجہ میں سفر کرنا بتلا کر رقم حاصل کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جھوٹ اور فریب کا ارتکاب کئے بغیر جو رقم حاصل ہوسکتی ہے، وہ حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# آداب معاشرت

## خاندانی معاشرت، باہمی حقوق اور مشترکہ رہائش میں پیش آنے والے مسائل

سوال: بندہ کافی الجھنوں اور اختلافات کا شکار ہے، جس کی کچھ حقیقت آپ کے سامنے پیش کر کے کچھ سوالات عرض کر رہا ہے آپ تسلی بخش جوابات سے نوازیں۔

میری شادی ہونے کو کچھ مہینہ ہی گزرے ہیں؛ لیکن شادی کے کچھ ایام کے بعد میری والدہ اور میری بیوی کا آپس میں کچھ باتوں کی بناء پر ٹکراؤ شروع ہوگیا ہے (گھریلو مسائل مثلاً کھانا، کپڑے وغیرہ) میری والدہ ہر بات پر میری بیوی کو ٹوکتی رہتی ہیں، جس کی بناء پر ہم دونوں تنگ آگئے ہیں، میرے والد صاحب نے میری والدہ کو بارہا سمجھایا؛ لیکن والدہ ماننے کو تیار نہیں ہیں، اور میری بیوی نے ایک مرتبہ میری عدم موجودگی میں غلط قدم اٹھانے کا ارادہ بھی کیا تھا اور کچھ حرکت کر بھی چکی تھی (گولیاں

کھا کر خودکشی کرنے کی)؛ لیکن میرے سمجھانے کی بنا پر وہ اس حرکت سے باز آ گئی، اور آپس کا یہ ٹکراؤ میں اپنے والد صاحب کے سامنے چار مہینہ تک پیش کرتا رہا، پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو میرے والد صاحب کے کہنے کی بناء پر میں نے اپنی بیوی کو کچھ ایام کے لیے میرے سسرال/ یا میکے بھیج دیا، جب گھر پر پہنچی تو ان کے والدین نے ان کی نازک حالت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم اپنی لڑکی کو آپ کے گھر نہیں بھیجیں گے، جب تک آپ اور آپ کی بیوی دونوں آپ کے والدین سے جدا نہ رہیں، اور ابھی تک میری بیوی اورنگ آباد میں ہے، پھر والد صاحب نے رمضان کے بعد ایک مہینہ کے لیے مجھے اپنی رفیقۂ حیات کے پاس بھیجا، ابھی تک میں اورنگ آباد ہی میں ہوں، میرے والدین مجھ پر اصرار کر رہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی کو لیکر گھر آ جائیں؛ لیکن والدہ کی کچھ شدید غلطیوں کی بناء پر میں گھر آنے کو منع کر رہا ہوں اور ابھی فی الحال میں اورنگ آباد میں اپنے ایک بھائی کے یہاں مقیم ہوں، اور سسرال والے بھی اپنی لڑکی بھیجنے کو اس وقت تک تیار نہیں ہیں جب تک میرے والدین مجھے الگ نہ رہنے دیویں، تو اب اس سلسلہ میں کچھ امور دریافت کر رہا ہوں۔

① لڑکے کا حق والدین پر کیا ہے؟ اور بہو کا حق ساس اور خسر پر کیا ہے؟

② میری والدہ اور میری بیوی کے آپس میں نہ بننے کی وجہ سے میں اپنے والدین سے الگ رہنا چاہتا ہوں تو میں رہ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور مجھے امید ہے کہ الگ رہنے کی صورت میں آپس کی محبت بڑھے گی۔

③ میرے والد صاحب کا یہ کہنا کہ الگ رہنے کی صورت میں ہماری عزت پر دھبہ پڑتا ہے، تو کیا کرنا چاہیے؟

④ میرے والد صاحب کا یہ جملہ استعمال کرنا کہ لڑکی والوں کو دب کر رہنا پڑتا ہے، کچھ نہیں کہہ سکتے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

⑤ میری والدہ میری بیوی پر جھوٹی جھوٹی تہمتیں لگا کر پریشان کرتی ہیں، ان کا یہ رویہ کہاں تک صحیح ہے؟

⑥ آپسی ٹکراؤ کی بناء پر میری والدہ نے مجھ سے بارہا کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، تو والدہ کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینا کیسا ہے؟ اور بیوی کو طلاق کن کن امور کی بناء پر دینا جائز ہے اور کن کن امور کی بناء پر نا جائز ہے؟

⑦ میری والدہ اس موقع پر میرے لیے بددعائیہ جملے استعمال کرتی ہیں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا اس موقعہ پر ان کی بددعاء میرے حق میں قبول ہوگی؟

⑧ والدین کے جمائے ہوئے کچھ کاروبار ہیں، میرے الگ ہونے کی صورت میں مجھے اس میں سے کچھ نہ دیویں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ حالاں کہ سارے بھائیوں کو ماہانہ خرچ بھی دیتے ہیں اور کاروبار میں ان کے حصہ طے کر دیے ہیں تو انصاف کیا ہے؟ دوسری بات یہ کہ اگر وہ اپنی زندگی میں مجھے کچھ نہ دیویں؛ لیکن ان کے مرنے کے بعد اس کاروبار میں میرا حق وراثت لگے گا یا نہیں؟

⑨ ساس کا اپنی بہو کے بیمار ہونے پر یہ جملے استعمال کرنا (کہ یہ تیرے گناہوں کی سزا ہے) کیسا ہے؟

⑩ میری والدہ اپنے گھر والوں کو تابع کرنے کے لیے پانی وغیرہ پڑھا کر پلاتی ہیں؛ تاکہ ہم ان کی طرف داری کرنا شروع کر دیں، اور ان کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کر دیں، حقیقت کچھ ایسی ہی ہوئی کہ والد صاحب اور جن بھائی، بہنوں نے یہ

پانی پیاوہ ان کے ہوگئے، اوران کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کردیا اور ناحق طرفداری شروع کردی، تو میری والدہ کا یہ فعل صحیح ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ یہ بھی بتادیں کہ تعویذ کی حقیقت کیا ہے؟ اوراس طرح کے تعویذ بنا کردینا اور لینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے الگ الگ جوابات دینے سے پہلے دین کی ایک اصولی تعلیم اور ہدایت پیش کی جاتی ہے، اس کو ذہن نشین کرلیں:

شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، حقوق کے مطالبہ پر زور نہیں دیا گیا ہے، آج کی دنیا حقوق کے مطالبہ کی دنیا ہے، ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے، اوراس کے لیے مطالبہ کررہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کررہا ہے، ہڑتال کررہا ہے گویا کہ اپنا حق مانگنے اوراپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لیے دنیا بھر کی کوششیں کی جارہی ہیں اوراس کے لیے باقاعدہ انجمنیں قائم کی جارہی ہیں، جن کا نام ''انجمنِ تحفظ حقوق فلاں'' رکھا جاتا ہے؛ لیکن آج ''ادائیگی فرض'' کے لیے کوئی انجمن موجود نہیں، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہیں وہ ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہیے، سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہیے؛ لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں، مرد کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اورعورت کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اوراس کے لیے کوشش اور جدوجہد جاری ہے، لڑائی ٹھنی ہوئی ہے، جنگ جاری ہے؛ لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہورہے ہیں وہ میں ادا کررہا ہوں یا نہیں؟

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں، اگر مزدور اپنے فرائض ادا کردے تو سرمایہ دار اور مالک کے حقوق ادا ہو گئے، اگر سرمایہ دار اور آجر اپنے فرائض ادا کردے تو مزدور کے حقوق ادا ہو گئے۔ شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق ادا ہو گیا، اور اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

آج ہمارے زمانے میں عجیب الٹی گنگا بہنی شروع ہو گئی ہے کہ جب کوئی شخص اصلاح کا جھنڈا اٹھاتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر بھی کچھ کوتاہی ہے، میں بھی غلطی کا شکار ہوں، میں اس کی فکر کروں حالاں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ﴿یأیها الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم﴾ (المائدة/١٠٥) اے ایمان والو! اپنے آپ کی فکر کرو کہ تمہارے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ شریعت، دیانت، امانت، اور اخلاق کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ ان مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے اور اپنے فرائض انجام نہیں دے رہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں ہوگا بشرطیکہ تم اپنے فرائض صحیح طور سے انجام دے رہے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی بات دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگوں سے زکوۃ وصول کرنے کے لیے عامل جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے زکوۃ وصول

کرتے تھے، اور اس زمانے میں زیادہ تر مال مویشیوں یعنی اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عاملوں کو بھیجتے تو ان کو ایک ہدایت نامہ عطا فرماتے کہ تمہیں وہاں جا کر کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تحریر فرماتے کہ: ''لا جلب ولا جنب فی زکاۃ ولا تؤخذ زکوتھم إلا دورھم'' (ابوداؤد کتاب الزکوۃ، باب أین تصدق الأموال، ح: ۱۵۹۱) یعنی تم خود لوگوں کے گھروں پر جا کر زکوۃ وصول کرنا، ایسا مت کرنا کہ تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو اس بات کی تکلیف دو کہ وہ زکوۃ کا مال تمہارے پاس لا کر دیں، اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ المعتدي فی الصدقة کمانعھا (ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ السائمة، ح:۱۵۸۵) یعنی جو شخص زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کر رہا ہے، مثلاً جتنی زکوۃ واجب تھی مقدار میں اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے، یا کیفیت میں زیادہ وصول کر رہا ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسا شخص بھی اتنا ہی گنہگار ہے جتنا زکوۃ نہ دینے والا گنہگار ہے، لہٰذا ایک طرف عاملوں کو تو یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور جتنی زکوۃ واجب ہوتی ہے اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ وصول نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔

دوسری طرف جن لوگوں کے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لیے ان عاملوں کو بھیجا جا رہا تھا ان سے خطاب کر کے فرمایا ''إذا جاءکم المصدق فلا یفارقنکم إلا عن رضی'' (ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی رضی المصدق ح:۶۴۷) یعنی تمہارے پاس زکوۃ وصول کرنے والے آئیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناراض ہو کر جائیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو راضی کرو اور کوئی ایسی غلطی نہ کرو جس سے وہ ناراض ہو جائیں،

کیوں کہ درحقیقت وہ میرے فرستادہ اور میرے نمائندہ ہیں، اوران کو ناراض کرنا گو یا مجھے ناراض کرنا ہے لہٰذا عاملین کو یہ تاکید فرمائی کہ تم کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ اور زکوۃ دینے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ جب عاملین تمھارے پاس آئیں تو وہ تم سے راضی ہوکر جائیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس دلایا جارہا ہے۔ آپ ﷺ نے زکوۃ دینے والوں کو یہ نہیں فرمایا کہ تم سب مل کر ایک تحریک چلاؤ کہ یہ جو عاملین زکوۃ وصول کرنے کے لیے آرہے ہیں وہ ہمارے حقوق پامال نہ کریں، اس کے لیے انجمن قائم کرو؛ اس لیے کہ یہ ایک لڑائی کا ذریعہ بن جاتا۔

شریعت میں سارا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالی کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اس کی فکر کرے کہ میں اللہ کے سامنے ٹھیک جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سارا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے، اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔ (اصلاحی خطبات ۲/ ۶۳ تا ۶۵)

حضور اکرم ﷺ نے صالح معاشرہ کے قیام کے لیے امت کی جو رہنمائی فرمائی ہے وہ ایسی واضح اور مکمل ہے کہ اگر اس کو پورے پورا عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ایک صالح اور معیاری معاشرہ قائم ہوگا بلکہ کسی کو کسی سے شکایت کا کوئی موقع نہیں رہیگا، آج کل لوگوں نے لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور یہی مزاج سارے فساد کی جڑ ہے۔ مثال کے طور پر جب بیٹے کا نکاح کرواکر بہو گھر لائی جاتی ہے تو بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے؛ لہٰذا یہ بہو بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے

ہماری خدمت ضرور کرے، بیٹے کی اطاعت کرے یا نہ کرے، ہماری اطاعت ضرور کرے؛ حالاں کہ ان کا یہ نظریہ ہی بنیادی طور پر غلط اور اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، پھر مزید طرّہ یہ ہے کہ یہی ماں باپ اپنی بیٹی کا نکاح کروا کر دوسرے کے گھر بھیجتے ہیں اس وقت ان کی سوچ یہ نہیں ہوتی، وہاں تو ان کی بھی دلی تمنا اور خواہش بلکہ اس کے لیے سرتوڑ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمارا داماد اپنی بیوی یعنی ہماری بیٹی کو لیکر الگ گھر آباد کرے، جہاں ہماری بیٹی کو اپنے ساس، سسر کی خدمت نہ کرنا پڑے؛ حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه“ (تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) اپنی اغراض اور مفادات ہی کو بنیاد قرار دے کر ہر آدمی دوسرے کے ساتھ پیش آتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامات دیے ہیں اور طریقہ بتلایا ہے، اس کو بنیادی حیثیت دینے کے لیے کوئی تیار نہیں، مزید برآں رسم ورواج نے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسا تسلط جما رکھا ہے کہ اچھے اچھے دیندار لوگ بھی اس کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قدم قدم پر شریعت مطہرہ کے معاشرتی احکام وہدایات کی خلاف ورزی میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ”حقوق الاسلام“ میں اولاد کے حقوق کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں ”جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) نیک بخت عورت سے نکاح کرنا

تا کہ اچھی اولاد پیدا ہو۔ ② بچپن میں محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے؛ بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، ان کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اگر انّا کا دودھ پلانا پڑے تو خلیق اور دیندار انّا تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچہ کے اخلاق میں آتا ہے ③ ان کو علم دین وادب سکھلانا ④ جب نکاح کے قابل ہوں انکا نکاح کر دینا، اگر لڑکی کا شوہر مرجائے تو نکاح ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا، اس کے مصارف ضروریہ کا برداشت کرنا"۔ (اصلاحی نصاب/ ۴۳۳)

سسرالی عزیزوں کے حقوق کے عنوان کے ماتحت اسی رسالہ میں لکھا ہے "قرآن مجید میں حق تعالی نے نسب کے ساتھ علاقۂ مصاہرہ کو بھی ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ساس، سسر اور سالے وبہنوئی اور داماد اور بہو اور ربیب یعنی بیوی کی پہلی اولاد کا بھی حق کسی قدر ہوتا ہے؛ اس لیے ان تعلقات میں بھی رعایت احسان واخلاق کے کسی قدر خصوصیت کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ (اصلاحی نصاب/ ۴۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

ایک بات اور سمجھ لیجیے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں، تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لیے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریقۂ اولی واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے، لہذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے

نتیجہ میں ساس، بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جھگڑوں کے نتیجہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

خوب سمجھ لیجیے اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے؛ لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے جب کہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو، اور نہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے؛ لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا، اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہیے تاکہ گھر کی فضاء خوش گوار رہے؛ لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے، اس کا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض و واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں، ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں، ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیے، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔ (اصلاحی خطبات ۲/۴۱، ۴۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''بعضے آدمی اس کو بڑی سعادت مندی

سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم ومغلوب بنا کر رکھیں، اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادت مند ہو خود خدمت کرو، خدمت کے لیے نوکر لاؤ''۔

(اصلاح انقلاب امت ۲/۱۸۸)

② حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''اور نفقہ ہی کا ایک جزو بی بی کو رہنے کے لیے گھر دینا ہے، اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے، بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں، سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے، اور یہاں بھی راضی ہونے کے معنی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، یعنی طیب خاطر سے راضی ہو، حتی کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھری یا کمرہ ایسا دینا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال واسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے، اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے، بات چیت کر سکے، یہ واجب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

اور آج کل کے طبائع وواقعات کا مقتضاء تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد (ہزاروں خرابیوں کی روک

تھام) ہے، اور گو اس میں چند روز کے لیے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا مگر اس کی مصلحتیں جب مشاہد ہوں گی سب خوش ہو جائیں گے، خصوصاً چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہیے، زیادہ تر آگ اس چولہے ہی سے بھڑکتی ہے۔

فقہانے یہاں تک فرمایا ہے کہ مرد کی اگر پہلی بیوی سے کچھ اولاد ہو، دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اور آج کل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔ (اصلاح انقلاب امت ۲/ ۱۸۷، ۱۸۸)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔ (احسن الفتاوی ۵/ ۴۷۶)

③ شریعت کی ہدایت اور حکم پر عمل کرنے میں آدمی کی عزت بڑھتی ہے، آپ کے والد صاحب کا اس کو اپنی عزت پر دھبہ پڑنے سے تعبیر کرنا درست نہیں، ممکن ہے ان کو یہ خیال ہو کہ علیحدہ کرنے کی صورت میں لوگ یہ سوچیں گے کہ بہو کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ ہوا ہوگا؛ اس لیے علیحدگی کی نوبت آئی اور عموماً لوگ بھی اس طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ والد صاحب خود ہی آپ دونوں کو علیحدہ رہنے کا فیصلہ کریں اور علیحدگی کے بعد بھی آپ میاں بیوی کی طرف سے کوئی ایسی بات جو لوگوں کی مندرجۂ بالا غلط قیاس آرائیوں کی تائید کرتی ہو پیش

نہیں آنی چاہیے، آپ والد صاحب کو اس کا اطمینان دلائیں۔

④ ان کا یہ جملہ غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے۔

⑤ جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص کسی مسلمان پر ایسی بات لگائے جو اس میں نہ ہو اللہ تعالی اس کو دوزخیوں کے لہو اور پیپ کے جمع ہونے کی جگہ رہنے کو دیں گے، یہاں تک کہ اپنے کہے سے باز آئے اور توبہ کرے۔ (اختری بہشتی زیور ساتواں حصہ/ ۳۸)

⑥ فتاوی رشیدیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: اگر والدین نفسانیت سے یا بوجہ اپنی اطاعت نہ کرنے کے طلاق زوجہ کو کہیں نہ بوجہ عذر شرعی کے تو پسر کو طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: طلاق دے دینا چاہیے وہ خواہ کیسے ہی کہیں۔ (تالیفات رشیدیہ/ ۲۲۴)

فتاوی دار العلوم (عزیز الفتاوی مکمل مبوب) سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا ایک فتوی نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: زید اپنے بیٹے عمر کو کہتا ہے کہ تو اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو طلاق دیدے پس اس صورت میں اگر ہندہ صالحہ ہے یا فاجرہ ہے، بہر حال کیا حکم ہے زید کو طلاق دینا باپ کے کہنے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وعن ابن عمر قال كانت تحتی امرأ احبها وكان عمر يكرهها فقال لی طلقها فابيت فاتی عمر رسول الله ﷺ فذكر ذلك له، فقال له رسول الله ﷺ: طلقها (رواه الترمذی وابو داؤد)

قال فی اللمعات قوله طلقها ان كان الحق فی جانب الوالدين

فطلاقها واجب للزوم العقوق، وان كان فی جانب المرأ فان طلقها لرضا الوالدين فهوجائز ... الخ

حدیث مذکور سے واضح ہے کہ باپ کے حکم کو مقدم سمجھے اور عورت کو طلاق دے دے۔ اور صاحب لمعات کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ عورت اگر واقع میں فاجرہ، بدزبان وغیرہ ہے اور باپ حق پر ہے تو طلاق اس صورت میں واجب ہے ورنہ جائز وافضل ہے۔ (۱/ ۱۵۳، ۱۵۴)

⑦ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں ''دعائے خیر اور اچھی دعاء کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں، مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے یا انکار آخرت کی بناء پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لیے دعوت دیتا ہے اس کو فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تاکہ منکر کو غور وفکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقت رنج وغصہ یا دل تنگی کے سبب بددعاء کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آجائے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ بروایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کیا ہے کہ اس جگہ بددعاء سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بددعاء کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ایسی

دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعاء کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بددعاء اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں۔ اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج وغصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے فوراً قبول ہو جاتی ہے؛ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لیے کبھی بددعاء نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور یہ بددعا فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے غزوۂ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرین آخرت اور ان کے فوری مطالبۂ عذاب سے متعلق ہے؛ لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج وغصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال واولاد کے لیے بددعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اس کے فضل وکرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بددعاؤں کو فوراً نافذ نہیں فرماتے تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل جائے۔ (۵۱۷/۴)

⑧ والدین اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس کی حیثیت ہبہ اور بخشش کی ہے، اور اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اس میں تمام اولاد کے ساتھ برابر کا

سلوک کیا جائے، کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینا یا کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم دینا نامناسب ہے، البتہ اولاد میں سے کسی کی نیکی یا اس کی خدمت واطاعت یا اس کی احتیاج کے پیش نظر زیادہ دے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

والدین میں سے کوئی اپنے انتقال کے وقت اپنی ملک میں جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے اس میں ان کی تمام اولاد کو حق وراثت ملتا ہے ان میں کی کوئی اولاد اپنی نافرمانی یا والدین کی ان سے ناراضگی کی وجہ سے حق وراثت سے محروم نہیں ہوتی۔

نوٹ: آپ کو حق وراثت کا تو فکر لگا ہے؛ لیکن آخرت میں والدین کی ناراضگی کی وجہ سے جو معاملہ پیش آنے والا ہے اس کا فکر نہیں۔

(۹) قرآن پاک میں باری تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير﴾ (اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ)۔

(۱۰) کیا واقعۃً آپ نے اس طرح کرتے ہوئے والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ یا آپ کے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟ اگر نہیں تو یہ ایک بہتان ہے جو آپ والدہ پر لگا رہے ہیں اور بہت ہی ناشائستہ قسم کی بدگمانی ہے جو والدہ کے ساتھ کی جارہی ہے، اسی طرح کا الزام وہ بھی اپنی بہو وغیرہ پر لگا سکتے ہیں، اور یہی وہ بدگمانیاں ہیں جس نے آپ کی ازدواجی زندگی کو بے چین کر رکھا ہے، والدین کے اولاد پر بڑے حقوق ہیں اور ان کی فرماں برداری اور خدمت کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں بڑی تاکید آئی ہے، والدین خواہ کیسے ہی برے ہوں ان کی بے ادبی وگستاخی نہ کی جائے، والدین اگر ماریں، پیٹیں، گالی گلوچ کریں، برا بھلا کہیں یا طعن

وتشنیع کرتے رہیں، تو ان کی ایذاؤں کو برداشت کیا جائے اور ان کو الٹ کر جواب نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## بیوہ عورت شادی کر لے تو جنت میں کس کو ملے گی؟

**سوال**: زید نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی، تو انتقال کے بعد جنت میں وہ عورت کس زوج کی رفاقت میں ہوگی؟ زوجِ اول کی رفاقت میں یا زوج ثانی (زید) کی رفاقت میں۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس عورت نے دنیا میں متعدد شوہر کئے ہیں، اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اخیر شوہر کو ملے گی۔ دوسرا یہ کہ اس کو اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کرے گی، اس کو ملے گی۔

اختلف الناس في المرأة إذا كان لها زوجان في الدنيا لأيهما تكون في الآخرة؟ قال بعضهم: تكون لآخرهما، وقال بعضهم: تخير فتختار أيهما شاء ت، وقد جاء في الاثر مايؤيد قول كلا الفريقين: أما من قال هي لآخرهما فقد ذهب إلى ما روي عن معاوية بن أبي سفيان أنه خطب أم الدرداء، فأتتْ وقالت: سمعت أبالدرداء يحدث عن النبي ﷺ أنه قال: المرأ لآخر زوجها في الآخر، وقال إني أردت أن تكون زوجتي في الآخر، فلا تتزوجي بعدي وأما من قال بأنها تخير فذهب إلى ماروي

عن أم حبيبة زوج النبي ﷺ أنها سألت النبي ﷺ، فقالت يارسول الله! المرأ منا ربما يكون لها زوجان لأيهما تكون في الآخرة؟ قال: تخير فتختار أحسنهما خلقاً معها، ثم قال عليه السلام: ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة اهـ "بستان الفقه" أبي الليث السمرقندي ۱۵۱ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۳۲۱،۳۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## دنیا کی عورت جنت میں ساتھ ہوگی

سوال: کیا دنیا کی عورتیں بھی جنت میں ملے گی؟ اگر وہ عورتیں جنت میں چلی جائے جن کے شوہروں کے لیے جہنم لاگو ہو تو کیا وہ دوسرے کی عورتیں بنے گی، یا ان کا مقام کوئی دوسرا ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ان کی وفات ایمان پر ہوئی ہے تو وہ بھی جنت میں اپنے جنتی شوہر کے ساتھ رہے گی، اور جنت کی حوروں کی سردار ہوگی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/شوال ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بیوی کو راضی رکھے یا ماں کو؟

سوال: اگر شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی سے شوہر کی ماں زیادہ کام

لیتی ہے اور بغیر قصور کے اس کو برا بھلا کہتی ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ شریعت سے جائز نہیں اس طرح کے واقعات بھی ہوتے ہیں اور اس کا شوہر سب کچھ سنتا ہے؛ لیکن اگر وہ اپنی ماں کو روکنے جاتا ہے تو اس کے اوپر سب آجاتا ہے، یعنی اس کی ماں کہتی ہے کہ تو اس کا ہو گیا ہے، میری بات نہیں مانتا ہے، ماں کو ناراض کرنا یہ بھی اس کو پسند نہیں، تو اب وہ اس کا شوہر اس طرح کے حالات سامنے ہو تو کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو امر شرعاً ناجائز ہو، اور ماں باپ اس کا حکم کریں تب بھی ان کی اطاعت جائز نہیں۔ (تعدیل حقوق الوالدین، رسالہ امداد الفتاویٰ ۴ / ۴۸۴)

ایسی باتیں احکام شرع سے ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے پیش آتی ہیں، شوہر کو چاہیے کہ اپنے والدین کو ان سے خوب واقف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ماں کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا

سوال: زید کی شادی کو تقریباً چار سال ہو رہے ہیں، اور زید بلساڑ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہے، اور جب سے شادی ہوئی ہے اس وقت سے کبھی بیک وقت چار چھ ماہ ساتھ میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے، صرف سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں ایک ماہ کے لیے جانا ہوتا ہے، اور باقی ایام مدرسہ پر گذرتے ہیں، زید کی بیوی اور ماں دونوں وطن میں ساتھ رہتے ہیں، ساتھ رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی گھریلو معاملات میں تکرار بھی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ماں ہمیشہ ناراض رہتی ہے، ماں کا

کہنا ہے کہ یہ میرا کہنا نہیں مانتی ہے، اور دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ بلا اجازت کے بغیر کسی محرم کے سسرال سے میکہ بھی چلی گئی تھی، اس لیے ماں اور بھی زیادہ ناراض ہوئی ہیں، اب ماں کا کہنا ہے کہ ایسی عورت ساتھ میں رکھنے کے قابل نہیں ہے، اس لیے اس کو علیحدہ کردو یا پھر مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ، اب زید پریشان ہے کہ کیا کرے، اور میاں بیوی میں کوئی شکررنجی نہیں رہتی ہے، لڑکی پڑھی لکھی بھی نہیں ہے؛ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید بیوی کو علیحدہ کرے یا ماں کی ناراضگی اختیار کرے، شریعت مطہرہ کی رو سے مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں ماں کے کہنے کی وجہ سے زید پر اپنی بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں ہے، اپنی بیوی کو الگ نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوگا، مناسب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھے، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ تعدیل حقوق والدین نامی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں، اختری بہشتی زیور کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۸ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## شوہر کا پسندیدہ لباس پہننا

**سوال**: ایک آدمی ہے، اس نے شادی کی، اب وہ چاہتا ہے کہ میری بات مانے اور اس طرح کا میری بیوی لباس پہنے جو کہ مجھ کو پسند ہے، چاہے اس کو پسند نہیں

اور وہ بھی صرف مجھ کو دکھلانے کے لیے پہنتی ہے؛ لیکن اس طرح کا لباس پہننے سے شوہر کے ماں باپ لڑکی کو یعنی کہ اس شخص کی بیوی کو برا بھلا کہتے ہیں، تو اس کے لیے مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر جس وضع قطع کا لباس اپنی بیوی کو پہنانا چاہتا ہے، اگر وہ جائز ہے تو بیوی اس وضع کا لباس شوہر کو خوش کرنے کے لیے پہنے، یہ شرعاً مستحسن اور مطلوب ہے، شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو اس نوع کا لباس پہنانے سے پہلے اپنے والدین کو حقیقت مسئلہ سے آگاہ کر کے بتلائے کہ میرے حکم سے یہ اس لباس کو پہن رہی ہے؛ تاکہ وہ اس کو برا بھلا نہ کہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مظلومہ بیوی کو ماں کے ساتھ رکھنا

سوال: اگر کوئی شخص کی بیوی کے اوپر اس کے گھر والے ظلم کرتے ہو، یعنی شوہر کے گھر والے، اور یہ سب شوہر کو پسند نہیں، اس وجہ سے وہ شوہر اپنے گھر ایک سال کے بعد جاتا ہے، یعنی زیادہ نہیں جاتا ہے، اس لیے کہ اگر جائے گا تو پھر اس شوہر کی ماں اس کی بیوی سے کچھ زیادتی کرے گی اور اس سے برداشت نہیں ہوگا اور یہ آدمی بول پڑے گا، پھر ماں اور بیٹے کے درمیان ان بن ہوگی، اس لیے یہ شخص ایک ایک سال کے بعد جاتا ہے، تو کیا اس طرح کے اس کے جانے میں کوئی خرابی لازم آسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی بیوی کو اس طرح ظلم کے لیے ظالم کے حوالہ چھوڑ دینا جائز نہیں، اگر شوہر جانتا ہے کہ واقعۃً بیوی پر ظلم ہو رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ساتھ رکھے، یا الگ مکان کا نظم کرے؛ البتہ اگر بیوی از خود ان مظالم کو برضاء ورغبت برداشت کر کے ان کے ساتھ رہنے کو تیار ہے، تو اس صورت میں شوہر گنہ گار نہ ہوگا۔ (ہدایہ ۲/۴۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## بیوی سے دو سال دور رہنا

سوال: اگر کوئی آدمی شادی کرے، اس کے بعد وہ ایک سال کے بعد گھر آیا، پھر آیا، آہستہ آہستہ گھر کے ماحول اور دوسرے رشتہ داروں کے ماحول نے اس کا دماغ تنگ کر دیا، مطلب کہ اس کا گھر پر رہنا بھاری ہو گیا، اس کی بیوی بھی اس میں شامل ہے، اب اس نے سوچا کہ اب میں گھر پر دو سال کے بعد آؤں گا اور دو مہینے رہ کر چلا جاؤں گا، اس کے اندر میاں بیوی کے حقوق رہ جاتے ہیں، تو کوئی خرابی لازم آئے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر اپنی عورت کی رضا اور اجازت کے بغیر چار ماہ سے زائد جدا نہ رہے۔

ويجب أن لا يبلغ له مدة الإيلاء إلا برضاها، وطيب نفسها به.

(شامی ۲/۵۴۷)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں (گلی کوچوں میں) گشت لگاتے تھے، کہ ایک مکان سے جوان عورت کی آواز سنائی دی، وہ فراق شوہر میں شعر پڑھ رہی تھی:

| | | |
|---|---|---|
| فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ | | لزحزح من ھذا السریر جوانبہ |

یعنی قسم بخدا! اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا، تو آج چار پائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی، تو کہنے لگی کہ کافی عرصہ ہوا، میرا شوہر جہاد میں گیا ہے، اس کے فراق میں یہ شعر پڑھ رہی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محزون ہوئے، گھر آکر اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت تک صبر کر سکتی ہے؟ عرض کیا کہ چار ماہ؛ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمان جاری کیا کہ، ''شادی شدہ فوجی کو چار ماہ ہونے پر اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے''۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۲۴، ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

# تنگ مکان میں صحبت کی باریاں

سوال: ہمارے دو لڑکے ہیں، دونوں لڑکے کی شادی ہو چکی ہے، کافی عرصہ ہو چکا ہے، قریباً دس سال ہو چکے ہوں گے، ہمارے مکان میں ایک بڑا روم اور چھوٹا سا کمرہ ہے ان میں دونوں لڑکے کی باری ہے، ایک ہفتہ پہلا والا لڑکا چھوٹے کمرہ میں سوتا ہے، پھر دوسرا ہفتہ دوسرا لڑکا اسی طرح پھر تیسرا ہفتہ پہلا لڑکا چوتھا ہفتہ دوسرا لڑکا، ہمارے گھر میں اسی طرح دونوں لڑکے سوتے ہیں؛ لیکن مجھے اپنی بیوی سے صحبت

کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟ اور قیامت کے دن ہم میاں بیوی کی پوچھ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بیوی کا حق ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (ہماری باری ہفتہ کے اعتبار سے ٹھیک ہے یا نہیں؟)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی سے اتنی مقدار میں صحبت کرنا واجب ہے کہ وہ بغیر صحبت کے بے چین ہو کر معصیت میں مبتلاء ہونے سے محفوظ رہے، اور یہ چیز صحت وقوت، عمر اور طبیعت کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض خلفائے راشدین نے زائد سے زائد چار ماہ کا اندازہ کیا ہے کہ اتنی مدت میں صحبت کا اہتمام وانتظام رکھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۲۹)

آپ نے اپنے مکان کی تنگی کے پیشِ نظر اپنے دونوں بیٹوں کے لیے جو ترتیب اختیار کی ہے اس میں ترمیم کر کے آپ میاں بی بی کے لیے بھی ایک ہفتہ چھوٹے کمرہ کا قیام تجویز فرمالیں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اور کوئی قباحت بھی نہیں، ویسے اس ترتیب کو بجائے ہفتہ واری رکھنے کے یومیہ بھی رکھا جاسکتا ہے؛ تاکہ طویل انتظار کی نوبت نہ آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## والدین کی فرماں برداری اور گھر والوں سے حسن سلوک

سوال: ایک ایسا شخص ہے جو اپنے والدین بیوی بچوں سے بداخلاقی سے پیش آتا ہے والدین کی نافرمانی اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے تلخ انداز سے والدین سے گفتگو کرتا ہے اور بیوی بچوں کو کم وقت دیتا ہے اور دوستوں کو طویل وقت

دیتا ہے اور ان کے ساتھ اچھے انداز و کردار سے ان سے پیش آتا ہے اور گھر کے افراد سے اکثر بلا وجہ ناراض رہتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

والدین کی نافرمانی اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا نیز تلخ انداز سے گفتگو کرنا بہت سخت اور کبیرہ گناہ ہے قرآن پاک میں ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کا حکم آیا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے ﴿أن اشكر لي ولوالديك﴾ (یعنی میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گذار ہونا واجب ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اس پر شاہد ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اپنے وقت (مستحب) میں اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب

سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (قرطبی)

① مسند احمد ترمذی ابن ماجہ مستدرک حاکم میں بسند صحیح حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمھیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کردو۔ (مظہری)

② اور جامع ترمذی و مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں۔

③ ابن ماجہ نے بہ روایت حضرت ابو لبابہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنت اور دوزخ ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضی دوزخ میں۔

④ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے بہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کا فرماں بردار رہا اس کے لیے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے اور جو ان کا نافرمان ہوا اس کے لیے جہنم کے دروازے کھلے رہیں گے اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت یا دوزخ کا کھلا رہے گا اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ (یہ جہنم کی وعید) کیا اس صورت میں بھی ہے کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا وإن ظلما وإن ظلما وإن ظلما یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو ایذا رسانی پر جہنم کی وعید ہے خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر

ظلم کیا ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی ان کی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (معارف القرآن ۵/ ۴۵۱، ۴۵۲)

والدین کی خدمت واطاعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے معارف القرآن (۵/ ۴۵۲ تا ۴۵۷) کا مطالعہ فرمالیں۔

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائش اور بلا میں گرفتار ہوگی ان پندرہ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے دوست واحباب کے ساتھ تو بھلائی اور احسان کا سلوک کرے اور باپ کے ساتھ بے رحمی اور بدسلوکی سے پیش آئے۔

(ترمذی ۲/ ۴۴)

بیوی بچوں کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي (سنن الترمذي ۳۸۹۵) (ترجمہ: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھی طرح پیش آتا ہوں) ایسا آدمی جو گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے قابل ملامت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## والدین کی تیمارداری میں کوتاہیوں سے متعلق چند سوالات

**سوال**: راقم کی والدہ کا انتقال ۹/ مئی ۱۹۹۴ء کو ہوا، اس سلسلہ میں اپنے

اشکالات کو کتاب وسنت کی روشنی میں رفع کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ اطمینان بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

① والدہ کی مرضی کے علی الرغم انہیں میں نے اسپتال میں اگرچہ روبہ صحت ہونے ہی کی نیت سے شریک کروایا تھا، ساتھ ہی تیمارداری سے متعلق اپنی سہولت بھی پیش نظر تھی، وہاں گولی کے ردعمل (Reaction) سے طبیعت مزید بگڑ گئی، اس کے بعد ایک دوسرے اسپتال میں طبیعت نسبتاً بہتر ہوئی؛ لیکن آخر وقت میں اچانک مکمل ازالۂ مرض ہی کی غرض سے میں نے پھر طبیب بدل دیا، کیا میرا یہ عمل قابل مواخذہ ہے؟

② شریکِ دواخانہ کرنے کے بعد طبیعت بہتر ہونے کی بجائے بدتر ہوتی گئی، جس سے انہیں پہلے سے بھی زیادہ جسمانی تکلیف رہی، کیا راقم اس سلسلہ میں ایذارساں قرار پائے گا؟

③ کیا طبیب کے مشورہ پر دی گئی ناقابلِ برداشت یا مضر دوا کے لیے تیماردار ذمہ دار ہے؟

④ کیا ادویہ کے ناقابل برداشت یا مضر ہونے کے باعث یا پھر کسی مستقل یا وقتی غم کے باعث موت اپنے وقت سے پہلے آسکتی ہے؟ یا ناقص غذا کے استعمال کو قبل از وقت موت کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو کیا تیماردار یا غیرارادی طور پر رنج پہنچانے والا قاتل تصور ہوگا؟

⑤ بیماری کے دوران اور ادویہ کے ردعمل کے بعد ازالہ کی غرض سے یعنی ازالۂ مرض کی غرض سے پہنچائی گئی ممکنہ راحت باعتبار تغذیہ وباعتبار آرام جسمانی شرعاً کسی مقام کی حامل ہے یا نہیں؟ ایسے وقت میں جب کہ مریض راحت کے ادراک سے

عاری ہے یا عالم نزع میں ہو، اس وقت پہنچائی گئی راحت کسی مقام کی حامل ہے یا نہیں؟ دورانِ بیماری پہنچائی گئی راحت صحت مندی کے دور کی بے اعتنائی کا کفارہ ثابت ہوکر عند اللہ شرفِ قبولیت پاسکتی ہے یا نہیں؟

⑥ آخر وقت یقیناً ایک رنج والدہ کو مجھ سے پہنچا ہے، وہ یہ کہ میں نے ان کے انتقال سے چند ماہ قبل اپنے چھوٹے بھائی کو مکان سے علاحدہ کردیا؛ اس لیے کہ اس نے روزگار کے یقینی ذریعہ کو اختیار کرنے سے انکار کردیا، اور غیر یقینی ذریعہ پر اکتفاء کرنے کا اظہار کیا، میں نے یہ اقدام چار ماہ کی بے روزگاری برداشت کرنے کے بعد اضطراراً کیا؛ البتہ والدہ سے گھر پر آکر ملنے کی اجازت دی، قیام وطعام کی اجازت نہیں دی، واضح رہے کہ میری معاشی پوزیشن مستحکم ہوتی تو میں یہ اقدام قطعی نہیں کرتا، مجبوراً کیے گیے میرے اس اقدام سے اگر والدہ کو رنج پہنچا ہے، تو کیا میں کسی قسم کے مواخذہ سے بری نہیں ہوسکوں گا؟

⑦ میں اس بات کا اعتراف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ والدہ کی مطلوب خدمت سے قاصر رہا، ان کے اکثر منشاء کی تکمیل نہیں ہو پائی، مرض الموت کے حملہ سے قبل ایک آنکھ کا آپریشن وقت پر نہیں کروا پایا، اب صحت یابی کے بعد ارادہ تھا؛ لیکن ارادہ کی تکمیل کا موقع ہی نہیں ملا، تیمارداری کے دوران بھی یقینی طور پر چڑچڑاہٹ کے باعث میری زبان سے انہیں تکلیف پہنچی ہوگی؛ لیکن محض شفقت کے باعث انہوں نے اظہار نہیں کیا، اس لیے ان کی نافرمانی، منشاء کی عدم تکمیل، خدمات میں کوتاہی، دل آزاری کے ازالہ کی ممکنہ صورتیں بالتفصیل بتلائیں تو مناسب ہوگا۔

⑧ کیا عالم برزخ میں ازالہ کی کوششوں کا والدہ کو ادراک کروایا جانا یقینی ہے؟

اور انہیں ان سے دنیا ہی کی طرح مسرت حاصل ہوگی؟ کیا دنیا ہی کی طرح وہ میرے ان اعمال کی بنیاد پر خفگی کے دور ہونے اور رضا مند ہونے کا اظہار کریں گی؟

⑨ والدہ کے تعلق سے مجھ سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئیں، ان کا مجھے بار بار خیال آرہا ہے، خیالات کا آنا تو رک نہیں سکتا؛ البتہ اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر سے اپنے دل کو کیا کہہ کر مطمئن کیا جا سکتا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں مواخذہ کا مدار نیت پر ہے، جب کہ آپ کی اصل نیت ان کو جلد صحت یاب کرانے کی تھی، اگرچہ ضمناً تیمارداری کی سہولت بھی مدنظر ہو تب تو مواخذہ نہیں ہے۔

② آپ ایذا رساں نہیں ہیں۔

③ اگر تیماردار کو اس دوائی کی ضرر رسانی کا علم نہیں ہے، تو صورت مسئولہ میں ذمہ دار نہیں ہے۔

④ موت اپنے وقت مقررہ پر ہی آتی ہے، اس میں تقدم وتأخر نہیں ہوتا۔

⑤ چاہے مریض اس راحت کے ادراک سے عاری ہو پھر بھی عند اللہ راحت پہنچانے والے کا یہ عمل موجب اجر ہے، اور سابقہ بے اعتنائی کی تلافی بھی کرسکتا ہے۔

⑥ بھائی کے ساتھ کیا گیا یہ معاملہ اس کے اعتبار سے معقول ضرور ہے؛ لیکن اگر اس پر والدہ رنجیدہ ہوئی تھیں تو اس کی تلافی ضروری تھی۔

⑦ ان کے لیے دعائے مغفرت، مختلف نیکیوں (مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، صدقہ، تلاوتِ کلامِ پاک، حج، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ کا) ثواب ان کو

پہنچانا، ان کی سہیلیوں اور ملنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک (آپ کے بھائی بہنوں کے ساتھ اس نیت سے حسنِ سلوک کہ یہ اپنی ماں کی اولاد ہے یہ بھی اس میں داخل ہے)، ہر جمعہ کو ان کی قبر کی زیارت وغیرہ بھی۔ آپ اس سلسلہ میں فضائل صدقات حصہ اول ۲۰۵ تا ۲۰۷ حدیث نمبر ۴ اور اس کی تشریح کا مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا۔

⑧ بعض روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں ان کو اس کا ادراک کروایا جاتا ہے، اور وہ اس پر خوش بھی ہوتے ہیں۔

⑨ نمبر ۷ میں ذکر کردہ امور کا اہتمام کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ طمانینت بھی حاصل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

## ہمشیرہ سے صلہ رحمی پر والدین کا قطع رحمی پر اصرار

(سوال): حضرت چند مسئلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے تسلی بخش جواب دو گے۔ آج سے چند سال قبل یعنی انیس سو ستاسی ۱۹۸۷ء ہمارے گھر میں رشتہ کی بات چلی تھی یعنی بڑی ہمشیرہ کی رشتہ کی بات۔ میری ہمشیرہ حافظ قرآن ہے۔ اور والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی یہ خواہش تھی کہ ہمشیرہ کی شادی کسی حافظ قرآن سے ہونی چاہیے یا دین دار نمازی سے۔ لیکن میرے والد صاحب کے بڑے بھائی ہیں ان کا ایک لڑکا تھا وہ ان دنوں میں یونیورسٹی میں تعلیم پذیر تھا وہ ہمارے گھر میں آتا جاتا تھا کبھی کبھی والد صاحب ان کو لے آتے تھے۔

کیوں کہ تایا جان وغیرہ پاکستان میں تھے۔ میرے تایا جان کا لڑکا میری ہمشیرہ کو پسند کرتا تھا اور ہمشیرہ بھی ان کو پسند کرتی تھیں۔ والد صاحب اس رشتہ سے خوش نہ تھے۔ ہمارے دوسرے قریب کے رشتہ دار اس رشتہ پر راضی تھے۔ بہر حال بات چلتی رہی۔ تایا جان پاکستان سے آئے تو انہوں نے ہمارے گھر آ کر رشتہ مانگا۔ لیکن والدین نے یہ رشتہ نہیں دیا۔ بات کافی حد تک بڑھ گئی۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کو بھی سمجھایا کہ تم تایا جان کے لڑکے کو بھول جاؤ اور والدین کی بات مان لو لیکن وہ نہیں مانی۔ اور کہتی تھی کہ میں شادی اسی کے ساتھ کروں گی۔ اگر میری شادی کسی اور کے ساتھ کر دی تو میں خود مر جاؤں گی یا اس کو مار دوں گی۔ میں نے پھر آخر میں والدین کو سمجھایا کہ آپ ہمشیرہ کی شادی کر دو جہاں وہ کہتی ہے۔ والدین مجھ پر ناراض ہو گئے۔ ایک دن اس لڑکے کو خبر ملی کہ یہ رشتہ نہیں ہو رہا ہے۔ تو اس نے بہت سی گولیاں کھائیں اس کو پھر اچانک ہسپتال لے جانا پڑا اللہ نے اس کو بچا لیا۔ بات چلتی رہی۔ میں پھر دو ماہ کے لیے اللہ کے راستے میں چلا گیا۔ میں جماعت میں رہا۔ میرے بعد جیسا کہ میں نے سنا اپنے بھائیوں سے کہ میرے والد صاحب نے میری ہمشیرہ کو بہت مارا کہ تم اس رشتہ سے انکار کرو۔ لیکن وہ نہیں مانی۔ پھر میرا ایک بھائی دوڑتا ہوا تایا جان کے گھر گیا جو کہ بڑے تایا سے چھوٹے ہیں اور ان سے کہا کہ والد صاحب ہمشیرہ کو بہت مار رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور والد صاحب کو سمجھایا کہ تم لڑکی کو مت مارو لیکن والد صاحب نے کہا کہ تم لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ۔ تایا جان پھر ہمشیرہ کو اپنے گھر لے گئے اور اس کو وہاں سمجھایا۔ لیکن وہ کہتی تھی کہ میں دوبارہ گھر نہیں جاؤں گی کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ تایا جان نے گھر میں پیغام بھجوایا کہ تم آ کر

لڑکی کو لے جاؤ لیکن وہ کہتے تھے ہمیں نہیں چاہیے۔ اور ہمشیرہ بھی گھر آنے کو تیار نہیں تھی۔ پھر ایک دو ہفتہ کے بعد تایا جان نے ہمشیرہ کی شادی اسی لڑکے سے کر دی یہ سارے حالات میرے بعد میں ہوئے۔ واللہ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا اب اس واقعہ کو چھ سال ہو گئے ہیں میرے والدین ہمشیرہ کو نہیں ملتے۔ اور نہ ہی اپنے دو بھائیوں کو جنہوں نے یہ رشتہ کروایا۔ والدین کہتے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں انہوں نے ہماری عزت پر ڈاکہ مارا یعنی ہماری عزت لوٹی۔ اب بات یہ ہے کہ ہم اپنی ہمشیرہ کو ملتے ہیں ہم چار بھائی اور ایک بہن ان کو ملتے ہیں۔ اب والدین یہ کہتے ہیں کہ تم یعنی ہم والدین کی نافرمانی کرتے ہیں اور حدیث سناتے ہیں جو والدین کی نافرمانی کرے گا ان کی اولاد بھی آگے جا کر ان کی نافرمانی کرے گی۔ والدین اسی بات پر ہمیں بددعا دیتے ہیں کہ خدا تم کو سکون نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ۔ والدین کہتے ہیں کہ وہ ہمارے دشمن ہیں اور تم ان کو ملتے ہو یعنی ہمشیرہ کو ہم ملتے ہیں یہ والدین کی نافرمانی ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ جو کہ خدا معاف نہیں کرے گا اب میں آپ سے یہ سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم اس معاملے میں نافرمانی کر رہے ہیں؟ کیا یہ گناہ کبیرہ ہے؟ اور اس خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں ہمشیرہ کی شادی میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ میں تبلیغی جماعت میں گیا ہوا تھا اور ہمشیرہ کے رشتہ کے معاملہ میں میں نے ہمشیرہ کو بھی سمجھایا تھا اور والدین کو بھی۔ آپ مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ واضح بیان کر دیں۔ یہ ناچیز آپ کا شکر گذار ہوگا۔ فقط والسلام۔

آخری بات جس کے ساتھ ہمشیرہ کی شادی ہوئی ہے وہ لڑکا پانچ وقت کا نمازی نہیں ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے لیکن پوری پابندی نہیں کرتا ہے۔ اور کیا والد صاحب کی

جائداد میں ہمشیرہ کا بھی حصہ ہے۔ کیوں کہ والدین ان سے بالکل ہی نہیں ملتے۔ اس کا جواب جلد دیں۔ جزاک اللہ

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قرآن مجید اور حدیث شریف میں والدین کے ساتھ حسن سلوک ان کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی خدمت وشکر گذاری کی بڑی تاکید آئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تبارک وتعالی نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے۔ ﴿وقضى ربّك الّا تعبدوا الّا ايّاه و بالوالدين احسانا﴾ (تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو) سورۂ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے ﴿أن اشكر لى ولوالديك﴾ (میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی) والدین کی نافرمانی ان کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی پر احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''وہ دونوں (ماں باپ) تیری جنت ہیں یا دوزخ'' مطلب یہ کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے۔ اور ان کی بے ادبی اور گستاخی دوزخ میں۔ البتہ شریعت میں تمام احکام کے لیے کچھ حدود وقیود مقرر ہیں۔ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے لیے بھی شریعت میں حدود مقرر فرمائے ہیں۔ چناں چہ اس پر علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے۔ ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق (یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز

نہیں)۔(معارف القرآن ۵/۴۵۶)

شریعت میں صلہ رحمی کی تاکید اور اس کا حکم موجود ہے۔اور قطع رحمی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔اور صلہ رحمی کا ادنی درجہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ سلام وکلام کا معاملہ رکھے۔آپ بھائیوں کا اپنی ہمشیرہ سے یہ تعلق باقی رکھنا عین صلہ رحمی کا تقاضہ ہے۔اور والدین کی طرف سے اس کے ساتھ قطع تعلق کا مطالبہ قطع رحمی ہے۔جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔اس لیے اس معاملہ میں آپ پر ضروری نہیں ہے کہ آپ والدین کے بات پر عمل کریں۔اور والدین کا یہ مطالبہ پورا کرنے پر آپ والدین کے نافرمان شمار نہیں ہوں گے۔والدین کو خود بھی چاہیے کہ وہ آپ سے ایسا مطالبہ نہ کریں۔لیکن احکام شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر اگر وہ ایسا کر رہے ہیں تو آپ ان کے اس غلط مطالبہ کو تو پورا نہ کریں لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ حسن سلوک،ادب اور اطاعت سے پیش آئیں۔اور ان کی اس زیادتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں ساتھ ہی ان کے لیے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالی اس معاملہ میں ان کو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آپ کی ہمشیرہ سے والدین کی اس ناراضگی کے باوجود اگر والدین میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو بہ حیثیت بیٹی کے آپ کی ہمشیرہ کو بھی ان کے ترکہ میں حصۂ وراثت ملے گا بلکہ اگر والدین یہ وصیت کر جائیں کہ اس کو حصۂ میراث نہ دیا جائے تب بھی وہ حق دار ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری،۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح:عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# ذکر، دعا، سلام وغیرہ کے مسائل

## کسی کے نام محمد پر درود شریف کی علامت لگانا

**سوال**: اگر کوئی آدمی اپنا نام محمد رکھے اور اس کے اوپرؐ اس طرح لگا سکتا ہے؟ حالاں کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' اس طرح جب وہ لکھے گا اس وقت اس کے دل میں یہ نیت ہے کہ میں محمد کا غلام ہوں، بذات خود نہیں ہوں، تو اس کا نام محمد ہونے کے ناطے اس کے اوپر اس طرح کا محمد کا ''ص'' رکھنا کیسا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب لفظ محمد اس آدمی کے لیے بطورِ علم استعمال ہو رہا ہے، تو اس پر درود شریف کی علامت کے طور پر استعمال ہونے والا ''ص'' لگانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## لفظ ''علیہ السلام'' کا استعمال غیر نبی کے لیے

**سوال**: لفظ ''علیہ السلام'' انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی کسی پر بولا جا سکتا ہے جیسے حسن علیہ السلام، اگر ایسا لفظ بولا اور لکھا جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ تاریخِ اسلام مولانا نجیب اکبر میں موصوف نے کئی جگہ حسن اور حسین کو علیہ السلام صراحۃً لکھا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''صلوۃ'' کا لفظ اصالۃً انبیاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، دوسرے کے لیے ضمناً وتبعاً کر سکتے ہیں جب کہ سلام کا صیغہ اصالۃ بھی غیرِ نبی کے لیے کیا جا سکتا ہے، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد میں غیر نبی کے لیے استعمال ہوا ہے، تفصیلی بحث فتاویٰ محمودیہ جلد اول از ۳۹۸ تا ۴۰۷ دیکھ لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کلمۂ ترضی کا استعمال ائمۂ اربعہ پر

سوال: ائمۂ اربعہ کو ''رضی اللہ عنہم'' لکھنا، کیا یہ صحیح ہے؟ جب کہ بڑی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کلمۂ ترضی کا استعمال ائمہ کے حق میں بھی درست ہے۔ (درمختار علی ھامش الشامی ۵/۵۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۶ / محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کلمۂ ترضی وترحم کا استعمال

سوال: رضی اللہ عنہ یہ صحابہ کے ساتھ خاص ہے، پھر بعض جگہ ائمہ اربعہ کے نام کے ساتھ کیوں لکھا جاتا ہے؟ یہ کسی امام کے نام کے ساتھ لکھے تو کیا مطلب ہوگا؟ کیا

وہی مطلب ہوگا جو صحابہ کے ساتھ خاص ہے؟ سمجھائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کے لیے کلمۂ ترضی، اور تابعین ودیگر صلحاء وعلماء کے لیے کلمۂ ترحم استعمال کرے؛ لیکن اس کے برعکس صورت بھی جائز ہے۔

وكذا يجوز عكسه؛ الترحم للصحابة، والترضي للتابعين ومن بعدهم(در مختار على هامش الشامي٥/٥٣٢)

آپ کا کلمۂ ترضی کو صحابہ کے لیے مخصوص سمجھنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## درود تاج اور درود لکھی کا ورد

سوال: ہمارے علمائے دین درود تاج اور درودِ لکّھی سے کیوں منع کرتے ہیں؟ اچھا اس میں کیا خرابی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درود تاج میں حضور ﷺ کے لیے دافع البلاء، والوبا، والقحط، والمرض، والالم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جو موہمِ شرک ہیں، اور عوام میں مفسدہ کا باعث ہیں، اس لیے قابل اجتناب واحتراز ہے، سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں درود بھیجنے کے لیے دوسرے صحیح درود شریف بہت ہیں، ان کو ہی پڑھا جائے۔ (خیر الفتاویٰ ۱/۳۳۸)

درودِ لکّھی کے متعلق جو فضائل بیان کئے جاتے ہیں، وہ سب بے بنیاد ہیں، صحیح حدیثوں میں درود شریف کے جو صیغے آتے ہیں، ان کو چھوڑنا اور اس درود میں بہت

کچھ ثواب کی امید رکھنا اور اس کا ورد کرنا گمراہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

## ذاکرین کے مجمع میں زور سے تلاوت کرنا

سوال: صبح کی نماز کے بعد اکثر لوگ ذکر اللہ میں بیٹھتے ہیں جو خاموشی سے ذکر کرتے ہیں، ایسی جگہ پر اگر کوئی شخص زور سے قرآن شریف پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وہاں کوئی نماز میں مشغول نہیں ہے تو درمیانی جہر سے پڑھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سوئے ہوئے شخص کے پاس زور سے تلاوت کرنا

سوال: ایک صاحب سو رہے ہوں اور دوسرے صاحب زور سے قرآن شریف پڑھیں تو نیند اڑ جاتی ہے، ایسی حالت میں قرأت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سونے کے اوقات میں جب لوگ اپنے گھروں میں سو رہے ہوں، اس وقت کسی کا اتنی زور سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا کہ ان کی نیند میں خلل ہو درست نہیں ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ۱ / ۴۸۸ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# بوری شیعہ کو سلام کرنا

سوال: کیا بوری شیعہ اسلام سے خارج ہیں؟ کیوں؟ کیا ان کو سلام کر سکتے ہیں؟ اگر وہ سلام کریں تو اس کا کیا جواب دیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

شیعوں کے بہت فرقے ہیں، بعض کافر ہیں، مثلاً جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں، یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ (کفایت المفتی ۱/۲۸۶)

چوں کہ مذکورہ تمام صورتوں میں نصوصِ قطعیہ متواترہ کی تکذیب لازم آتی ہے، اس لیے تکفیر کی جاتی ہے، ان لوگوں کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ لوگ سلام کریں تو جواب میں "وعلیکم" کہہ دیا جائے۔ یا "هداك الله" کہہ دینا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# ہر سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا

سوال: ایک شخص سے روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ملاقات ہوتی ہو، اور وہ ہر دفعہ سلام کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاوے، تو اس طرح ہر دفعہ مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حدیث پاک میں مصافحہ کی بڑی فضیلت آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مامن مسلمين يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا" (ابوداؤد شریف) جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں، تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی ان کی مغفرت ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باہم ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ مسنون و مستحب ہے۔ چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاذکار" میں فرماتے ہیں: اعلم انها سنة مجمع عليها عند التلاقى (الاذکار:۲۳۶)

بوقتِ ملاقات مصافحہ کا مسنون ہونا متفق علیہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقاة (مرقات شرح مشکوٰۃ ۵۷۵/۴) مشروع مصافحہ کا محل شروع ملاقات کا وقت ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا جب تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں سے مصافحہ فرماتے تھے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: مالقيته قط الا صافحني (ابوداؤد کتاب الادب باب فی المعانقة) میں نے جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ فرمایا؛ چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اعلم ان هذه المصافحة مستحبة عند كل لقاء (الاذکار:۲۳۷) کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ہر ملاقات کے وقت سلام کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اس کو ضروری اور لازم نہ سمجھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# ذکر وتلاوت میں مشغول شخص کو سلام ومصافحہ کرنا

سوال: جماعت خانہ میں کوئی شخص ذکر، تلاوت یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھانا کیسا ہے؟

نوٹ: ہمارے امام صاحب ہمیشہ جواباً ہر نماز سے پہلے یا کبھی نماز کے بعد ایک شخص سے مصافحہ کیا کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص مسجد میں ذکر، تلاوت یا تسبیح میں مشغول ہو اس کو سلام ومصافحہ نہ کیا جائے، مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے: سلامك مكروه على من ستسمع ومن بعد ما ابدیٰ يسنّ ويشرع مصل وتال، ذاكر، ومحدث (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قوله سلامك مكروه) ظاهره التحريم ط (شامی ۱/۴۵۵) یعنی اس قسم کے لوگوں کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں یأثم بالسلام على المشغولين بالخطبة او الصلوٰة او قراءة القرآن (۱/۴۵۶) جو حضرات نماز خطبہ یا تلاوت قرآن میں مشغول ہوں ان کو سلام کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

اور آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ: اگر کسی نے ان کو سلام کیا تو ان پر جواب لازم نہیں ہے: يكره السلام على المصلى والقارى وا لجالس للقضاء او

البحث فی الفقه او التخلی، ولو سلم علیهم لا یجب علیهم الرد؛ لانهم في غیر محله اھ ومفاده ان کل محل لا یشرع فیه السلام لا یجب رده الخ (شامی ۱/۴۵۷)

نوٹ میں تحریر کردہ عبارت سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ اس کی وضاحت کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## شر پسند اور جن سے جواب کی توقع نہ ہو ایسوں کو سلام کرنا

سوال: ① بعض لوگ سلام کا جواب دیتے ہوئے نظر نہیں آتے، اور وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان کو سمجھایا جاوے تو کیا ایسے لوگوں کو سلام نہ کروں؛ تاکہ وہ ترک جواب سلام کے گناہ سے محفوظ رہیں؟

② بعض لوگ ایسے شریر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو سلام کروں تو قریب ہوکر شر پہنچائیں گے تو کیا ان کے شر سے بچنے کے لیے دور سے بغیر ان کو دیکھے اور سلام کیے گذر جایا کروں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وفی النهر عن صدرا لدین الغزی:

| | | |
|---|---|---|
| سلامك مكروه على من ستسمع | | ومن بعد ما أبدئ يسن ويشرع |
| مصل وتال ذاكر ومحدث | | خطيب ومن يصغى إليهم ويسمع |

| | |
|---|---|
| مكـرر فقـه جـالس لقضـائه | ومن بحثوا فی الفقه عهم لينفعوا |
| مؤذن ايضا أو مقيم مدرس | كذا الاجنبيات الفتيات امنع |
| ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم | ومـن هـو مـع اهـل له يتمتـع |
| ودع كافرا ايضا ومكشوف عورة | ومن هو فی حال التغوط اشنع |
| ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا | وتعلـم منـه انـه ليـس يمنـع |

وفی الشامية تحت قوله (مدرس)

| | |
|---|---|
| وزدعدزنـدق وشـيخ ممـازح | ولاغ وكـذاب لكـذب يشـيع |
| ومن ينظر النسوان فی السوق عامدا | ومن دابه سب الانام ويردع |
| ومن جلسوا فی مسجد لصلاتهم | وتسبيحهم هذا عن البعض يسمع |
| ولا تنس من لبی هنالك صرحوا | فكن عارفا ياصاح تحظی وترفع |

(درمختار مع الشامی زکریا ۲/۳۷۳تا۳۷۵)

مندرجہ بالا عبارت میں ایسے آدمیوں کی فہرست دی گئی ہے جن کو سلام نہیں کرنا چاہیے، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی خاص مشغولی کی وجہ سے سلام کا جواب نہیں دے سکتے، بعض وہ ہیں جو کسی ناشائستہ حالت میں ہیں کہ اس حالت میں ان کو سلام کرنا مناسب نہیں؛ بہر حال آپ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس میں اگر آپ ان لوگوں کو جو آپ کے سلام کا جواب نہیں دیتے اس لیے سلام نہ کریں کہ وہ لوگ ترک جواب سلام کے گناہ سے محفوظ رہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ چوں کہ سلام کا جواب سلام

کرنے والے کے حق کے طور پر واجب کیا گیا ہے اور اسی لیے اس کے ترک پر گناہ ہے، اگر آپ سلام کرنے کے ساتھ ساتھ یہ نیت کرلیں کہ اگر اس نے جواب دے دیا تو اس کا احسان ہے ورنہ میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں۔

② ایسوں کو بھی سلام نہ کرنے کی گنجائش ہے جیسا کہ عبارت بالا سے معلوم ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بیک وقت دو آدمی ایک دوسرے کو سلام کرے تو جواب کون دے؟

**سوال**: ایک وقت میں دونوں آدمیوں نے (آمنے سامنے) سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں پر جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدين عن التاتارخانية: فإن سلما معا يرد كل واحدة (ردالمحتار ٥/٢٦٧) (ماخوذ از احسن الفتاوی ٩/٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا

**سوال**: ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دے کر دو ہاتھ سے بدعت کہتے ہیں، اور بخاری میں جو "أخذ باليدين" آیا ہے، فرماتے ہیں اس سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہے دو ہاتھ کا نہیں، اس کی مدلل تشریح چاہیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع فتویٰ پیش کرتا ہوں: ”مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے، اور غیر مقلدین جس حدیث کو پیش کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا، تب ہی تو صحابی کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان ہو گیا، اور صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو، یہ حدیث اس بارے میں قطعی نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب دونوں طرف سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ ہوگا تو لامحالہ ایک ہاتھ دو ہاتھوں کے درمیان ہوگا، اور یہاں صحابی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنی سعادت مندی بیان فرما رہے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، یہ بتلانا مقصود نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، اور صحابہ سے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائیں، اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں۔ (ایسی بے ادبی وبے تہذیبی تو غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا ایک اثر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا نقل فرمایا ہے اور اس کے بعد اسی اثر سے مصافحہ کے دو ہاتھ سے ہونے پر استدلال فرمایا ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بھی پیش کیا کہ انھوں نے محدث کبیر امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا، اگر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہوتا تو یہ حضرات محدثین ضرور اس پر نکیر فرماتے۔ ملاحظہ ہو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”باب المصافحة“ قال ابن مسعود: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد وكفي بين كفيه حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد کی تعلیم فرمائی اس حالت میں کہ میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا۔ (خیال رہے کہ یہ تعلیم کا موقعہ ہے، جس طرح بیعت کے وقت ہوتا ہے) اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے "باب الأخذ باليدين" (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا) اور اس کے ثبوت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہی اثر اور حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

"باب الأخذ باليدين" وصافح حماد بن زيد ابن مبارك بيديه، حدثنا أبونعيم، قال:حدثنا سيف بن سليمان، قال: سمعت مجاهدا يقول: حدثني عبدالله بن مخبرة أبومعمر، قال: سمعت ا بن مسعود يقول: علمني النبي ﷺ وكفى بين كفيه التشهد كما يعلمني السور (بخاری ۲/۹۲۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز سے بین طور پر ثابت ہوا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔

شامی میں ہے: والسنة أن تكون بكلتا يديه (درمختار والشامی ۵/۳۳۶)

مجالس الابرار میں ہے: والسنة فيها ان تكون بكلتا ا ليدين.

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ (مجالس الابرار ۲۹۸ م ۵۰)

ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں (یہاں بغرضِ اختصار فارسی عبارت حذف کر کے صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے): تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔ مجالس الابرار میں ہے: "والسنة ان تكون بكلتا يديه" مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے ہو۔ انتہی۔

"درمختار" اور "جامع الرموز" میں بھی ایسا ہی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا تصافح المسلمان الخ۔ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ انتہی۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں لفظ "اکفھما" (اکف کف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ہاتھوں) کی جگہ "کفاھما" ہوتا، اور اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ تعلیق ہے جو "باب الأخذ بالیدین" میں ہے "وصافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیه" حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ انتہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر جو بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت قرآن کی تعلیم کی طرح تشہد یعنی التحیات للہ الخ کی تعلیم دی اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونے والا مسنون مصافحہ نہ تھا؛ بلکہ یہ تعلیم کے لیے تھا، کیوں کہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لیے اپنے چھوٹوں کا ایک یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں، اور اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں سے ہورہا ہے، اور ابن مسعود کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے؛ بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے، کیوں کہ "کف" واحد کے لیے نہیں؛ بلکہ

جنس کے معنی میں ہے، اور اسی طرح لفظ "ید" کا استعمال محاورات عرب، آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں بمعنی جنس ثابت ہے، تو اس صورت میں لفظ "ید" ایک اور دو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا، اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقعہ پر لفظ ید آیا ہے، اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ بالید وارد ہے، اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں؛ بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے؛ البتہ اگر کسی جگہ حدیث صحیح اور صریح سے یہ بات معلوم ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے، تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا پڑے گا، اور اس تصریح صریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو مبوب ص ۱۱۷ مطبوعہ پاکستان)

اس حدیث کے متعلق محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ تذکرۃ الخلیل میں ہے: ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے، اور بندہ ہمراہ تھا، چند اہلِ حدیث ملنے آئے، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، حضرت نے حسبِ عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح ہونا چاہیے، وہ بولے حدیث میں ہے صحابی کہتے ہیں: "وكان يدي في يديه ﷺ" میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا، آپ نے بے ساختہ فرمایا، پھر متبع سنت (نبوی) ہم ہوئے یا تم؟ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴) لہٰذا مصافحہ دو ہاتھ سے ہی مسنون ہے نہ کہ ایک ہاتھ سے۔ فقط۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۰۸ تا ۳۱۳)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثم المصافحة باليد الواحدة من شعار أهل الباطل في زماننا، فلاينبغي التشبه بهم بترك

ماھو المتوارث المتعارف بین المسلمین (یعنی ہمارے زمانہ میں ایک ہاتھ سے مصافحہ اہلِ باطل کا شعار بن چکا ہے؛ اس لیے جو طریقہ مسلمانوں میں بطریقِ توارث معروف ہے، اس کو چھوڑ کر اہلِ باطل کا تشبہ اختیار کرنا درست نہیں) (اعلاء السنن ۱۷/ ۴۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

## دورانِ تلاوت یا دورانِ طہارت ان شاء اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال: قرآن پاک کی تلاوت کے دوران اگر یہ یاد آئے کہ فلاں کام کروں گا یا انشاء اللہ خدا یہ کام کروا دے گا، اس کے لیے انشاء اللہ کہاں استعمال کریں؟ تلاوت کے دوران ہی یا جہاں رکنے کی جگہ آئے تب؟ اور اگر طہارت خانے اور غسل خانے کے دوران جب یاد آئے تو کیا وہاں انشاء اللہ کہہ سکتا ہوں یا باہر آنے کے بعد کہنا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اصل تو یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کے دوران دوسری باتوں کی طرف دھیان نہ دے؛ لیکن اگر غیر اختیاری طور پر ایسی صورت پیش آجائے تو دورانِ تلاوت لفظ انشاء اللہ نہ کہیں؛ بلکہ رکنے کی جگہ آئے تب کہیں، غسل خانہ اور نجاست کے مقام میں انشاء اللہ زبان سے کہنا درست نہیں دل میں تصور کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ”یرحمك الله“ کے جواب میں ”یھدیکم الله“ کہنا

سوال: ”یرحمك الله“ کے جواب میں ”یھدیکم الله“ کہنا واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## شادی کے کارڈ پر ۷۸۶ لکھنا

سوال: ۷۸۶ لکھ کر اس سے مراد بسم اللہ لیتے ہیں، اور اکثر شادی کارڈ پر لکھتے ہیں تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، اور اس طرح عدد لکھ دینے سے خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حق ادا ہوا نہیں سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تسبیحات سے گناہ کا معاف ہونا

سوال: بزرگان دین صبح اور شام جو تسبیح بتاتے ہیں اس میں ایک استغفار ہوتا ہے: "استغفر اللہ ربي...... وأتوب إليه" تک جو پڑھنا ہے، اس سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پچھلے گناہوں پر ندامت اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کے عزم کے ساتھ استغفار کرے گا، تو یہ توبہ ہونے کی وجہ سے صغیرہ، کبیرہ دونوں معاف

ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۳ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت

سوال: اگر کوئی دین سے واقف شخص خودکشی کرے، اس کے بعد اس کے اقارب اور متعلقین اس کے لیے دعائے مغفرت کریں تو کیا اس شخص کی مغفرت ہو جائے گی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، اور اس پر بہت سخت وعید آئی ہے؛ لیکن اس گناہ کی وجہ سے وہ آدمی ایمان اسلام سے نکلتا نہیں ہے، اس لیے اس کے اعزہ و اقارب اس کے واسطے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں؛ بلکہ ان کو ایسا کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی کریم ذات سے امید ہے کہ وہ مرنے والے کی مغفرت فرما دے؛ ورنہ وہ آدمی اپنے گناہوں کی سزا پا کر آخر میں جنت میں جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# كتاب السياسة

# کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟

سوال: ہندوستان دار الامن ہے یا دار الحرب؟ اگر دار الحرب ہے تو اس کی وجوہات لکھیں، اور اگر دار الامن ہے تو اس کی وجہ لکھیں، اتنا ضرور ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو امن نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دار الحرب کی تعریف وشروط میں ائمہ کے اقوال وعلماء کے فتاویٰ مختلف ہیں:

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے، جیسا کہ ''فتاوی عزیزی'' اور ''صراط مستقیم'' میں مذکور ہے، مولانا عبد الحی لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ نے دار الاسلام مانا ہے، جیسا کہ ان کے فتاوی میں ہے۔

جن اسباب کی بناء پر دار الحرب قرار دیا گیا، وہ اِس وقت پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ موجود ہیں، جن اسباب کی وجہ سے دار الاسلام مانا گیا تھا وہ بھی مفقود نہیں ہوئے۔ (ہاں بعض خطے ضرور ایسے ہو گئے ہیں کہ دار الاسلام ہونے کے اسباب وہاں قطعاً مفقود ہیں؛ لیکن مجموعی ہند کی یہ حالت نہیں الخ) (فتاوی محمودیہ ۵/ ۳۴۷، ۳۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# ہندوستان میں نظامِ قضاء کے اجراء کا شرعی حکم

سوال: سلطنتِ اسلامیہ کے زوال سے ملتِ اسلامیہ ہند گوناں گوں شرعی مسائل سے دوچار ہوئی، سامراجی دورِ سیاہ نے اہلِ اسلام کو صرف مادی وسائل سے ہی محروم نہیں کیا بلکہ بتدریج ہر اس نظام کو ختم کیا جس سے وابستہ رہ کر مسلمان اپنی اجتماعیت برقرار رکھ سکتے تھے، اور وہ آپسی نزاع وجدال سے بلند ہوکر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوسکتے تھے، الحاصل مسلمانانِ ہند کو اپنے مذہب سے بےگانہ بنانے، اور سامراجی نظام کا غلام بنانے کی ہر تدبیر روبہ عمل لائی گئی، اسلامی نظامِ تعلیم کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون عدالتوں سے مٹایا گیا، اس مذموم افرنگی سازش میں جن اسلامی اقدار کی پامالی ہوئی ان میں اسلامی نظامِ قضا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

اربابِ فقہ وبصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں نظامِ قضا کا وجود انتہائی اہم اور ضروری ہے، کیوں کہ مسلمانوں کی زندگی میں روزمرہ ایسے مسائل کا پیش آنا ناگزیر ہے جن کے تصفیہ کے لیے قضاءِ قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے، جن کا حل قاضی شرع کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے بغیر قضائے قاضی وہ مسائل معرضِ تعویق میں پڑے رہتے ہیں فقہاءِ اسلام نے بسط وتفصیل کے ساتھ ان مسائل کو منضبط کردیا ہے جن میں قضاءِ قاضی کی احتیاج ہوتی ہے۔

نظامِ قضاء کی اس ضرورت واہمیت سے اکابر علماءِ ہند کبھی غافل نہ رہے بلکہ اس مشکل کے حل کے لیے برابر کوشاں رہے ''شریعت ایکٹ'' ''قانون انفساخ نکاح مسلمین بل'' وغیرہ اسی سلسلۂ جدوجہد کی کڑی ہے، حضرات اکابر نے آزادی سے قبل

اور آزادی کے بعد حکومتوں سے مسلم قاضیوں کی تقرری کے لیے برابر کوشش جاری رکھی؛ چناں چہ جمعیتِ علماءِ ہند کے اکابر؛ نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسلم قاضی بل'' کے نام سے ایک مسودہ قانون ترتیب دے کر ۱۹۴۱ء میں اسمبلی میں پیش کرایا پھر ۱۹۵۲ء میں آزاد ہند کے پارلیمنٹ میں جمعیتِ علماءِ ہند نے محمد احمد کاظمی صاحب کے توسط سے دوبارہ قاضی بل پیش کرایا، اب ایک بار پھر جمعیت علماء ہند کے صدر نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ ایم، پی نے جنوری ۱۹۸۹ء میں پارلیمنٹ میں قاضی بل پیش کرنے کا جرات مند اقدام کیا ہے۔ (خدا ان اکابر کی ان کوشش کو بار آور کرے۔ آمین) حکومتوں کی سرد مہری، بے توجہی بلکہ اسلام دشمنی سے اب تک یہ مساعی بار آور نہ ہوسکیں؛ لیکن حضرات علماء نے ان پر انحصار بھی نہیں کیا بلکہ اسلامی معاشرے کی اس ضرورت کو کسی نہ کسی حد تک پورا کیا، علماءِ امت کے ایک طبقہ نے فقہ مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین (شرعی پنچایت) کو قاضی کے قائم مقام بنا کر اس ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا جب کہ ایک دوسرے طبقہ نے تراضی مسلمین سے قضاۃ کے تقرر کو مسئلہ کا فقہی حل سمجھ کر نظامِ امارت وقضاء قائم فرمایا، آج بھی یہ دونوں طریقے ہندوستان میں جاری ہیں؛ لیکن ایک مقصد کے لیے دو جدا جدا عنوانوں سے کام کرنے کے بجائے اگر ایک طریقِ کار پر اتفاق کر کے کام کیا جائے تو امت اسلامیہ ہند کی اجتماعی شیرازہ بندی مؤثر طور پر ہوسکتی ہے، اور نظام کو وسیع، ہمہ گیر اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ادارہ مباحثِ فقہیہ جمعیتِ علماء ہند کے ذمہ داران نے مناسب سمجھا کہ مسئلہ کی تنقیح کر کے کسی اتفاقی فیصلہ تک پہنچنے کی سعی کی جائے؛ اس لیے چند سوالات جواب وتحقیق کے

لیے پیشِ خدمت ہیں، سوالات کا مقصد تحدید و پابندی نہیں بلکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا ہے، اگر کوئی اہم سوال مزید آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی شاملِ سوال فرما کر مدلل و مفصل مقالہ تحریر فرمائیں، ادارہ مباحثِ فقہیہ جمیعت علماء ہند کا دوسرا فقہی اجتماع ان شاء اللہ عن قریب اس عنوان پر ہوگا، جواب میں یہ بات ملحوظ رہے کہ سوال ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی سلطنتوں کے متعلق ہے جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے اور مسلم حکام وقضاۃ موجود نہیں۔

(۱) ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدارِ اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے، کیا مسلموں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظامِ قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) قضاء کی حقیقت، قاضی شرع کی تعریف اور قضاء کے ارکان وشرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالتِ اختیار اور حالتِ احتیاج میں یکساں ہوگا خواہ دارالاسلام ہو یا غیر دارالاسلام، خواہ قاضی کو من جانب والی کلی اختیارات مفوض ہو یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوتِ نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حدِ فاصل کیا ہوگی؟

(۳) قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب دائرۂ اختیار میں تحدید ہو سکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک

محدود ہو جن میں بظاہر قوتِ عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوتِ قاہرہ شرط ہوگی؟

④ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ ظاہر ہے کہ دارالاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ وحکام قضاۃ کا تقرر کرتے ہیں۔

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو "یجوز تقلد القضاۃ من السلطان العادل او الجائر ولو کان کافرا" (درمختار) اور "الاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد". (فتاویٰ عالمگیری) وغیرہ جزئیات فقہیہ کا کیا مطلب ہے؟

اگر وہ شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیا ولایت کافر علی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز کیا والی کافر کی تقلید کافی ہے یا تراضی مسلمین بھی ضروری ہے؟

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاۃ کا تقرر نہ ہو اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کرلیں (جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کر کے نظامِ امارت قائم کرلیا ہے) تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر کرسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاءِ کرام کی "واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کماهو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن، وبلنسة، وبلاد الحبشة واقرّوا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا، فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم" (فتح القدیر) جیسی

تصریحات کا کیا مطلب ہے؟

اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیوں کر؟ جب کہ ظاہر ہے قوتِ قاہرہ حاصل نہ ہوگی۔

ج: غیر اسلامی ممالک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یا نہیں؟ بصورتِ نفی "یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین" (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضی جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی، اگر قاضی جمعہ مراد ہے تو کیا اقامتِ جمعہ کے لیے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی؟

اگر تراضی مسلمین سے قاضی ہو جاتا ہے تو "واذا اجتمع اھل بلد علی رجل وجعلوہ قاضیا یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیا" (فتاویٰ عالمگیری) جیسی فقہی جزئیات کا محمل کیا ہوگا؟

⑤ فقہ حنفی میں قوتِ قاہرہ ومنفذہ کے بغیر اگر قاضی شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

⑥ ایک مقام پر متعدد قاضی ہو سکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آئے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا ان شاء اللہ اجرا عظیما

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ
خادم ادارۃ المباحث الفقہیہ جمیعۃ علماء ہند

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کریں، اور اپنے آپسی نزاعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹائیں۔ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُولِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً﴾ (النساء:۵۹)

نیز یہ بھی ضروری اور لازم قرار دیا گیا کہ اپنے نزاعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فیصل جان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کو دل وجان سے تسلیم کرلیں ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيْماً﴾ (النساء:۶۵)

حضرات مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ اس ارشادِ ربانی پر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کا فیصلہ خود آپ کا فیصلہ ہے۔

جو لوگ اپنے نزاعی معاملات میں شریعتِ مطہرہ کو چھوڑ کر دیگر قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کو شیطان کا اتباع قرار دیا گیا، اور اس کے مرتکبین کو صاف لفظوں میں منافق، فاسق، ظالم بلکہ کافر تک بتلایا گیا۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ

بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً، وَإِذَا قِيْلَ لَهمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ الله وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾

(النساء: ۶۰،۶۱)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ الله فَأُوْلَـئِكَ همُ الْفَاسِقُون﴾(المائدہ:۴۷)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ الله فَأُوْلَـئِكَ همُ الظَّالِمُون﴾(المائدہ:۴۵)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَـئِكَ همُ الْكَافِرُون﴾(المائدہ:۴۴)

چناں چہ صاف صاف یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کا اتباع کیا جائے، اس کے علاوہ کسی کا بھی اتباع نہ کیا جائے۔

﴿اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء﴾

(الاعراف ۳)

ایسا نظام جس کے ذریعہ لوگوں کے آپسی نزاعات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق دیا جائے اسی کا نام نظام قضاء ہے۔

والقضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما انزل الله عزوجل (بدائع الصنائع ۷/ ۲)

اور اسلامی نظامِ قضاء کا اجراء اور قیام اہم اور ضروری واجبات میں سے ہے۔

"بدائع" میں ہے: كان نصب القاضي لاقامة الفرض فكان فرضا ضرورة (۷/ ۲)

"فتاویٰ عالمگیری" میں ہے: نصب القاضي فرض كذا في البدائع وهو من اهم امور المسلمين واقوىٰ واوجب عليهم (۳/ ۳۰۸)

نظامِ قضاء بھی اسلام کے اجتماعی نظام کی ایک شاخ ہے؛ اس لیے نظام قضاء

کے اجراء کے لیے نظام امارت وخلافت کا قیام ضروری ہے چناں چہ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ تمام مسلمان اجتماعی زندگی گزارنے کے مکلف ہیں، انتشار اور تشتت کی زندگی اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللہ جَمِیْعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا﴾ (البقرہ:۱۰۳)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم، یأخذ الشاذة والقاصیة والناحیة، وایاکم والشعاب، وعلیکم بالجماعة والعامة رواہ احمد (عن معاذ بن جبل، مشکوٰۃ ۳۱)

عن ابی ذر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواہ احمد وابو داؤد. (ایضاً)

قال النبی ﷺ: اٰمرکم بخمس: بالجماعة، والسمع، والطاعة، والهجرة، والجهاد فی سبیل الله؛ وانه من خرج من الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی الجاهلیة فهو من جثی جهنم وإن صام وصلی وزعم انه مسلم رواہ احمد والترمذی (مشکوٰۃ:۳۲۱)

عن ابی هریرة قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات میتة جاهلیة الخ رواہ مسلم (مشکوٰۃ:۳۱۹)

اور یہ ظاہر اور بدیہی ہے کہ اجتماعی زندگی کا تصور بغیر امیر کے ممکن نہیں ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام تمام مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بناتا ہے کہ وہ اپنے لیے ایک امیر یا امام منتخب فرمائیں، اور اسی کی امارت میں اپنے تمام امور انجام دیں۔

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: لا اسلام الا بجماعة، ولا جماعة

الا با مارة، ولا امارة الا بطاعة (جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر ٦٢) یعنی اسلام جماعتی زندگی کے بغیر نہیں، اور جماعتی زندگی کا تحقق بغیر امیر کے نہیں، اور اطاعت وفرمان برداری کے بغیر امیر مفید نہیں ہے۔

اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں پر پہلا اہم اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ مسلمان والی مقرر کریں، کیوں کہ بغیر والی مسلم کے بہت سی اسلامی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب، والمذهب انه یجب علی الخلق (شرح العقائد:۱۱۰) اس بات پر اجماع ہے کہ امام مقرر کرنا فرض ہے، اور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ امام مقرر کرنا مخلوق (مسلمانوں) پر فرض ہے الخ۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۱۶)

جن ممالک میں مسلمان با اختیار ہیں اور اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھوں میں ہے، ان کے لیے اس بات کے ضروری ہونے میں کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر و امام مقرر کریں اور اسلامی نظام حکومت کے تحت زندگی گزاریں کوئی اختلاف بھی نہیں؛ لیکن ہندوستان اور اس جیسے وہ غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے، ایسے مقامات میں بھی اسلامی ضابطہ کے مطابق ایک امیر منتخب کرکے اس کے ماتحت جماعتی زندگی گزارنا اور اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظامِ قضاء قائم کرنا ضروری ہونے پر بھی حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کی تصریحات موجود ہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اذا لم یکن سلطان ولا مَن یجوز التقلد منه کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم

الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن، وبلنسیة، وبلاد الحبشة، اقرّوا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا، فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم (فتح القدیر ۷/۲٦٤)

ترجمہ: جب بادشاہ نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی شخصیت جس کی طرف سے عہدۂ قضاء کا قبول کرنا درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض ان مسلم علاقوں میں جن پر کفار کا تسلط ہو چکا ہے مثلاً قرطبہ اور بلنسہ اور بلاد حبشہ کہ کفار نے مسلمانوں سے کچھ رقم لے کر یہاں رہنے کی ان کو اجازت دے رکھی ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے اندر سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اس کو اپنا امیر و والی مقرر فرمائیں، پھر وہ امیر ہی قاضی مقرر کرے گا یا خود ہی مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''فتح القدیر'' کی مندرجۂ بالا عبارت ''النهر الفائق'' کے حوالہ سے نقل فرما کر صاحب نہر کا تبصرہ بھی نقل فرمایا ہے: وهذا هو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمدة نهر (شامی ٤/٣٤٢)

البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب نہر کے کلام میں ''هذا'' کا مصداق دوسرا مسئلہ قرار دیا ہے۔ والاشار بقوله هذا الی ما افاده کلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من کافر علی خلاف مامر عن التتارخانیه (شامی ٤/٣٤٢)

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعیینِ مصداق کو علامہ عبد القادر رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تسلیم نہیں فرمایا ہے۔ دیکھئے: (تقریرات الرافعی ۲/۱۹۱)

بہرحال مندرجۂ بالا فقہی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ ہندوستان جیسے ممالک میں

جب تمام مسلمان متفقہ طور پر، یا وہاں کے علماء اور اہل حل وعقد مل کر کسی ایک شخص کو والی اور امیر منتخب کرلیں، تو اب وہ امیر کسی کو قاضی مقرر فرما کر نظامِ قضاء کا اجراء کرے گویا اس امیر کی طرف سے تفویضِ قضاء درست ہوگی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور اگر مسلمان حاکم نہ ہووے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ جو شخص امانت دار اور دیانت دار ہو اس کو رئیس مقرر کردیویں؛ تاکہ اس رئیس کی اجازت سے اس کے سامنے نماز جمعہ وعیدین قائم کی جائے، اور جس نابالغ کا ولی نہ ہو اس کا نکاح کیا جاوے، اور لاوارث مال اور یتیموں کی حفاظت کی جاوے، اور جب کسی میت کے ترکہ کی تقسیم میں نزاع ہو تو ترکہ اس میت کے وارثوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے"۔ (فتاویٰ عزیزی اردو ۱/ ۷۰)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۃ الفتاویٰ میں ایک تفصیلی جواب شیخ یوسف کا تحریر فرمودہ ہے، جس پر حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق وتصحیح ہے اس میں ہے:

اما الوالی والقاضی المتفق علیہ فی بلاد الغلبة فهل يملك تزويج الصغار الأيتام؟ فلم اره صريحا؛ لكن ظاهر مامر من أنه يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا او يكون هو الذى يقضى بينهم انه يملكه (مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی علی هامش خلاصة الفتاویٰ ٤/ ٨)

رہا وہ والی اور قاضی جس پر اہل بلدہ کا اتفاق ہوجائے ان علاقوں میں جن پر کفار کا غلبہ ہے، کیا اس کو چھوٹے یتیم بچوں کا نکاح کرانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس

کے متعلق میں نے صراحت نہیں دیکھی؛ لیکن پہلے جو عبارت یجب علی المسلمین الخ گزر چکی اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس والی کو یہ حق حاصل ہے۔

لیکن اگر کسی علاقہ یا شہر کے مسلمان کسی شخص کو اپنا والی یا امیر منتخب کرنے پر متفق نہیں ہوسکے مگر وہاں کے ارباب حل وعقد کسی شخص کو قاضی مقرر کرنے پر اتفاق کر لیتے ہیں، تو یہ بھی درست ہوگا، اور اس طرح یہ شخص قاضی قرار پا جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے معراج الدرایہ کے حوالہ سے ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، جس کا آخری ٹکڑا صراحت کرتا ہے کہ عوام مسلمین کی طرف سے کی گئی قاضی کی یہ تقرری درست ہے۔

فلو الولا کفارا یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما (شامی ۱/۵۹۵)

اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگرچہ قاضی کی تقرری کا اصل طریقہ (جیسا کہ اوپر ہم بتلا چکے ہیں) یہی تھا کہ اولاً تمام مسلمان متفق ہو کر یا اہل حل وعقد مل کر کسی ایک شخص کو اپنا والی اور امیر مقرر کرتے، اور اس کے بعد اس والی یا امیر کی طرف سے قضاۃ کا تقرر عمل میں آتا؛ لیکن جب ایسا نہ ہوسکا، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نظام قضاء بھی معطل ہو کر رہ جائے، اگر امیر پر تو اتفاق نہ ہوسکا؛ لیکن قاضی پر اتفاق ہوسکتا ہے تو کم از کم اسی فریضہ کو قائم کرلیا جائے، اور امیر مقرر کرنے والے فریضہ کو بھی قائم کرنے کی سعی جاری رہے جیسا کہ شامی کی مندرجۂ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس تفصیل سے عالمگیری کی اس عبارت سے پیدا ہونے والا اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:اذا اجتمع اهل بلدة علی رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لا يصير قاضيا، ولوا اجتمعوا علی رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير خليفة و سلطانا كذا في المحيط (۳/۳۱۵)

اس لیے کہ یہ صورت اس وقت ہے جب کہ مسلمانوں کا امیر اور حاکم موجود ہو، اور مسلمان اس کی موجودگی میں کسی شخص کو قاضی مقرر کریں، ظاہر ہے کہ جب امیر اور حاکم موجود ہے تو تقرر قضاۃ یہ اس کا منصب اور اس کے اختیارات میں سے ہے اس کی موجودگی میں عوام مسلمین کا یہ اقدام (یعنی تقرر قضاۃ) انتشار اور افتراق کا باعث ہوگا جس سے بچنے کے لیے ہی امیر کا انتخاب عمل میں آیا تھا، نیز جب اس ذمہ داری کو انجام دینے والی شخصیت موجود ہے تو عوام مسلمین کو کیا ضرورت پیش آئی جو اس میں دخل دیں گویا اس صورت میں ان کا یہ اقدام موجبِ انتشار ہونے کے ساتھ ساتھ بے ضرورت بھی ہے؛ چناں چہ عالمگیری کی اسی عبارت میں دوسرا جزء:ولو اجتمعوا علی رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير خليفة وسلطانا اس کا قرینہ ہے؛ اس لیے کہ عوام مسلمین کا کسی کی خلافت وامارت پر متفق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ اور امیر موجود نہیں ہے، اگر ہوتا تو اس کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، اور چوں کہ یہ کام تو عوام مسلمین ہی کو انجام دینا ہے؛ اس لیے ان کا یہ اقدام ضرورت کی بنیاد پر ہونے کے ساتھ ساتھ برمحل بھی ہے کہ انہی کا حق ہے۔ اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ یہی مسئلہ فتاویٰ بزازیہ اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے اور دونوں جگہ پر ضرورت کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:اجتمع اهل البلدة وقدموا رجلا علی القضاء

لا یصح لعدم الضرورة، و ان مات سلطانهم واجتمعوا علی سلطنة رجل جاز للضرورة (فتاوی بزازیه علی هامش الهندیه ۱۳۰/۵)

**خلاصۃ الفتاوی** میں ہے: اجمتع اهل بلدة و قلدوا القضاء لرجل لا یجوز ولا یصیر قاضیا، و لو اجتمعوا وجعلوا الرجل سلطانا یصح لان فیه ضرورة ولا ضرورة فی الاول (خلاصة الفتاویٰ ٤/ ٢)

چناں چہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہ یہی توجیہ فرمائی ہے۔ درمختار کی عبارت: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکافراً الخ کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(قوله ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم، وهذا ظاهر فی اختصاص تولیة القضاء بالسلطان ونحوه کالخلیفة حتی لو اجتمع اهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو ولوا سلطانا بعد موت سلطانهم کما فی البزازیة نهر وتمامه فیه، قلت: وهذا حیث لاضرورة والافلهم تولیة القاضی ایضا کما یأتی بعده (شامی٤/ ٣٤٢)

اوراس کے بعد فتح القدیر کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے جو ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں۔

اس پوری تفصیل سے عالمگیری والے اس جزئیہ سے پیدا ہونے والا اشکال رفع ہوکراس کا صحیح محمل بھی متعین ہوگیا؛ اس لیے عالمگیری کی اس عبارت سے امیر وحاکم نہ ہونے کی صورت میں عوام مسلمین کی طرف سے تقرر قضاۃ کی عدم صحت پر استدلال درست نہیں ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کفایت المفتی میں تحریر فرماتے ہیں: قاضی بنانے کا حق مسلمان حاکم کو ہے، اور مسلمان حاکم نہ ہوتو

مسلمانوں کی جماعت کو، اگر غیر مسلم حاکم کسی کو بشرط رضامندیٔ جماعتِ مسلمین قاضی بنادے تو یہ بھی درست ہے۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۲۲)

عوامِ مسلمین کی طرف سے کی جانے والی قاضی کی تقرری کے سلسلہ میں جو تفصیل پیش کی گئی اس کے بعد اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہتی؛ لیکن چوں کہ یہ مسئلہ بعض حضرات کے لیے غلط فہمی اور الجھن کا باعث بنا ہے؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کا ایک دوسرا مسئلہ بھی اس موقعہ پر پیشِ نظر رہے۔ نماز جمعہ کی صحت اور انعقاد کے شرائط میں سے حنفیہ کے نزدیک ایک شرط سلطان بھی ہے، چناں چہ تمام کتب احناف میں جہاں جمعہ کے شرائطِ صحت بیان کیے جاتے ہیں وہاں اس کا بھی بیان ہوتا ہے؛ لیکن بعد میں جا کر اس شرط کے سلسلہ میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے بھی فقہ کا ہر ایک طالب علم بخوبی واقف ہے، اس کا صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہوں، در مختار میں اسی شرط پر کلام کرتے کرتے بہ تدریج آخر میں یہ فرمایا ہے: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر، اما مع عدمهم فيجوز للضرورة اور اس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله فيجوز للضرورة) ومثله مالو منع السلطان اهل مصر ان يجمعوا اضرارا وتعنتا فلهم ان يجمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة (شامی ۱/ ۵۹۵)

ترجمہ: اسی طرح اگر بادشاہِ وقت محض تعنت اور ہٹ دھرمی کے طور پر کسی شہر والوں کو نماز جمعہ قائم کرنے سے منع کردے پھر بھی ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک آدمی پر متفق ہو جائیں جو ان کو نماز جمعہ پڑھائے۔

دیکھا آپ نے کہ باوجود بادشاہِ وقت کے امتناعی حکم کے عوام مسلمین کو اقامتِ

جمعہ کی اجازت دی گئی۔

شامی کے حاشیہ پر ہے:نقل شیخنا عن عقد اللآلی: انہ لو تعذر الاستیذان من السلطان کمافی ھذا الزمان من عدم التفات السلاطین لمثل تلک الامور فاجتمعت الناس علی شخص لیصلی بھم جاز (حاشیۃ شامی ۱/۵۹۵)

ترجمہ:ہمارے شیخ نے عقد اللآلی سے نقل کیا ہے کہ اگر بادشاہِ وقت سے (اقامت جمعہ کے لیے) اجازت لینا دشوار ہوجائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں شاہانِ وقت کی دینی بے توجہی کی وجہ سے یہ صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے،تو اس صورت میں اگر لوگ کسی ایک شخص پر متفق ہوجائیں جوان کو نماز جمعہ پڑھائے تو جائز اور درست ہے۔

دیکھئے صورتِ مذکورہ میں بادشاہِ وقت موجود ہونے کے باوصف محض اس لیے کہ اس کی دینی امور میں غفلت و بے التفاتی کی وجہ سے اس سے رابطہ قائم کرنا اور اجازت لینا دشوار ہوگیا ہے عوام مسلمین کو اقامت جمعہ کی اجازت دے دی گئی آخر ایسا کیوں ہوا؟ وجہ ظاہر ہے کہ جمعہ جو جامع الجماعات ہے،اور اس موقعہ پر دیگر فرائض کے مقابلہ میں بڑا اجتماع ہوتا ہے،ایسے موقعہ پر سربراہی کے لیے مختلف قسم کے طالع آزما اٹھ کھڑے ہوتے ہیں،اور یہ چیزیں ملت کی شیرازہ بندی کے لیے ایک خطرہ ثابت ہوتی ہے،اس کی پیش بندی کے لیے شریعتِ مطہرہ نے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب ومقرر کردہ شخصیت کی موجودگی ضروری قرار دی؛لیکن اگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے بادشاہِ وقت اپنی دین سے دوری کی وجہ سے ان امور میں کوئی دل چسپی ہی نہیں لیتا کہ نہ خود آتا ہے،نہ کسی کو اس کام کے لیے مقرر کرتا ہے،اور اس کے ساتھ اپنے اردگرد ایسا حصار بنا رکھا ہے کہ اس کی اجازت حاصل کرنے کے لیے اس

کے ساتھ رابطہ بھی دشوار ہو چکا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے دین کے اس اہم فریضہ یعنی جمعہ کو چھوڑ دیا جائے؟ ہر گز نہیں۔ شامی کے حاشیہ پر جو مسئلہ عقد اللآلی کے حوالہ سے مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

② لغت میں لفظ قضاء مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

[۱] فیصلہ کرنا، حکم جاری کرنا، حکم دینا۔ ﴿وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه﴾(الاسراء:۲۳) ﴿وانذرهم يوم الحسرة اذ قضى الامر﴾ (مریم:۳۹) ﴿وقضى بينهم بالحق﴾ (الزمر:۷۵) ﴿فاقض ماانت قاض﴾(طه:۷۲)

[۲] فارغ ہونا، ادا کرنا۔ ﴿فاذا قضيتم مناسككم﴾(البقرة:۲۰۰)﴿فاذا قضيتم الصلوٰة﴾(النساء:۱۰۳) ﴿فاذا قضيت الصلوٰة﴾(الجمعه:۱۰)

[۳] ہلاک (مرجانا، مارڈالنا)۔ ﴿فوكزه موسى فقضى عليه﴾ (القصص:۱۹) ﴿ونادوا يامالك ليقض علينا ربك﴾(الزخرف:۷۷)

[۴] پورا کرنا، گزرنا۔ ﴿ولا تعجل بالقرآن من قبل ان يقضى اليك وحيه﴾ (طه:۱۱٤)﴿ايما الاجلين قضيت فلا عدوان على﴾ (القصص:۲۸) ﴿فلما قضى موسى الاجل وسارباهله﴾(القصص:۲۹) ﴿قضى الامر الذى فيه تستفتيان﴾(يوسف:٤۱)

[۵] بنانا۔ ﴿فقضاهن سبع سمٰوات﴾(فصلت ۱۲)

[۶] مقدر کرنا۔ ﴿واذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون﴾ (البقرة:۱۱۷)

صاحبِ بحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وحا صله ان يستعمل لغة: بمعنى الحكم، والفراغ، والهلاك، والاداء، والانهاء،

والمضی، والصنع، والتقدیرة(بحر الرائق:٦/٢٧٧)

اصطلاحِ فقہاء میں مختلف انداز سے اس کی تعریف کی گئی ہے اگر چہ بحیثیت مفہوم وہ تمام تعریفیں قریب قریب ہیں۔ علامہ ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ نے ابن راشد کے حوالہ سے "تبصرۃ الحکام" میں یہ تعریف لکھی ہے۔ القضاء: الاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الالزام(١/٨) کسی حکمِ شرعی کی بطریق الزام خبر دینا؛ چناں چہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں بہت مختصر طور پر اتنا ہی تحریر فرمایا ہے۔ وفی الشرع یراد به الالزام(٧/٢٥٢)

علامہ ابوبکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القضاء هو الحکم بین الناس بالحق والحکم بما انزل الله عز وجل(بدائع الصنائع٧/٢) لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم اور حق کے مطابق فیصلہ کرنا۔

شیخ قاضی ابن الشحنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی الشرع یرادبالقضاء فصل الخصومات وقطع المنازعات(لسان الحکام علی هامش معین الحکام ٣) خصومات کا فیصلہ کرنے اور نزاعات کو ختم کرنے کا نام قضاء ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وفی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایة عامة کذا فی خزانة المفتین(٣/٣٠٦) ایسا قول ملزم جو ولایتِ عامہ کی بنیاد پر صادر ہوا ہو۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الرائق میں کئی تعریفوں کو جمع فرمادیا ہے:

الثانی معناه شرعا: فعرفه فی فتح القدیربالالزام، وفی المحیط بفصل الخصومات وقطع المنازعات، وفی البدائع الحکم بین الناس بالحق وهو الثابت عندالله تعالیٰ من حکم الحادثة ...... وعرفه

العلامة قاسم بانه انشاء الزام فی مسائل الاجتهاد المتقاربة فیما یقع فیه النزاع لمصالح الدنیا......الخ (بحر الرائق٦/ ٢٧٧)

قضاء کے ارکان حسبِ تصریح قاضی ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ کل چھ ہیں: الباب الخامس فی ارکان القضاء، وھی ستة: القاضی، والمقضی به، والمقضی له، والمقضی فیه، والمقضی علیه، وکیفیة القضاء. (معین الحکام:١٤٠)

ان تمام ارکان میں سے ہر ایک کے متعلق بڑی تفصیلات ہیں جو اس موضوع پر تصنیف شدہ کتبِ فقہ میں موجود ہیں، جن کی اس مضمون میں گنجائش نہیں، معین الحکام، لسان الحکام، تبصرۃ الحکام میں یہ تمام چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں، اردو زبان میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب مدظلہ کی کتاب ''اسلامی عدالت'' بڑی جامع اور بے نظیر ہے۔

(الف) قضاء کی تعریف میں جو الزام مذکور ہے اس سے الزام معنوی مراد ہے؛ لیکن یہ الزام معنوی اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ قاضی کو تمکن وقدرت حاصل ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فکون الرجل امیرا وقاضیا ووالیا وغیر ذلك من الامور التی مبناها علی القدر والسلطان متی حصل مایحصل به من القدرة والسلطان حصلت والافلا، اذ المقصود بها عمل اعمال لاتحصل الا بقدرة فمتی حصلت القدرة التی بها یمکن تلك الاعمال کانت حاصلة والا فلا وهذا کون الرجل راعیا للماشیة متی سلمت الیه بحیث یقدر ان یرعاها کان راعیا لها والا فلاعمل الا بقدرة علیه فمن لم یحصل له القدر علی العمل لم یکن عاملا، والقدر علی سیاسة الناس اما بطاعتهم له واما بقهره لهم فمتی صار قادراً علی سیاستهم

بطاعتهم او بقهره فهو ذو سلطان مطاع اذ أمر بطاعة الله.

(منهاج السنة ١/ ١٤١، ١٤٢)

خود امیر اور والی کے متعلق اس نوع کی صراحت موجود ہے۔

فان بايع الناس الامام ولم ينفذ حكمه فيهم لعجزه عن قهرهم لا يصير اماما(درمختار باب البغاة على هامش الشامی ٣/ ٣٤٠)

(ب) نمبر الف میں جواب آ گیا ہے۔

(ج) الزامِ معنوی کی تشریح وہی ہے جو قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے فرمائی ہے کہ ''شریعت امر محکوم بہ کو محکوم علیہ پر لازم تسلیم کر لیتی ہے، مثلاً قاضی نے ہندہ کا نکاح زید سے فسخ کر دیا تو شریعت یہ تسلیم کر لے گی کہ ہندہ زید کی بیوی نہیں رہی، اسی طرح زید نے بکر پر ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا، بکر نے انکار کیا، شہادتوں سے زید کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا، قاضی نے ایک ہزار روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اسے اس دین کی ادائیگی کا حکم دیا، ایسی صورت میں شریعت ایک ہزار روپیہ کی ادائیگی بکر کے ذمہ لازم تسلیم کر لے گی، اسی طرح قاضی کے سامنے یہ دعویٰ آیا کہ زید نے عمر کو قتل کر دیا قاضی کے نزدیک زید کا قاتل ہونا ثابت ہو گیا اور اس نے قصاص کا حکم دے دیا، اب شریعت زید کو واجب القتل تسلیم کر لے گی۔ غرض یہ کہ حکم شریعت کی وجہ سے کسی شئ کا لازم قرار پا جانا الزام معنوی ہے، قاضی کے حکم کی تعریف میں جو الزام مذکور ہے اس سے مراد الزام معنوی ہے الزام حسی نہیں۔ (اسلامی عدالت ١/ ١٦٧)

قال القرافي: حقيقة الحكم انشاء الزام او اطلاق فالالزام كما اذا حكم بلزوم الصداق او النفقة او الشفعة ونحو ذلك فالحكم بالالزام هو الحكم، واما الزام الحس من الترسيم والحبس فليس بحكم لان

الحاكم قد يعجز عن ذلك وقديكون الحكم ايضا بعدم الالزام وذلك اذا كان ماحكم به هو عدم الالزام....الخ(معين الحكام:٧)

''الزام معنوی'' کی حقیقت سمجھنے کے لیے فقہ کے ایک دوسرے مسئلہ کو پیشِ نظر رکھنا مفید ہوگا، نکاح میں ولی کو صغیر یا صغیرہ پر ولایتِ الزام حاصل ہے جس کو ولایتِ اجبار سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(دیکھئے: ہدایہ کتاب النکاح باب الاولیاء، اور فتح القدیر ۳/۲۷۶،۲۷۷)

اس اجبار کی تشریح حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

ومعنى الاجبار نفاذ النكاح عليها بدون رضاها، دون جبرها على النكاح.(فيض البارى٤/٢٨٧)

فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں الزام حسی مراد نہیں ہے بلکہ الزام معنوی ہی مراد ہے، احقر نے یہ نظیر صرف الزام معنوی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے پیش کی ہے۔

③ جوابِ سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ جب تمکن وقدرت حاصل ہوگی تب ہی الزام معنوی کا بھی تحقق ہوگا ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ قضاء کی تعریف ''قول ملزم يصدر عن ولاية عامة'' ہے اور ولایت کا تحقق ہونے کے لیے حسبِ تصریح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: اما بطاعتهم له واما بقهره لهم یعنی عوام الناس کی طرف سے رضا کارانہ اطاعت یا حاکم کی طرف سے قہر وغلبہ ہونا چاہیے، اسی لیے صاحب درمختار نے باوجود لوگوں کے بیعت ہونے کے اگر اس کا حکم اس کے عجز کی وجہ سے جاری نہیں ہوتا تو صاف فرمایا: لايصير اماما كمامر.

مفتی کا فتویٰ ولایتِ عامہ کی بنیاد پر صادر نہیں ہوتا جب کہ قاضی کا فیصلہ ولایتِ

عامہ کی بنیاد پر صادر ہوگا، اسی لیے مفتی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ حاکم یا عوام مسلمین کی طرف سے اس کو منصب افتاء پر مقرر کیا جائے اس کے بغیر بھی (اگر اس میں اہلیت ہے تو) اس کا فتویٰ دینا درست ہے جب کہ قاضی اپنے طور پر منصب قضاء پر متمکن نہیں ہوسکتا جب تک کہ حاکم یا عوام مسلمین کی طرف سے اس کو اس پر فائز نہ کیا جائے۔

④ اس پر تفصیلی بحث جواب نمبر ایک میں گزر چکی ہے۔

غیر مسلم حکومت اگر مسلمانوں کے مطالبہ پر کوئی مسلمان قاضی مقرر کردے اس طرح کہ اس کو تنفیذ احکام کا اختیار ہو اور مسائل شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے سے روکا نہ جائے تو یہ درست ہے، اور اس پر ہمارے تمام اکابر (اصحاب دیوبند وسہارنپور وتھانہ بھون) کا اتفاق ہے، اور اگر حکومت از خود مقرر کرتی ہے اور اس پر مسلمان راضی ہیں تب بھی یہ تقرری درست ہوگی اور ولایتِ کافر علی المسلم کا الزام مسلمانوں کے مطالبہ یا تراضی کے بعد باقی نہیں رہے گا۔

(ب) و (ج) کا جواب شروع میں آچکا ہے۔

⑤ قوتِ قاہرہ کے بغیر بھی عوام مسلمین کی طرف سے رضا کارانہ اطاعت کی صورت میں قاضی کی صورت ممکن ہے۔ کما مر۔ اور جماعت مسلمین کی جو تفصیلات "الحیلة الناجزة" میں مذکور ہیں اس پر تو آج کل شرعی پنچایتوں میں بھی عمل نہیں ہوتا۔

⑥ جواب / ۵ میں مذکورہ صورت میں وہ تعدد جو موجب خلفشار ہو، نہیں ہوگا؛ ورنہ ضرور خلفشار ہوگا انتشار ہوگا اور ایسا کہ نوبت آپسی قتال کی آوے گی۔ اعاذنا الله تعالیٰ من الشقاق والقتال والله الهادی الی سواء السبیل. فقط والله تعالیٰ اعلم، ان کان صوابا فمن الله تعالیٰ وان کان غیر ذلك

فمنی ومن الشیطان.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

# ہندوستان کے حالاتِ حاضرہ میں مساجد کی حفاظت

# فرقہ وارانہ فسادات میں تحمل یا مقابلہ

# ووٹ اور بیمہ کے شرعی احکام

**سوال**: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ کرام مندرجۂ ذیل مسائل وسوالات کے بارے میں:

فرقہ پرست: ہمارے ملک ہندوستان میں آج کل فرقہ وارانہ فسادات نہایت منظم سازشوں کے تحت ملک کے ہر حصہ میں عام طور پر نیز اقتصادیات سے مضبوط مسلمانوں کے علاقہ میں خاص طور پر کرائے جارہے ہیں، غیر مسلم فرقہ پرست تنظیمیں محض مسلم دشمنی کی بناء پر دن رات سرگرداں مسلمانوں کے درپئے آزار ہیں، خواہ کسی کا آپس کے لین دین کا جھگڑا ہو یا جواری شرابی کا ہو، غیر مسلم عوام کا پولس کے ساتھ ٹکراؤ ہو، ہر صورت میں جھگڑے کا رخ آناً فاناً عام مسلمانوں کی طرف موڑ دیا جاتا ہے اور بلا امتیاز ہر اس شخص کو جو مسلمان کہلاتا ہو ہر طرح کا جانی، مالی نقصان پہونچانا دھرم کا کام سمجھا جارہا ہے، دکانیں لوٹ کر آگ لگادی جاتی ہے اور جو مسلمان نرغے میں آجائے بلا تأمل قتل کردیا جاتا ہے، مساجد اور مقابر کا انہدام اور بے حرمتی کرنے کو ’’کرتوے کا پالن‘‘ (فرض کی ادائیگی) تصور کیا جارہا ہے، جگہ جگہ دیواروں اور سڑکوں

پر جلی حروف میں اشتعال انگیز اور ذلت آمیز نعرے لکھ کر فخر محسوس کیا جارہا ہے، جلسہ جلوسوں میں مسلمانوں کی غیرت کو للکارا جاتا ہے بسوں اور ٹرینوں میں دل خراش فقرے کسے جاتے ہیں، جیسے ہندی و ہندو و ہندوستان، مسلمان جائیں پاکستان یا قبرستان۔ ہندوستان میں رہنا ہوگا تو وندے ماترم کہنا ہوگا۔

ہفت روزہ نئی دنیا اخبار ۱۹ تا ۲۶ / اکتوبر میں وشو ہندو پریشد کے صدر کا انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے زہر افشانی کرتے ہوئے لبوں کو حرکت دی ''ہندوستان کی کسی بھی مسجد کو کھود و تو ایک مندر ملے گا'' نیز ''ہندوستان میں اگر عزت دینا ہوگا تو سب سے پہلے ہندو دھرم کو عزت دینا ہوگا، بعد میں ہم کسی کی عزت کریں گے''۔

نئی دنیا کے اگلے شمارہ میں (۲۷ تا ۲ / نومبر) رام جنم بھومی مکتی سمیتی کے صدر نے کہا کہ ''رام مندر کا مرکزی مقام اس جگہ پر ہوگا جہاں رام مورتی رکھی ہے''۔

واضح ہو کہ یہ مورتی بابری مسجد کے منبر پر رکھی ہوئی ہے، ملک کی ایک زیریں عدالت کے ایماء پر ۱۹۸۲ء میں بابری مسجد کو مندر کے روپ میں تبدیل کر دیا تھا اور کھلم کھلا پوجا پاٹھ جاری ہے، مزید یہ کہ بابری مسجد کو منہدم کر کے رام مندر تعمیر کرنے کا منصوبہ علانیہ طور پر بنایا گیا ہے، ریڈیو بی بی سی نے بھی اپنے ایک نشریہ میں اس کی تصدیق کی ہے، اخبارات میں اعلانات شائع ہو رہے ہیں کہ ۹ / نومبر کو رام مندر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے نام پر اس غیر قانونی کارروائی کو عملی جامہ پہنایا جائے گا جس کی رو سے بابری مسجد اور اس کے بعد نہ جانے کتنی مساجد کو منہدم کرنے کا منصوبہ ہے۔

۵ / اکتوبر گجراتی روزنامہ سندیش میں بھی اس قسم کی دھمکی دی گئی ہے کہ ۹ / نومبر سے پہلے پہلے ہم کو بنیاد رکھنے کے لیے جگہ خالی نہ دی گئی تو ہم اپنی جد و جہد شروع

کر دیں گے ہندوستان کو ہندو راشٹر کے نام سے پکارا جانے لگا ہے، اور دلی ریلوے اسٹیشن پر ایک بورڈ آویزاں کیا گیا ہے جس کے اوپر تحریر ہے ''ہندو راشٹر کی راجدھانی دلی میں آپ کا ہاردک سواگت''۔

پولیس: پولیس کی موجودگی میں فسادات کے دوران لوٹ مار، قتل وغارت گری کا بازار پوری طرح گرم رہتا ہے، مسلم علاقوں میں کرفیونافذ کر کے فسادی طبقہ کو من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دی جاتی ہے؛ بلکہ بعض اوقات پولس خود لوٹ مار اور مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر اذیت رسانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے ۱۹۸۷ء میں ہاشم پورہ ملیانہ (میرٹھ) کا نہایت اندوہناک لرزہ خیز اور ظلم وتشدد کی زندہ مثال ہے، جس میں پی اے سی کے بہادر جوانوں نے شب خون مار کر بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنا کر نہر میں ڈال دیا تھا، پالن پور گجرات کے حالیہ فساد میں پولس کی موجودگی میں بلکہ پولس کی سر پرستی میں آتش زنی کرتے ہوئے راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فسادی لوگ چابک دستی سے تخریب کاری میں مشغول تھے، اور شہر کے رکھوالے فسادیوں کو روکنے کی بجائے راستہ روک کر کھڑے ہوئے تھے اور نہایت ہوشیاری سے لوگوں کو پہچان کر جانے کی اجازت دے رہے تھے کہ کہیں اچانک آکر کوئی فسادیوں پر حملہ نہ کر دے، دکانیں جل رہی تھیں؛ لیکن پولس کا دھیان دوسری جانب تھا، آگ لگنے سے پہلے ہی دو پولس والے بس اسٹینڈ کی چھت پر چڑھ کر تماشہ دیکھ رہے تھے، پولس اگر دھیان دیتی تو آگ بجھانے والے عملہ کو بلا کر کروڑوں روپیہ کے ہونے والے نقصان کو بچا سکتی تھی۔

عدلیہ: عدالت نے مطلقہ عورت کے ساتھ ہمدردی جتا کر مسلمانوں کے ساتھ

جس بے دردی کا ثبوت دیا ہے محتاجِ بیان نہیں، بابری مسجد رام جنم بھومی کا تنازعہ جس کے نتیجہ میں آج پورا ملک آگ اور خون کے سمندر میں ڈوب چکا ہے ملک کی ایک عدالت ہی کی کرم فرمائیوں کا ثمرہ ہے، طویل عرصہ سے عدالت میں تصفیہ طلب کیس کو پسِ پشت ڈال کر جس کے بارے میں مسلمان چیخ چیخ کر تھک گئے ہیں کہ "بابری مسجد تنازعہ کو دستاویز کی بنیاد پر طے کر دیا جائے، مسلمان عدالت کے فیصلہ کا احترام کریں گے" تاہم عدالت نے ۱۹۸۲ء میں غیر مسلم فرقہ پرستوں کے لیے تالا کھولنے کی اجازت دے کر مسلمانوں کو انصاف سے محروم کر دیا، حال میں بھی جب کہ غیر قانونی طور پر رام مندر کے سیلا یانس کے خلاف اسٹے آرڈر حاصل کرنا چاہا تو ہائی کورٹ نے صاف انکار کر دیا۔

حکومت: حکومت نہ صرف یہ کہ فرقہ پرستوں کے خلاف قدم نہیں اٹھاتی بلکہ پولیس کی طرف سے کیے جانے والے مظالم وتشدد کا بھی سد باب نہیں کرتی، ہاشم پورہ ملیانہ (میرٹھ) میں پولس کے ذریعہ کیے جانے والے قتل عام کی تحقیقات کمیٹی گیان پرکاش کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں پی اے سی قصور وار ثابت ہو چکی ہے؛ لیکن کسی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی گئی اور کمیشن کی رپورٹ کو بھی شائع نہیں کیا گیا۔

البتہ مسٹر راجیو گاندھی نے اتنا احسان مسلمانوں پر ضرور کیا کہ کامن سول کوڈ بل پیش کر کے مسلم برادران وطن کو خبردار کر دیا کہ میری ذہنیت بھی ملک کے ان فرقہ پرستوں سے مختلف نہیں ہے جو ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانا چاہتے ہیں، اور اگر ہے! تو کیا دلی ریلوے اسٹیشن پر لٹکنے والا بورڈ جس میں دلی کو ہندو راشٹر کی راجدھانی لکھا گیا ہے راجیو جی کو نظر نہیں آیا؟ گجرات، راجستھان، مدھیہ پردیش، یوپی وبہار میں

رام شیلا پوجن کے نتیجہ میں ہونے والے فسادات، بابری مسجد کی طرف سے برتی جانے والی سرد مہری کیا ہندوستان کے دستورِ اساسی کے مطابق ہیں؟

مسلمانوں کے مسائل: (۱) موجودہ حالات میں جب کہ ہر طرف سے مسلمانوں کے اوپر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، مسلمان انصاف اور حکومت کی حفاظت سے محروم ہو چکا ہے، اپنی جان، مال، عزت، آبرو اور مساجد وغیرہ کی حفاظت کے لیے کیا صورت اختیار کرے بالخصوص بابری مسجد کی حفاظت چوں کہ صرف بابری مسجد تک ہی یہ نوعیت محدود نہیں ہے، متھرا کی عیدگاہ اور اس کے بعد بال ٹھاکرے کے الفاظ ہندوستان کی جس مسجد کو بھی کھودو تو ایک مندر ملے گا قابل غور ہیں۔

(۲) ایسے حالات میں تحمل و برداشت کرنا صبر کہلائے گا یا بزدلی؟

(۳) ہندوستان کی موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کی خیر خواہ ثابت نہیں ہوئی؛ لہذا کسی ایک پارٹی کو جو نسبتاً اچھی ہو ووٹ دینا ضروری ہے؟ کیا ووٹ دینے اور نہ دینے میں کچھ گناہ ہے؟

(۴) فساد بھڑک جانے کے ڈر سے یا بھڑک جانے کے بعد مسلمانوں میں سے اگر کوئی جان بچا کر بھاگے تو گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟

(۵) مسلمانوں کو درپیش حالات میں جب کہ تمام بیمہ کمپنیاں غیر مسلموں کی ہیں اور نقصان ہو جانے کے نتیجہ میں بیمہ کمپنیوں کو دینا پڑے گا تو ممکن ہے آتش زنی جیسی وارداتوں میں کچھ کمی واقع ہو جائے؛ لہٰذا اسکیم اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اپنی جان ومال اور عزت وآبرو؛ نیز مساجد وغیرہ کی حفاظت وصیانت سب

پر ضروری ہے، اور اس کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جو مفید اور کارگر معلوم ہو، ظاہر ہے کہ اس باب میں کسی متعین طریقِ کار کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بالیقین یہ کارگر اور مفید ہے، کسی ایک طریقِ کار کے متعلق اگر کسی فرد یا جماعت کو غلبۂ ظن حاصل ہے کہ یہ مفید ہے تو اس کے اختیار کرنے کی وہ پابند ہے، اور اس پر کاربند ہونے کی صورت میں مستحق اجر بھی، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں بھی اس طریقِ کار کو مفید اور کارگر ہونے کا یقین رکھیں، جو جماعت اس طریقِ کار پر یقین نہیں رکھتی وہ اگر اس میں شریک نہ ہو تو اسے نہ مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔

آزادیٔ ملک سے پہلے ایک زمانہ میں لاہور کی مسجد شہید گنج کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتیٔ اعظم ہند) کے مجموعہ فتاوی میں کئی فتاوی موجود ہیں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

① اس سوال کا تو ایک ہی جواب ہے کہ مسجد قیامت تک مسجد ہے اور مسلمانوں کو اپنی استطاعت کے موافق اس کی تحصیل کے لیے کوشش کرنا چاہیے اور استطاعت کے مدارج مختلف ہیں۔ (کفایت المفتی ۹/ ۲۸۲، ۲۸۳)

---

② مسجد کی واگذار کے لیے جدوجہد کرنا اور قابل عمل متحدہ نتیجہ بخش ذرائع سے اسے واگذاری کرانا مسلمانوں کا مذہبی اور شرعی وظیفہ ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۵)

③ مسجد کی واپسی کے ذرائع اور جدوجہد کے متعلق میں صرف اسی قدر عرض کرسکتا ہوں کہ جو افراد اور جماعتیں خلوص کے ساتھ مسجد کی واگذاری کے لیے سعی کریں گی وہ عند اللہ ماجور ہوں گی، بظاہر اسبابِ کامیابی کی سبیل ایک ہی ہے کہ

مسلمان متحد ہوکر کام کریں جب تک آپس میں نفاق وشقاق اور ایک دوسرے پر سب وشتم کا سلسلہ جاری ہے کامیابی مشکل ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۰)

④ مسجد شہید گنج کی واپسی کے سلسلہ میں آئینی طریق پر حصہ لینا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے یہ صورت بھی (ایک مخصوص صورت جس کا سوال میں تذکرہ ہے۔ احمد) بسا اوقات اختیار کرنی ہوتی ہے اس کے لیے رہبر ورہنما موقعہ شناسی سے حکم دیتا ہے، اور اس کا اتباع کرنا ہی اصلح وانفع ہوتا ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۰)

⑤ اگر مسلم لیگ کوئی ایسا ذریعہ تجویز کرے کہ اس میں قید وبند یا جان جاتے رہنے کا بھی خطرہ ہو اور وہ اسے حصول مسجد کے لیے بظن غالب یا بدرجۂ یقین مفید سمجھے تو مسلم لیگ کی اس رائے سے اتفاق رکھنے والوں کے لیے اس پر عمل کرنا جائز اور ان کے لیے موجب اجر ہوگا، اور اگر اس سلسلہ میں وہ مرجائیں گے تو شہید ہوں گے؛ لیکن انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسلمان اس ذریعہ کو حصولِ مسجد کے لیے مفید نہیں سمجھتے تو ان کو بھی شرکت پر مجبور کریں یا عدم شرکت کی بنا پر لعن طعن کریں۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۳)

شیخ المشائخ امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس نوع کا ایک سوال کیا گیا تھا فتاویٰ رشیدیہ سے پورا سوال جواب پیش کرتا ہوں:

سوال: یہاں چار کوس پر ایک موضع میں ایک مسجد خام کہنہ ہے، اس کو ایک کافر شہید کرا کر بت خانہ بنوانا چاہتا ہے تو حضور مسلمانوں پر اس کا روکنا فرض ہے یا نہیں؟ مستحب ہے؟ اور اس کافر کا مقابلہ کرنا یا اس میں لڑ کر شہید ہوجانا فرض ہے یا مستحب؟ غرض یہ ہے کہ کس درجہ مسلمان اس کافر خبیث ظالم کا مقابلہ کریں؟

الجواب: اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے مگر لڑنا، مرنا ہرگز

درست نہیں ہے، حسبِ قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔
(فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۳/۲۰)

(۲) عدمِ استطاعت کی حد تک پہنچ جانے کے بعد خاموش رہنے کی رخصت ہے اور عدم استطاعت کی حد تک مسئلہ پہنچا یا نہیں؟ اس میں اختلافِ رائے ممکن ہے اور اختلافِ رائے پر طرقِ عمل کا اختلاف بھی لازم ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۲۸۳)

(۳) جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہونچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جس پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو اس پارٹی کو ووٹ دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۶۷)

اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے۔
(ایضاً ۵/۳۴۱)

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ امور سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو اس کو ووٹ دیں۔
(کفایت المفتی ۹/۳۷۴)

فقہ کا قاعدہ ہے: "لوکان احدھما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد یزال بالاخف"۔ (الاشباہ والنظائر ۸۸) نیز "اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما" (ایضاً ۸۹)

اگر مسلمانوں کے ووٹ نہ دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ وہ پارٹی برسرِ اقتدار آجائے گی جو مسلمانوں کے لیے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کے ضرر کو دور کرنے کی نیت سے دوسری پارٹی کو ووٹ دیں۔

④ فرقہ وارانہ فسادات میں بلوائیوں کا حملہ اگرچہ باقاعدہ جہاد نہیں ہے؛ لیکن مسلمانوں کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقابلہ سے کنارہ کشی اختیار کریں بلکہ اگر بلوائی دو چند یا اس سے کم ہیں اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی ہیں تو ہرگز نہ بھاگیں مقابلہ کریں اور اگر بلوائی دو چند سے بھی زیادہ ہیں یا مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو جان بچانے کی تدبیر اختیار کریں خواہ مقابلہ کر کے ہو یا دوسری صورت سے ہو۔

ان كان عدد المسلمين نصف عدد المشركين. (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۱۹۳)

(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۶۱)

⑤ بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں؛ اس لیے بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہو سکتی ہو یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۴۰)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۳۲ تا ۱۳۵ کا مطالعہ بھی فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## ظلم کے وقت متحد ہو کر آئینی چارہ جوئی ہی حل ہے

(سوال): کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

① ایسا جمہوری ملک جس میں غیر مسلموں کی حکومت ہو اور اس میں مسلمان

ایک بڑی اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہوں، اور بنیادی وقانونی طور پر مسلمانوں کی دیگر اہل مذاہب کی طرح کھلے طور پر اپنے مذہب پر چلنے اور اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کرنے کا بھی حق حاصل ہو؛ لیکن عملی اعتبار سے اس ملک کے غیر مسلموں کی اکثریت نے اس کے خلاف عمل شروع کر دیا ہو، اور یقینی طور پر حکومت (یا اکثر عہدہ داران اور حاکمانِ وقت نے بھی) ان کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہو؛ بلکہ در پردہ ان کا تعاون بھی کیا ہو، اور ان کو واضح اور پختہ ثبوتِ جرائم مل جانے کے باوجود بھی کوئی بھاری سبق آموز سزا نہ دی ہو، اور اس طرح کی ناپاک سازشوں کا سیکڑوں بار سیکڑوں شہروں اور قصبات ودیہات میں مشاہدہ کیا جا چکا ہے، تو کیا ایسی نازک صورت میں بھی مسلمان خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور کیا صرف حکومت سے احتجاج اور مطالبات کر کے (جن کی حیثیت پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں) یا چند کاغذی تجاویز اور میمورنڈم پیش کر کے رہنمایانِ اسلام وقائدینِ ملت وملک اپنے فریضہ سے عند اللہ سبک دوش ہو سکتے ہیں؟ مذہبِ اسلام ان حالات میں مسلمانوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے یا نہیں؟ اور وہ رہنمائی کیا ہے؟

## یکجا ہو کر رہنمائی کرنے کا مطلب

(۲) اگر کسی جمہوری ملک میں مسلم وغیر مسلم اقوام کے درمیان کسی بھی امر میں فساد کا امکان ہو بلکہ فسادات شروع ہو چکے ہوں، اور ہزاروں مسلمان شہید (یا قتل) کر دیے گئے ہوں، بہت سی مسجدیں جلادی گئی ہوں، اور بعض مقامات پر مسجد کے مؤذن اور امام کو بھی شہید (یا قتل) کر دیا گیا ہو، اور تبلیغی جماعت کے خالص دینی

مسافروں کو مسجد میں زندہ جلایا گیا ہو، اور نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہو؛ بلکہ ایک ایک لڑکی سے اس کے تمام چھوٹے بڑوں کے سامنے حکومت کے پانچ پانچ اور چھ چھ نوجوانوں نے زنا بالجبر کیا ہو، اور صرف مسلمانوں کی سیکڑوں دکانیں جلا کر راکھ کر دی گئی ہوں، تو کیا ایسے اختلافی امر میں علمائے حق کا فوری طور پر یکجا ہو کر مسلمانوں کی امداد اور رہنمائی کرنا عندالشرع فرض ہے یا نہیں؟

## بابری مسجد کے متنازعہ مسئلہ میں مسلمانوں کا ردعمل

(۳) ملکِ ہندوستان میں جو بابری مسجد کا متنازعہ مسئلہ تقریباً دو سال سے تشدد اختیار کر چکا ہے، کیا اس کے بارے میں تاہنوز (۲۸/ نومبر ۱۹۹۰ء) علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین نے کوئی متفقہ دوٹوک فیصلہ اور شرعی فتویٰ علی الاعلان مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کیا ہے کہ آیا بابری مسجد توڑ کر مندر بنانے دیا جائے، اور مسلمان اس معاملے میں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو تباہ وبرباد نہ کریں؟ یا یہ کہ بابری مسجد توڑ کر ہرگز مندر نہ بننے دیں چاہے مسلمانوں کو ہر قسم کی قربانی دینی پڑے، اگر یہ شرعی فتویٰ شائع ہو چکا ہو تو براہِ کرم اس کو فوری طور پر ہمارے مذکورہ بالا پتہ پر ارسال فرمادیں، اور اگر ابھی تک یہ فتویٰ شائع ہی نہیں ہوا ہو تو شائع فرمادیں یا ہمیں لکھیں، ان شاء اللہ ہم اسے شائع کر دیں گے، اور اگر اس کا جواب کسی مصلحت شرعی یا مجبوریٔ دین کی وجہ سے نہیں دیا جاسکتا تو اس شرعی مصلحت یا دینی مجبوری کو واضح طور پر مدلل تحریر فرمائیں۔

## حکومت کے ہمنوا عہدے داروں سے بائیکاٹ کا حکم

(۴) جو مسلمان بالخصوص علماءِ اسلام کسی اسلام ومسلمان دشمن حکومت کے اہم

ایل اے ہوں، یا ایم پی ہوں، یا حکومت میں ان کو کوئی مقام حاصل ہو، انھیں ہر ایسی حکومت سے بائیکاٹ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالمِ دین یا مسلمان ایسی ظالم وبے انصاف حکومت سے اپنا تعلق ختم نہیں کرتا بلکہ کرسی اور عہدہ کی لالچ میں حکومت سے چمٹا ہوا رہتا ہے، اور مسلمانوں کی قتل وغارت گری اور تباہی وبربادی وبے عزتی کا آئے دن مشاہدہ کرتا رہتا ہے، تو کیا ایسے عالمِ دین یا مسلمان کا اہل اسلام بائیکاٹ کرسکتے ہیں؟ اور کیا ان عہدہ داروں کو حکومت سے بائیکاٹ کرنے پر مجبور کرنا از روئے شرع درست ہوگا؟

## نصرتِ خداوندی کب حاصل ہوتی ہے

⑤ کیا قرآن وحدیث میں کہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب مسلمان اکثریت میں ہوں گے تب تو اللہ ان کی مدد کرے گا، اور اگر کم ہوں گے تو اقلیت کی وجہ سے ان کی مدد نہیں کرے گا؟ یا اس کے برخلاف لکھا ہے کہ تمھاری کثرت تمھیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیا اس سلسلہ میں جنگِ بدر اور جنگِ احد سے کچھ مفہوم ہوتا ہے؟ اگر قلت وکثرت پر اللہ کی مدد کا انحصار نہیں تو پھر وہ کون سی چیز ہے جس پر اللہ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے؟

⑥ اگر ایمان پر اللہ کی مدد کا وعدہ ہے تو الحمد للہ لاکھوں ایمان والے موجود ہیں کیوں کہ حدیث پاک میں وضاحت موجود ہے کہ جس میں ننانوے علامتیں کفر کی ہوں اور ایک علامت ایمان کی ہو اس کو مومن ہی کہو (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو پھر ہمت کر کے مومنوں کو ظالم، کفار وبے انصاف حکومت کا مقابلہ کرنا

چاہیے، بھلے ہی اس مقابلہ کا نام جہاد نہ ہو مدافعت اور حفاظت ہی ہو۔

اور اگر صرف ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی ہوں تو اللہ کی مدد کا وعدہ ہے، تو الحمد للہ ایمان اور نیک اعمال کرنے والے بھی اس زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، انھیں کو ظالم، کفار کا مقابلہ کرنا چاہیے، اگر یہ باتیں سچ اور حق ہیں تو پھر ڈر اور خوف کس بات کا ہے؟ بزدلی کیسی ہے؟ غالباً یہ بھی سچ ہوگا بلکہ بلاشک سچ اور حق ہے کہ ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہو سکتے تو پھر مسلم رہنما یہ کہہ کر مزید مسلمانوں کو بزدل بنا دیں کہ بھائی ہم لوگ ہندوستان میں بہت تھوڑے ہیں، ہم کر بھی کیا سکتے ہیں، تو کیا مسلم رہنماؤں کا یہ جواب صحیح ہوگا؟ کیا مسلمان زیادہ ہوتے تو بغیر اللہ کی مدد کے کامیاب ہو جاتے اور کم ہیں تو کیا ہلاک ہو کر ہی رہیں گے کچھ بھی ہو نہیں سکتا؟ کیا ہندوستان کے مسلم رہنماؤں کی ۳۵/ سالہ مصلحتِ غیر شرعی اور نازیبا خاموشی سے مسلمان قتل وغارت گری سے ذبح کیے گئے اور کیا کوئی اس کی ضمانت لے سکتا ہے کہ آئندہ بھی یہ غیر شرعی مصلحت اور مطلبی خاموشی مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا سبب بنے گی؟ مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

## کفار سے جنگ کرنے کے لیے ولی کامل ہونا شرط نہیں

(۷) کیا قرآن وحدیث میں کہیں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ جب تک تم پورے ولی کامل نہ بن جاؤ اس وقت تک ظالم، کفار سے جنگ مت لڑنا، چاہے تمھارا جو بھی حشر ہو جائے؟

## اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، ”قدم جمانے“ کا مطلب

(۸) کیا قرآن میں یا احادیث میں یہ کہیں لکھا ہے کہ تمھارے تمام مسائل صرف

فضائل سے حل ہو سکتے ہیں، تمھارے کام صرف عبادت، نماز، تسبیح، ذکر، تہجد، تبلیغ دین سے بن جائیں گے، ان فضائل وعبادات، نماز، تسبیح، تبلیغ کے علاوہ کوئی بھی مادی سبب اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، نماز سے رزق میں وسعت ہوتی ہے، کمانے، محنت مزدوری، کام کاج کرنے کی ضرورت نہیں، اشراق کی دو رکعت نماز سے مقبول حج اور عمرہ کا ثواب مل جاتا ہے اب تمھیں حج فرض ہونے کے باوجود بھی حج والی محنت کی ضرورت نہیں، باقی دو رکعت اشراق سے اللہ دن بھر کے تمام کاموں کی کفایت کرے گا؛ لہٰذا اب تم آرام سے گھر میں، مسجد میں، خانقاہ میں، مدرسہ میں بیٹھے رہنا کہیں آنا جانا مت، بھاگ دوڑ مت کرنا، کام تمھارا فرشتوں سے کرادیں گے ﴿ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم﴾ کے تحت تم کو کسی بھی موقع پر کسی بھی حالت میں ہتھیار اٹھانے کی، مدافعت کی دشمن کو روکنے کی ضرورت نہیں، تم تو بس دین کے کام میں لگے رہنا، اللہ فرشتوں کو بھیج کر سب ظالم، کفار کا ستیاناس کردے گا۔ کیا قرآن کی آیت کا مطلب یہی ہے یا اور کچھ ہے؟ اور ہاں یہ بھی بیان فرمائیں کہ ﴿ويثبت اقدامكم﴾ سے کس بات کی طرف اشارہ ہے؟ قدم کب اور کہاں جمانے پڑتے ہیں؟

⑨ بڑے بڑے مصلحت پسند دانش ور صوفی صلحِ حدیبیہ کی صحیح حقیقت سمجھ سکے ہیں، آپ کچھ جانتے ہوں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں صلحِ حدیبیہ کا صحیح موقف بیان فرمائیں؟

⑩ صلحِ حدیبیہ کی تو زمانی حد بندی تھی، کیا اس زمانے کے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بھی صلحِ مطلبی کی کوئی حد زمانی ہے؟

## کیا ان حالات میں بھی جہاد فرض نہیں ہوا؟

⑪ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر گھر کا ایک دو فرد قتل کر دیا جائے، ہر مسلمان کا گھر یا دوکان جلائی جائے، ہر گھر میں ایک دو عورتوں سے زنا بالجبر کیا جائے، ہر مسجد ہی کا مندر بنایا جائے تب ہی جہاد فرض ہوگا اس سے پہلے نہیں، سیکڑوں شہروں، قصبات، دیہات میں ہزاروں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا اور وہ سب کچھ کر دیا گیا کہ جس کے بیان سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہو چکا ہے، تو کیا اتنا سب بھی جہاد کے لیے کافی نہیں، یا یہ ہی ضروری ہے کہ جب عالموں کو مفتیوں کو مسجد کے ائمہ کو ہی قتل کیا جانے لگے، اور خدانخواستہ ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہونے لگے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے تب ہی جہاد کی فرضیت ثابت ہوگی؟

## جان ومال کی حفاظت کی تدابیر

⑫ بالفرض اگر جہاد فی زماننا اسلام سے خارج ہو چکا ہے تو کیا لفظ جہاد کو مٹا کر اس کے متبادل کسی دوسرے نام سے اس ظلم واستبداد کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا؟ کیا کسی بھی تنظیم اور تحریک سے مظلوم مسلمانوں کی غمزدہ وہوش ربا فریاد پر ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی کوئی شکل نہیں نکل سکتی؟

## اہل وعیال ومسجد کی حفاظت میں مارا گیا شہید ہے

⑬ مسلمان اگر اپنے گھر اور اپنے بیوی، بچوں، ماں، باپ، بھائی، بہنوں کی

حفاظت اور مدافعت میں مارا گیا تو وہ حرام موت مرا یا شہید ہے؟

⑭ مسلمان اگر مسجد کی حفاظت اور مسجد کو مندر نہ بنانے کے لیے مرا تو وہ حرام موت مرا یا شہید ہے؟

⑮ ”اعمالکم عمالکم“ تمھارے اعمال تمھارے حاکم ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مقرر، مبلغ کہتے ہیں کہ بھائیو! یہ جو پریشانیاں آرہی ہیں یہ ہمارے برے اعمال کی سزا ہے لفظ ”ہمارے“ اگرچہ بولا گیا؛ لیکن اللہ جانتا ہے کہنے والوں میں اکثر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سب ”تمہارے“ برے اعمال کی سزا ہے، رہے ہم، تو ہم تو اولیاء اللہ میں سے ہیں، تم ہو بد دین اگر یہ مان بھی لیں کہ بے شک ہر مقرر، مبلغ، صالح ہے، بزرگ ہے اور سامعین بد دین ہیں تو کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ صرف اتنا کہہ کر یہ ”ہمارے اعمالِ بد کی سزا ہے“ چھوڑ دیا جائے، اور مسلمانوں کی مدد اور رہنمائی سے دامن بچا لیا جائے، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کیا جا رہا ہو اس کی ماں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت لوٹی جا رہی ہو، اس کے گھر یا دوکان کو نذرِ آتش کیا جا رہا ہو، اور دین دار مسلمان یہ کہہ کر ٹال دیں کہ جانے دو مرنے دو یہ تو اس مردود بد دین کے برے اعمال کی سزا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ایک مسلمان کی قیمت ساتوں زمین و آسمان مل کر بھی نہیں ہو سکتے کیوں کہ زمین و آسمان اسی وقت تک باقی ہیں جب تک اللہ کا نام لینے والا روئے زمین پر باقی ہے، اگر یہ سچ ہے تو کیا ہزاروں مسلمانوں کی جان کی قیمت ایک پالتو کتے کے برابر بھی نہیں، گھر کی بھیڑ، بکری بلکہ ایک مرغی کے برابر بھی نہیں، اگر کوئی شخص ہمارے جانور کو مار ڈالے تو ہم کیا کچھ نہ کریں گے اور اگر خدانخواستہ ہمارے بیٹے کو قتل کر دے تو اندازہ بھی نہیں

لگایا جاسکتا ہے ہم کیا کر گزریں گے؛ کیوں کہ یہ جانور اور اولاد ہمارے ہیں، مرنے والے مسلمان ہمارے نہیں؛ اس لیے ہمیں کوئی احساس نہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ مشرق میں رہنے والے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو معلوم ہونے پر مغرب میں رہنے والے مسلمان یہ سمجھے کہ اس کے نہیں بلکہ میرے دل میں چھرا لگا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ جس نے بلاقصور کسی کو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو زندگی بخش دی؟ یہ ہمارے برے اعمال کی سزا ہے کیا اس کے ذریعہ تصویر کا ایک رخ پیش نہیں کیا جا رہا ہے؟ کیا یہ ایک فراڈ اور دھوکہ نہیں ہے کیا مقرر کا یہ جملہ ساتھ ہی ساتھ قربانی سے پہلو تہی اور بزدلی کا زندہ ثبوت نہیں ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اعمال کی ترغیب گناہوں کی وعید کے ساتھ ساتھ مقررین ومبلغین کا کچھ سمجھانے بتانے کا کچھ فریضہ بھی ہے یا نہیں؟

## دفاعی تنظیم کا قیام اور اس کی مخالفت کرنے والے کی سزا

(۱۶) (الف) اگر کوئی مسلمان خالص دینی جذبہ کے تحت اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے تحت تبلیغ دین کے ساتھ مسلمانوں میں ظلم وکفر کے مقابلہ میں قربانی کا جذبہ (مگر ہوش کے ساتھ) پیدا کرے اور ایک امن کمیٹی برائے مدافعت وحفاظت قائم کرے، اور اس کی قولی، فعلی، عملی محنت شروع کردے تو یہ عند الشرع محبوب ہے یا مغضوب؟

(ب) اگر عند الشرع یہ عمل محبوب ہو، اور اب اس کے خلاف کوئی مسلمان یا عالم کوئی اقدام کرے یا تو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دے یا یہ کہ حکومت کی چمچہ گیری کی غرض سے جاسوسی کرے یا محض اپنے حسد اور کینہ کی بنیاد پر راز فاش کردے تو ایسے

مسلمان کی مذہبِ اسلام میں کیا سزا تجویز کی گئی ہے؟

(ج) نیز خدانخواستہ یہ دفاعی اور حفاظتی تنظیم بنانے والا مسلمان اور اس میں کام کرنے والا کوئی مسلمان حکومت یا کسی ظالم، باغی کے ہاتھوں مارا گیا تو وہ حرام موت مرے گا یا شہید ہوگا؟

## شہید کے اقسام

⑰ شہید کی کتنی قسمیں ہیں؟

## جہاد کے اقسام

⑱ جہاد کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور کن حالات میں کون سا جہاد مطلوب ہے؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حکومت سے آئینی کارروائی کا مطالبہ کرتے رہیں، اور حکومت کو اس خلافِ قانون اور خلافِ انسانیت ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر زور دیتے رہیں۔

یہ یاد رہے کہ کوئی بھی کارروائی اس وقت تک مؤثر ثابت نہ ہوگی جب تک کہ تمام مسلمان آپس میں متحد ہو کر اس کو انجام نہ دیں، احتجاجات اور مطالبات بھی اگر متحد ہو کر پیش کیے جائیں تو وہ اپنا اثر ضرور دکھلا سکتے ہیں۔

② یکجا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اگر حکم شرعی ایک شخص بتلا دے تو کیا اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا؟ نیز کیا تمام مسلمانانِ ہند بھی اس رہنمائی کو قبول کرنے اور اس پر

عمل پیرا ہونے کے لیے یکجا ہیں؟

③ ملک میں شائع ہونے والی مختلف باتوں کے سلسلہ میں احقر کی معلومات محدود ہیں؛ اس لیے ایسے کسی فتویٰ کی اشاعت کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے؛ نیز جیسا کہ جواب سابق میں بتلایا جاچکا کیا شرعی فتویٰ تمام مفتیان کی طرف سے پیش ہو تب ہی وہ قابل عمل ہے ورنہ نہیں؟

بابری مسجد کا جو قضیہ درپیش ہے اسی نوع کے قضایا کے سلسلہ میں اکابر علماء کے فتاویٰ موجود ہیں اس کے دو نمونے پیش کرتا ہوں:

پہلا فتویٰ سید الطائفہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ملاحظہ فرمائیے:

سوال: یہاں چار کوس پر ایک موضع میں ایک مسجد خام کہنہ ہے، اس کو ایک کافر شہید کراکر بت خانہ بنوانا چاہتا ہے تو حضور مسلمانوں پر اس کا روکنا فرض ہے مستحب ہے؟ اور اس کافر کا مقابلہ کرنا اور یا اس میں لڑ کر شہید ہو جانا فرض ہے یا مستحب؟ غرض یہ ہے کہ کس درجہ مسلمان اس کافر خبیث ظالم کا مقابلہ کریں؟ یا خاموش رہیں، اگر مارنا اور مرنا ضروری ہے تو خاص اس موضعِ مسجد کے مسلمانوں پر ضروری ہے یا جو مسلمان کہ یہ قصہ کو سنیں؟

الجواب: اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے مگر لڑنا، مرنا ہرگز درست نہیں ہے، حسبِ قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ قدیم ۳/۲۰)

دوسرا فتویٰ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو لاہور کی ایک مسجد شہید گنج نامی کے سلسلہ میں دیا گیا تھا، اس مسجد پر سکھوں نے

قبضہ کرلیا تھا، اور اس کو گرودوارہ بنانا چاہتے تھے، انگریز حکومت میں مقدمہ چلا اور سکھوں کے حق میں فیصلہ ہوکر حکومت کی بندوقوں اور سنگینوں کی حمایت میں سکھوں کو مسجد منہدم کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا، اور اس کی جگہ گرودوارہ بنایا گیا، اس مسجد کی واپسی کے لیے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شہید اور زخمی ہوئی اور مالی نقصان بھی بے اندازہ برداشت کیا، اس زمانہ میں یہ مسئلہ آج کی بابری مسجد کی طرح موضوع بحث ونزاع بنا رہا، حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی مسمیٰ ''کفایت المفتی'' کی جلد نہم میں مستقل ایک فصل اس مسئلہ پر از ۹ / ۲۷۸ تا ۹ / ۲۸۷ دیکھی جاسکتی ہے، اس کا مطالعہ ایک طالبِ حق کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوسکتا ہے، اس میں سے کچھ باتیں نقل کرتا ہوں:

(یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ اس کے بعد ملک آزاد ہوا، تقسیم ملک کے نتیجہ میں پاکستان وجود میں آیا، اور شہر لاہور اپنی اس مسجدِ شہید گنج کے ساتھ پاکستان کا ایک حصہ بنا؛ لیکن اب بھی اس جگہ گرودوارہ ہی ہے مسجد نہیں)۔

''مسجد شہید گنج کی واپسی کے سلسلہ میں آئینی طریق پر حصہ لینا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے''۔ (۹/ ۲۸۰)

''جو افراد اور جماعتیں خلوص کے ساتھ مسجد کی واگزاری کے لیے سعی کریں گی وہ عند اللہ ماجور ہوں گی''۔ (۹/ ۲۸۰)

ایک صاحب نے اسی سلسلہ میں ایک تفصیلی استفتاء حضرت مفتی اعظم سے دریافت فرمایا جس میں کئی سوالات ہیں۔ میں صرف جوابات کے نقل پر اکتفاء کرتا ہوں، جی تو چاہتا تھا کہ سوالات بھی نقل کرتا؛ لیکن طوالت کے خوف سے اس کو چھوڑ رہا ہوں:

① مسجد قیامت تک مسجد ہے اور مسلمانوں کو اپنی استطاعت کے موافق اس کی تحصیل کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اور استطاعت کے مدارج مختلف ہیں، قانونی استطاعت تو تقریباً ختم ہو چکی ہے، اگر پریوی کونسل میں مقدمہ جاسکتا ہو یا فیڈرل کورٹ میں سماعت ہوسکتی ہو تو اسے بھی ختم کر لینا چاہیے۔ (یعنی یہ کوشش بھی کر گزرنی چاہیے)

② مسلمانوں نے مسجدِ شہید گنج کے لیے گزشتہ زمانہ میں جو قربانیاں دی ہیں، وہ بقدر اپنی نیت وخلوص کے اجر وثواب کے مستحق ہیں، جو مر گئے وہ شہید ہوئے اور جو زخمی ہوئے وہ بھی ماجور ہوں گے، اور ہر ایک کو اپنے خلوص کے موافق ثواب ملے گا۔

③ مجلسِ احرار، اتحاد ملت اگر اپنے غلبۂ ظن یا یقین کی بناء پر کہ اس ذریعہ سے مسجد حاصل ہوسکتی ہے، سول نافرمانی کر رہی ہیں تو وہ مستحقِ اجر ہوں گی، اور جمعیتِ علماء ہر اس شخص کو جو اس یقین کا حامل ہو سول نافرمانی کرنے میں حق بجانب سمجھتی ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں اس بات کا یقین کرنے میں بھی شریک ہوں جو جماعت کہ اس ذریعہ سے حصول مسجد کا یقین نہیں رکھتی وہ اگر عمل میں شریک نہ ہو تو اسے نہ مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔

④ مسجد کے حصول کا قانونی راستہ تو بظاہر بند ہے اور سول نافرمانی کا راستہ موجبِ تیقن نہیں، باہمی افہام وتفہیم کا راستہ مفید ہوسکتا ہے، اگر اس کے لیے کوئی معقول جدوجہد کی جائے اور جب ہر طرح استطاعت سے باہر ہو جائے تو اس وقت شریعتِ مقدسہ کا فرمان "کہ وسعت سے باہر کا مرتبہ تکلیف کے دائرہ سے باہر ہے" صاف وصریح موجود ہے۔

⑤ ہاں اگر مسلم لیگ کوئی ایسا ذریعہ تجویز کرے کہ اس میں قید وبند یا جان

جاتے رہنے کا بھی خطرہ ہو، اور وہ اسے حصول مسجد کے لیے بظن غالب یا بدرجۂ یقین مفید سمجھے تو مسلم لیگ کی اس رائے سے اتفاق رکھنے والوں کے لیے اس پر عمل کرنا جائز اور ان کے لیے موجبِ اجر ہوگا، اور اگر اس سلسلہ میں وہ مر جائیں گے تو شہید ہوں گے؛ لیکن انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسلمان اس ذریعہ کو حصولِ مسجد کے لیے مفید نہیں سمجھتے تو ان کو بھی شرکت پر مجبور کریں یا عدم شرکت کی بنا پر لعن طعن کریں۔

⑥ عدم استطاعت کی حد تک مسئلہ پہنچا یا نہیں؟ اس میں اختلافِ رائے ممکن ہے اور اختلافِ رائے پر طرقِ عمل کا اختلاف بھی لازم ہے۔

⑦ حکومتِ پنجاب اگر کوئی قابل قبول حل نکال سکے تو چشمِ ما روشن، دل ما شاد، اور اگر کوئی ایسا حل نکالے جو مسجد کے احکامِ شرعیہ کے موافق نہ ہو تو مسلمان اسے بطوعِ خاطر منظور نہیں کر سکتے، پھر اگر اس کی مخالفت سے کسی بہتر حل کا حصول ممکن ہو تو اس کی مخالفت کرنے میں حق بجانب ہوں گے، اور اگر کسی بہتر حل سے مایوسی ہو تو عدمِ استطاعت کے مرتبہ میں پہنچ کر سکوت کی رخصت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ۹/ از ۱۸۲ تا ۱۸۴)

④ اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبری کا مقصد کرسی یا عہدہ کا لالچ ہے، تو وہ حکومت مسلم ہو یا غیر مسلم، عادل ہو یا ظالم، بہر حال یہ ممبری خسرانِ اخروی کا باعث اور واجب الترک ہے، اور اگر اس کا مقصد کسی بھی طریقہ سے امتِ مسلمہ کو فائدہ پہنچانا یا ان کو پہنچنے والے ضرر اور نقصان کو حتی المقدور دور کرنا ہے، تو یہ ممبری موجبِ اجر وثواب اور لائقِ اختیار ہے، انہی دو حالتوں اور مقاصد پر آئندہ اس کے ساتھ کیے جانے والے رویہ کا مدار ہے، اور چوں کہ نیت ایک امرِ مخفی ہے؛ اس لیے ہم اپنی طرف سے کسی کی بدنیتی

کا دعویٰ نہیں کر سکتے، اگر کسی شخص کو قرائن سے اس ممبر کا بدنیت ہونا معلوم ہو تو خود اس کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کی اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن بلا دلیل شرعی دوسرے مسلمانوں کو اس کے ساتھ بائیکاٹ کی ترغیب یا حکم دینا نیز خود اس کو حکومت سے بائیکاٹ پر مجبور کرنا درست نہیں۔

⑤ اوامرِ خداوندی کی بجا آوری اور منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب کے ذریعہ نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

فارس کی لڑائی میں جب مدائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دجلہ پڑتا تھا، کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹالیں کہ مسلمان ان پر کو نہ آسکیں، برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں، دو دو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تھے، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بار بار فرما رہے تھے: "واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظھرن دینہ، ولیھزمن عدوہ مالم یکن فی الجیش بغی اوذنوب تغلب الحسنات" (خدا کی قسم اللہ جل شانہ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کرے گا، اور اپنے دین کو غالب کرے گا، اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں۔ (الاعتدال ۱۱۳ بحوالہ اشاعۃ)

ہرقل کی فوج بہت زیادہ تھی اور مسلمان اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے، جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی، اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلتِ تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے؛

البتہ معاصی میں مبتلا ہونے پر باوجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب ہو سکتے ہو؛ اس لیے اس سے پرہیز کرتے رہنا۔ (الاعتدال ۱۱۲ بحوالہ اشاعۃ)

عراق کی لڑائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیرِ لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جو نصیحت فرمائی تھی، اس کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے، اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں، اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے، اس کے یہاں شریف، رذیل سب برابر ہیں، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا یہ میری خاص نصیحت ہے، اس کو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جاوے گا، اور نقصان اٹھاؤ گے، تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لیے بھیجے جا رہے ہو جس کی ذمہ داریوں سے خلاصی بجز اتباعِ حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے؛ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا...... اللہ کا خوف اختیار کرنا۔ اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے اس کی اطاعت میں اور گناہ سے احتراز میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے۔ (الاعتدال ۱۱۵ بحوالہ اشاعۃ)

عن جرير بن عبدالله قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: مامن رجل يكون فى قوم يعمل فيهم بالمعاصى يقدرون على ان يغيروا عليه ولا يغيرون الا اصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا رواه ابوداؤد

وابن ماجه (مشکوٰۃ شریف:٤٣٧)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور وہ جماعت وقوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہوجاتا ہے“۔

عن عدی بن عدی الکندی قال: حدثنا مولی لنا انه سمع جدی یقول: سمعت رسول الله ﷺ یقول: ان الله تعالیٰ لایعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظهرا نَیْهم وهم قادرون علی ان ینکروه فلا ینکروا، فاذا فعلوا ذلك عذ ب الله العامة والخاصة رواه فی شرح السنة. (مشکوٰۃ شریف:٤٣٨)

یعنی اللہ جل شانہ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب نہیں کرتے جب تک کہ وہ لوگ ان مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں، اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔

عن عائشة قالت: دخل علي النبي ﷺ فعرفت فی وجهه ان قد حضره شیء، فتوضأ وماکلم احدا فلصقت بالحجرة استمع مایقول فقعد علی المنبر، فحمد الله واثنی علیه، وقال: یایها الناس ان الله تعالیٰ یقول لکم: مروا بالمعروف، وانهوا عن المنکر قبل ان تدعوا فلااجیب لکم، وتسألونی فلا اعطیکم، وتستنصرونی فلا انصرکم، فما زاد علیهن حتی نزل. (ابن ماجه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف

لائے، تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی، اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہو گئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمھاری مدد نہ کروں، یہ کلمات طیبات ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

⑥ اس کا جواب نمبر ۵ میں آ گیا، اس کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ شریعت کے تمام شعبوں پر عمل کرنے والے کتنے مسلمان ہیں؟ آپ نے لاکھوں کی جو تعداد بتلائی ہے کیا اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہے؟ اپنی قلتِ تعداد کو بہانہ بنانا تو ہرگز درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا مدار قلت و کثرت یا ہتھیاروں کی کمی بیشی نہیں ہے بلکہ مشیتِ خداوندی ہے۔

⑦ ایسی پابندی تو نہیں ہے؛ البتہ کچھ دیگر شرائط ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔

⑧ اسباب کا اختیار کرنا اس موقعہ پر جہاں شریعت کی طرف سے اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے فرض ہے، بعض اوقات اس کی حیثیت سنت و مستحب کی رہتی ہے، بعض مواقع میں مباح کی، اور یہ تمام احکام بھی شریعت ہی کے جاری فرمودہ ہیں، دین مجموعہ کا نام ہے، کسی ایک جزء کا نہیں؛ البتہ آپ نے بھی ان کی تردید کے جوش میں ایسا انداز اختیار فرمایا ہے جس سے عبادات کا استخفاف لازم آتا ہے۔

﴿لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

قدم جس طرح میدانِ جنگ میں دشمنوں کے مقابلہ میں جمانے پڑتے ہیں اسی طرح اطاعتِ خداوندی میں جادۂ شریعت پر بھی جمانے پڑتے ہیں، اور کل کو روزِ قیامت پل صراط پر بھی جمانے کی ضرورت پیش آوے گی، کتب تفسیر کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

﴿ویثبت اقدامکم﴾ ای عندالقتال، وقیل علی الاسلام، وقیل علی الصراط (تفسیر قرطبی ۱٦/۲۳۲)

﴿ویثبت اقدامکم﴾ فی مواطن الحرب ومواقفها، او علی محجة الاسلام، والمراد یقویکم او یوفقکم للدوام علی الطاعة (روح المعانی ۲٦/٤۳)

﴿ویثبت اقدامکم﴾ فی القیام بحقوق الاسلام والمجاهد مع الکفار (تفسیر مظهری ۸/ ٤۲۵)

اور کیا آپ نے اس طرف بھی توجہ فرمائی کہ یہ ﴿ویثبت اقدامکم﴾ کی جزاء کس شرط پر مرتب ہو رہی ہے؟

⑨ میں نہ دانش ورہوں اور نہ صوفی، کیا عرض کروں؟

⑩ صلح ہی نہیں ہے تو پھر حدِ زمانی کہاں؟

⑪ جہاد جب سے فرض ہوا ہے اس کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی۔

واماقوله علیه السلام: الجهاد ماض الی یوم القیامة فدلیل علی وجوبه وانه لا ینسخ (بحرالرائق ۵/۷٦)

عن انس عن النبی ﷺ قال: جاهدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم رواه ابوداؤد، والنسائی، والدارمی (مشکوٰۃ ۳۳۲)

عن جابر بن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: لن يبرح هذا الدين قائمايقاتل عليه عصابة من المسلمين حتى تقوم الساعة رواه مسلم (ایضاً ۳۳۰)

عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ:لاتزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال رواه ابوداؤد. (ایضاً ۳۳۱)

شروع اسلام میں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مامور تھے کہ مشرکین ومخالفین کی طرف سے پیش آنے والی تکالیف پر صبر سے کام لیتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی سے کام لیں۔ قال الله تعالیٰ: ﴿فاصفح الصفح الجميل﴾ وقال تعالیٰ: ﴿واعرض عن المشركين﴾

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ملا کہ وعظ ونصیحت کے ذریعہ دین کی دعوت پیش فرمائیں اور مباحثہ کے لیے لطف ونرمی والا طریقہ اختیار فرمائیں۔ قال الله تعالیٰ:﴿ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن﴾

اس کے بعد آپ کو اس صورت میں قتال کی اجازت دی گئی جب کہ کفار کی طرف سے ابتدا ہو۔

قال الله تعالیٰ:﴿اذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ اى اذن لهم فى الدفع

وقال تعالیٰ:﴿فان قاتلوكم فاقتلوهم﴾

وقال تعالیٰ:﴿و ان جنحوا للسلم فاجنح لها﴾

اس کے بعد اپنی طرف سے ابتداء بالقتال کا حکم دیا گیا۔

قال الله تعالیٰ:﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة﴾

وقال تعالی:﴿فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾
اور ارشاد نبوی ﷺ :امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لااله الاالله، فاذا قالوها فقد عصموا منی دماء هم، واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله.

الحاصل آخری حکم یہ ہوا کہ مشرکین کے ساتھ جہاد فرض ہے اور اس کی فرضیت تا قیام قیامت باقی ہے۔

ارشاد نبوی ہے: الجهاد ماض منذ بعثنی الله تعالیٰ الی ان يقاتل آخر عصابة من امتی الدجال وقالا: بعثت بالسيف بين يدی الساعة، وجعل رزقی تحت ظل رمحی، والذل والصغار علی من خالفنی، ومن تشبه بقوم فهو منهم (كتاب المبسوط للامام السرخسی ۱/۳،۲)

جہاد کے ان مختلف مراحل کی تفصیل کئی علماء نے فرمائی ہے، جن میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاد کے یہ تمام مراحل آج بھی مشروع ہیں یا آخری مرحلہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام منسوخ ہو چکے ہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر بعد والے مرحلہ نے اگلے مرحلہ کو ختم کر دیا گویا آج پہلے تینوں مراحل منسوخ ہیں صرف آخری مرحلہ یعنی چوتھا باقی ہے، ان کے برخلاف علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ اگلے مراحل بھی منسوخ نہیں ہیں بلکہ وہ ان مخصوص حالات کے ساتھ خاص ہیں جس میں ان کو مشروع کیا گیا تھا؛ اس لیے جب ایسے حالات پیش آویں گے تو وہی حکم ہوگا، اس گروہ کے سرخیل علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: انه ليس فی مراحل

الجہا د نسخ بل یعمل بکل مراحلہ عندالحالۃ المشابھۃ للحالۃ التی شرعت فیھا(تکملہ فتح الملہم ۳/۸ بحوالۂ البرہان فی علوم القرآن)

اسلام کی طرف سے جو فرائض اپنے ماننے والوں پر عائد کیے گئے ہیں ان تمام کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط، کچھ ارکان اور محل اداء بھی مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً نماز فرض قرار دی ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، اور ارکان بھی ہیں، اب اگر کوئی آدمی ستر عورت یا طہارت کا اہتمام کیے بغیر نماز ادا کرنا چاہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، گندگی سے پُر جگہ پر نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں ہوگی، علی ہذا القیاس دیگر فرائضِ اسلام کا حال ہے۔ جہاد بھی ایک فریضہ ہے اس کے لیے بھی کچھ پابندیاں عائد کی گئی ہیں، جہاد کے لیے اولین ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کا متفق علیہ امیر ہو، جس کی اطاعت ہر حال میں کی جاتی ہو اور اس کے لیے ایسا مرکز بھی ہو جو کفار کے تسلط سے پاک ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے جہاد کا حکم نہیں ملا؛ بلکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے جب کفار کے مظالم کی شکایت کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صبر وسکون کی تلقین کی جاتی تھی؛ اس لیے کہ اس وقت تک مسلمانوں کو ایسا کوئی مرکز میسر نہ تھا جو کفار کے غلبہ اور تسلط سے پاک ہو، باوجود مسلمانوں کی خواہش اور درخواست کے مسلمانوں کو روکا گیا، ہاں جب مدینہ منورہ کی صورت میں مرکز میسر آیا تو جہاد کا حکم بھی ملا، اور اس وقت ان مسلمانوں کو جو مکہ معظّمہ میں تھے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے کا حکم ہوا، چناں چہ جہاد کے ساتھ ہجرت بھی فرض ہوئی۔

ہندوستان میں گزشتہ صدی میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب چاہا کہ جہاد کا سلسلہ شروع فرمائیں تو چوں کہ اس وقت

ہندوستان پر انگریز کا غلبہ اور تسلط تھا؛ اس لیے وہ حضرات آزاد قبائل میں ہجرت کر گئے جو علاقہ غیروں کے غلبہ سے پاک تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت تمام مسلمانانِ ہند کسی ایک امیر کی اطاعت پر متفق ہیں؟ پورے ہندوستان کی بات چھوڑ یئے کہ بہت وسیع وعریض رقبہ ہے، کیا صرف ایک ہی صوبہ کے تمام مسلمان ایک امیر پر متفق ہیں؟ ایک صوبہ نہ سہی ایک ضلع اور ایک ضلع نہیں، ایک شہر کے مسلمان بھی کسی ایک امیر کی امارت واطاعت پر متفق ہیں؟ اور اگر اکثر مسلمان متفق ہو جائیں تو کیا اس امیر میں یہ قوت ہے کہ جو لوگ اس کی اطاعت سے خارج ہیں ان کو بزور اپنی اطاعت میں لے آوے؟ اور اگر بالفرض تمام مسلمان اس کی اطاعت میں آ گئے ہیں تو کیا ہندوستان میں رہتے ہوئے اس کے پاس کوئی ایسی جگہ یا علاقہ ہے جو غیروں کے تسلط سے مکمل آزاد ہو جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق اسلامی احکام جاری کر سکے؟ اور جس کو مرکز قرار دے سکے؟ حنفیہ کے یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم بھی اس وقت تک درست وجائز نہیں جب تک اس کو کفار کے تسلط سے نکال کر دار الاسلام میں نہ لے آوے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ کفایت المفتی جلد دوم از ۱۴۴ تا ۱۴۸ پر موجود ہے جس کا عنوان ہے ''ہجرت وجہاد'' اس کو ضرور ملاحظہ فرمالیں:

اس ملک میں رہ کر آپ کو خود پر اور اپنے مسلمان بھائیوں پر کیسا اور کتنا اختیار حاصل ہے؟ اور وہ ایک امیر پر کہاں تک مجتمع ہو سکتے ہیں؟ اس کا اندازہ تو خود آپ کے قائم کردہ سوال نمبر ۱۶ سے ہو جاتا ہے پھر بھی آپ سوال نمبر ۱۱ میں دوسرا ہی انداز اختیار فرمائے ہوئے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں والا ہوش یہاں مفقود ہے۔

⑫ مظلوم مسلمان کی فریادرسی اور اس کی امداد ہر ایک پر ضروری اور فرض ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انصر اخاك ظالما او مظلوما الخ متفق علیه (مشکوٰۃ:۴۲۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: المسلم اخوا المسلم لایظلمه ولایسلمه الخ متفق علیه(مشکوٰۃ:۴۲۲)

ایک اور ارشاد نبوی ہے: مامن امرئ مسلم یخذل امرأ مسلما فی موضع ینتهك فیه حرمته وینتقص فیه من عرضه الا خذله الله تعالیٰ فی موطن یحب فیه نصرته، ومامن امرأ مسلم ینصرمسلما فی موضع ینتقص من عرضه وینتهك فیه من حرمته الانصره الله فی موطن تحب فیه نصرته رواه ابوداؤد(مشکوٰۃ:۴۲٤)

مسلمانوں کے جان ومال کی حفاظت کے لیے جو تدابیر اجتماعی، انفرادی، کارگر اور مفید ہوں ان تمام کا اختیار کرنا حسبِ استطاعت ہر ایک پر ضروری ہے، کون سی تدبیر اس راہ میں مفید اور کارگر ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں اختلافِ رائے بھی ہوسکتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، آپ جس تدبیر کو دیانۃً مفید سمجھتے ہیں اس کا اختیار کرنا آپ پر حسبِ استطاعت ضروری ہے؛ لیکن جو اس کو مفید نہ سمجھتا ہو بلکہ اس کے خیال میں آپ والا انداز بجائے مفید ہونے کے مضر ہو تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس میں آپ کی موافقت کرے، اور چوں کہ آپ کے پاس بھی اس پر کوئی نص قطعی نہیں کہ آپ والی تدبیر مفید ہی ہے؛ اس لیے جو اس کو اختیار نہ کرے اس کی آپ تضلیل وتفسیق نہیں کرسکتے۔

⑬ ⑭ دونوں صورتوں میں وہ شہید ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں

فرماتے ہیں: وجاء ت احادیث اخری فی هذاالباب منها فی الصحیح: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون اهله فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید.

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۱۴/۱۲۷)

⑮ کسی کی نیت پر حملہ کرنا تو ٹھیک نہیں ہے، رہی مسلمان کی مدد اور اس کی فریاد رسی تو وہ ہر ایک پر جو اس کی استطاعت رکھتا ہو ضروری اور فرض ہے، اس کی چند احادیث جواب نمبر ۱۲ میں پیش کر چکا ہوں۔

⑯ (الف): اس کا یہ اقدام مستحسن اور پسندیدہ ہے۔

(ب) اس کی کوئی مقررہ سزا نہیں ہے، حاکم مسلم اس کی مناسب تعزیر کر سکتا ہے۔

(ج) اس کا جواب نمبر ۱۳، ۱۴ میں آچکا ہے۔

⑰ شہید کی متعدد اقسام ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ "ابواب السعادة فی اسباب الشهادة" میں تیس کے قریب شمار کرائی ہیں۔

قال السیوطی فی التنویر: وقد جمعتهم فناهزوا الثلاثین قلت: "سماها ابواب السعادة فی اسباب الشهادة" (اوجز المسالك ٤/ ٢٦٧)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں چالیس کے قریب بتلائی ہیں: وهذا کما رأیت ترتقی الشهداء الی قریب من اربعین.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۱۴/ ۱۲۷)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی نے مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں یہ تعداد ساٹھ تک پہنچا دی ہے۔

وهذا کمارأیت ترتقی الشهداء الی قریب من ستین (٤/ ٢٦٩)

ان کے علاوہ بھی بعض اقسام صاحب مظاہر حق نے ذکر کی ہیں، اور کنز العمال میں بھی مزید کچھ اقسام موجود ہیں۔ وذكر صاحب مظاهر حق انواعا اخر، وكذا فى كنز العمال(اوجزالمسالك ٤/ ٢٦٩)

(۱۸) بہ اعتبار آلات کے جہاد کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں: جہاد بالنفس، جہاد بالمال، جہاد باللسان۔ اس آخری قسم ہی کی ایک نوع جہاد بالقلم بھی ہے۔ لان القلم احداللسانين نیز اس سلسلہ میں کچھ تفصیل جواب نمبر ۱۱ میں بھی آچکی ہے۔

عن انس عن النبي ﷺ قال: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم رواه ابوداؤد والنسائى والدارمى(مشکوٰۃ:۳۳۲)

کن حالات میں جہاد کی کون سی قسم پر عمل ہو اس کا فیصلہ امیر المؤمنین کرے گا اور اس کی اطاعت اس سلسلہ میں ضروری ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴/محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## احیائے خلافت کی سعی

سوال: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے عین بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول منتخب کیا گیا، اور اس طرح ادارہ خلافت کا قیام عمل میں آیا، جس کا سلسلہ خلیفہ سلطان عبد المجید ثانی یعنی ۱۳۴۱ھ سال تک بلا انقطاع رہا، ۱۹۲۴ء میں ترکی کے آمر مصطفی کمال پاشا کی ناعاقبت اندیشی معاندینِ اسلام کی مخالفانہ سازشوں سے ادارہ خلافتِ اسلامیہ کو ختم کر دیا گیا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ آیا:

(۱) ادارہ خلافت اسلامیہ ایک دینی ادارہ ہے؟

(۲) ایک شرعی ضرورت ہے؟

(۳) اعلائے کلمۃ الحق، اخوۃ اسلامی، مسلمانوں کے ناموس کے تحفظ، مسلمانوں کی مرکزیت اور ایسے ہی امور کے لیے ادارہ خلافت ضروری ہے؟

(۴) ارکان اسلام، مثلاً: اقامتِ صلوٰۃ، انتظام زکوۃ، فرائض حج، وخدمتِ حرمین شریفین اور حکمِ جہاد خلافت کی عدم موجودگی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ متاثر ہیں؟

(۵) محتسب کے ذریعہ عمومی احکامِ اسلام کی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل درآمد، اور شرعی حدود کا مکمل نفاذ خلافت کی عدم موجودگی کی وجہ سے متاثر ہے؟

(۶) ادارہ خلافت اسلامیہ کا احیاء ایک دینی خدمت ہے؟

(۷) احیاء خلافت کے لیے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کی کوشش مستحسن ہے؟

(۸) احیاءِ خلافت کی کوشش اور جد وجہد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے؟

ظاہری اسباب، موجودہ مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل، مسلمانوں کی بے حسی اور غیر مسلم سیاسی طاقتوں کی مخالفت کے پیشِ نظر خلافت کا دوبارہ قیام مشکل نظر آتا ہے، ایسی صورت میں کیا (۱) مسلمانوں کو احیائے خلافت کا خیال ترک کر دینا چاہیے؟ (۲) کسی اور ادارہ کو خلافت کا بدل سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے؟ یا یہ سمجھ کر کہ احیاء خلافت اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں اور اسلام کا غلبہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہے، خلافت کے احیاء کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

ہر زمانہ میں مسلمانوں کا ایک امام (رئیس) ہونا چاہیے، اور ایسا ہونا چاہیے کہ نہ

صرف لوگوں کی صحیح رہنمائی کرے؛ بلکہ مظلوم کا انصاف بھی ظالم سے دلوائے، کفر وشرک کی بیخ کنی بھی کرے، حدود وقصاص بھی جاری کرے، بوقت ضرورت جہاد بھی جاری کرے، اور فتنہ وفساد کا انسداد کر کے عدل وانصاف اور امن قائم کرے۔

(کفایت المفتی ۱/۱۳۶، ۱۳۷)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک رئیس چنیں، اور شریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں، اور امور شرعیہ میں اپنے رئیس کی مدد ومعاونت کریں۔ (تحفۂ اثنا عشریہ مترجم ۲۷۲)

علم کلام کے مشہور متن ''عقائد نسفیہ'' میں ہے: والمسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ احكامهم، وإقامة حدودهم، وسد ثغورهم، وتجهيز جيوشهم، وأخذ صدقاتهم، وقهر المتغلبة، والمتلصصلة، وقطاع الطريق، وإقامة الجمع والأعياد، وقطع المنازعات الواقعة بين العباد، وقبول الشهادات القائمة على الحقوق، وتزويج الصغار والصغائر الذين لا أولياء لهم، وقسمة الغنائم ونحو ذلك من الأمور التي لا يتولاها آحاد الامة.

(شرح عقائد ۱۱۰)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ عبارت بالا کی تشریح سے پہلے فرماتے ہیں:

والمذهب أنه (أي نصب الإمام) يجب على الخلق(۱۱۰)

فقہ حنفی کے مشہور متن ''درمختار'' میں ہے:

والإمامة هي صغرى وكبرى، فالكبرىٰ استحقاق تصرف عام على الأنام، وتحقيقه في علم الكلام، ونصبه أهم الواجبات، فلذا قدموه

على دفن صاحب المعجزات (درمختار على هامش الشامی ۱/۴۰۵،۴۰۴)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:( قوله أهم الواجبات) أي من أهمها لتوقف كثير من الواجبات الشرعية عليه(شامی ۱/۴۰۵)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ یہ کام امام ورئیس کی تقرری کی شکل میں ہونا چاہیے، ادارہ کی شکل میں نہیں، یہ الگ بات ہے کہ مقرر شدہ امام ورئیس اپنی تقرری کے بعد نظم ونسق بہتر طریقہ سے چلانے کے لیے ادارہ قائم کرے، مندرجۂ بالا تفصیل سے جب اس کام کا واجبات میں سے ہونا معلوم ہوا، تو اب اس کے قائم کرنے کے خیال کو ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ تمام مسلمانانِ عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس واجب کی ادائیگی کے لیے مشترکہ وانفرادی کوشش جاری رکھیں؛ یہاں تک کہ یہ واجب قائم ہوجائے۔ وما ذلك على الله بعزيز. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کمیونزم پارٹی کے ساتھ راہ ورسم رکھنا

سوال: مارکس کمیونسٹ پارٹی (سی-پی-ایم) جس کی بنیاد دہریت اور لادینیت پر ہے اور جس نے شروع ہی سے مذہب اور دین کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے تحریراً تقریراً عملاً، اس نے زندگی کے ہر شعبوں میں اتباعِ دین وشریعت کو، مذہبی کتاب کو خدا کا کلام اور نا قابل تفسیخ ماننا، دینی وعظ وتقریر، مسلم پرسنل لا، مدارس ومکاتب، خالص دینی اداروں کا قیام اور مساجد کی تعمیر وغیرہ؛ کو مذموم، بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی بتلا کر اور آل انڈیا تبلیغی جماعت، جمعیتِ علمائے ہند وغیرہ کو اس بنیاد پرستی

اور فرقہ پرستی کا سب سے بڑا مجرم اور سرغنہ قرار دے کر اپنے کارکنوں کو اس قسم کے افراد اور اداروں کے خلاف للکارا ہے اور ہدایت جاری کی ہے کہ وہ اس قسم کے ادارے اور افراد سے تعلقات منقطع کرلیں اور دوسروں کو ان سے قطع تعلق کرائیں؛ چناں چہ حسبِ ہدایت پارٹی کے لوگوں نے مختلف انداز سے اس پر عمل بھی شروع کردیا ہے۔

مزید برآں وہ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے نام پر بنگال اسمبلی میں ایک بِل پاس کرنے جارہی ہے، جس کا مقصد ضبطِ تولید، نکاحِ نابالغاں پر پابندی، عمر کا تعین بتلایا گیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اس بِل کے سلسلہ میں کسی بھی مذہب اور رواج کی پروا نہیں کی جائے گی اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق شادی ہو، اگر رجسٹرڈ ہے تو واجب التسلیم، ان حالات میں تحفظِ دین وایمان کی خاطر مسلمانوں کو ایسی جماعتوں اور اس قسم کے افراد کے ساتھ کیا رویہ اور کیا سلوک ہونا چاہیے؟

ان اصول ونظریات سے اتفاق کرنا، ان کا ممبر بننا، ان کا تعاون کرنا، ان کے مشن کو فروغ دینا، ان کی ہدایت پر عمل کرنا، ان سے باہمی راہ رسم اور دوستانہ تعلق قائم کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ اس کے باوجود جو مسلمان ان کے ممبر بنتے ہیں اور حکم شرعی کے خلاف پارٹی کے حکم پر عمل کرتے ہیں، ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس پارٹی کے جو ممبر اپنے کو مسلمان کہلاتے ہیں، کیا وہ حقیقت میں مسلمان ہیں؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

کمیونیزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے؛ چناں چہ ’’واٹ کمیونیزم ازدیب‘‘ میں ہے ۸۱۲: کہ کمیونیزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا، جو صدقِ دل سے صاف صاف اس کا اعلان کردے کہ وہ دہریہ، یعنی: منکرِ

خدا ہے۔ اینجلز لکھتا ہے کہ ہماری پارٹی طبقہ وار شعور رکھتی ہے اور مزدوروں کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتی ہے، ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی ہے، ہمارا بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے۔
(اینجلز ۱۵)

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب پر تنقید علمِ تنقید کا مبدأ ہے۔ (مارکس سوشلزم ۱۹۲)

مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے۔ (بحوالہ سابق)

مذہب آوازِ قدیم کی نظامی غلامی کی بازگشت ہے۔

(کمیونسٹ مینوفیسٹو کی تشریح دقعہ ۱۵۵ از ریز نیوف بحوالہ "الحق ۱۰۰۹ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ")

کمیونیزم پر بحث کرتے ہوئے "حکم الاسلام في الاشتراکیۃ" کے مصنف لکھتے ہیں: إن العقيدة الاسلامية للنظام الاشتراكي: هي العقيدة المادية، التي تقول أن المادة هي أصل الاشياء، ولا شیء لغير المادة، وهذا، يعنى انكار وجود الخالق العظيم سبحانه وتعالى وبالثاني انكار كل دين سماوى، واعتبار ها الايمان بذلك افيونا يخذر الشعوب، كما يعتقد بذلك المارکسون والتينويون وامثالهم

یعنی کمیونیزم کی بنیاد یہی عقیدہ مادیہ ہے، جو کہتا کہ مادہ ہی اصل چیز ہے اور مادہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں، اور یہ یعنی باری تعالیٰ کا انکار اور انجام کار ہر دین سماوی کا انکار، اور ایمان کو نشہ آور افیون سمجھنا ہے، جیسا کہ مارکس اور ٹیٹو کے ماننے والے سمجھتے ہیں۔

(حکم الاسلام في الاشتراکیہ:۱۱۹)

اور کمیونیزم ایک تحریک ہی نہیں؛ بلکہ ایک جدید مذہب ہے، جس کے بانی مارکس ولینین وغیرہ یہودی تھے؛ چناں چہ علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کمیونیزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں؛ بلکہ ایک جدید مذہب ہے، جو تمام ادیانِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاقی اقدار اور دین حق، یعنی: ذاتِ خداوندی کے خلاف ہے، اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دینِ یہود کا مسلک ومقصد ہے، دین سوشلزم جو دشمن انسانیت ہے، اس کے بانی شیونن ہار مارکس ولینین جو یہودی تھے، اور جن کا قول تھا کہ ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی، اب ہم نے اس زمانہ کے انسانوں کو سواری بنادیا، جن کو جانوروں کی طرح استعمال کرلیں گے۔

(جواہر ۲/۱۲۸ بحوالہ الحق)

یہ کمیونیزم کا اجمالی خاکہ ہے، جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے بھی وہ صراحتاً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آتی ہو، پھر بھی دینی حیثیت سے اس کا ضرر واضح ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۰۳، ۱۰۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

# حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کا حکم

سوال: حکومت کا گناہ کرنا کیسا ہے؟ حکومت کا گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو دونوں برابر ہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت اسلامیہ کے قوانین کی پابندی اس حیثیت سے کہ وہ اطاعت اولی الامر ہے ضروری ہے، اور حکومت غیر اسلامیہ کے قوانین کی خلاف ورزی میں اپنے آپ کو قانونی سزاؤں کے لیے پیش کرنا لازم آتا ہے، جس میں اپنی تذلیل ہے، اس لیے ممنوع ہے۔

ولکونه عرضا للنفس لعقوبات قانونية اذا كانت الحكومة غير اسلاميه(تکملہ فتح الملھم ۱/۵۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قومی دھارے میں شامل ہونا

سوال: برادرانِ وطن کو مسلمانوں سے شکایت ہے کہ قومی دھارے میں تیز بہتے اور بنیاد پرست ہیں، براہِ کرم اگر اس پر بھی مختصر روشنی ڈالیں، تو بہت ہی کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قومی دھارے میں بہنے سے مراد یہ ہے کہ مسلمان شعارِ کفر اختیار کرنے لگیں، تو اس سے صد بار نعوذ باللہ!! خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی اتباع کا نام بنیاد پرستی ہے، تو یقیناً ہم بنیاد پرست ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے، باقی غیروں کے طعن وطنز سے ہم شریعت کو تو نہیں چھوڑ سکتے، آخر مشرکینِ مکہ کی طرف سے وہ کون سی تجویز صلح رکھی گئی تھی جس پر سورۂ کافرون کا نزول ہوا؟ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: کفارِ مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، ان سب میں کم از

کم کفر و اسلام کے حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصولِ اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلانِ براءت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدۂ یہود سے اس کی عملی صورت معلوم ہوئی، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں، جس میں اصولِ اسلام کے خلاف کیا گیا ہو، یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں؛ مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے، خدا کے قانون اور اصولِ دین میں کسی مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## فسادات میں عصمت بچانے کے خاطر لڑکیوں کا خودکشی کرنا

(سوال): صہیونی یہودی عیسائی و دیگر قوموں کے مفسدین جب مسلمانوں کی بستیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں خصوصاً جب یہ فوجی بغاوت ایمرجنسی اور مارشل لاء جیسے ہتھکنڈے استعمال کر کے حکومتی سطح سے فساد مچاتے ہیں تو قوم مرحوم کی دوشیزاؤں پر جنسی دست درازیاں بھی کرتے ہیں اور طرح طرح کی اذیتیں بھی دیتے ہیں تو اگر یہ دوشیزائیں ان مفسدوں کے ہتھے چڑھنے سے پہلے ہی خودکشی کرلیں تو آیا ان کو ایسا کرنا روا ہوگا؟ چوں کہ اسیری کی صورت میں عزت عصمت و عفت کے ساتھ جان بھی جاتی ہے تو دامن عفت کی سلامتی کے ساتھ ہی اگر یہ خودکشی کرلیں تو کیسا ہے اگر ایسا روا ہے تو کیا ایسی صورت میں وہ دوشیزائیں شہادت کے مرتبہ کو پانے والی ہوگی؟ یاد

رہے کہ ایسے لاکھوں واقعات ماضی قریب میں چیچنیا کوسوفو نائیجیریا عراق صومالیا یوگنڈا کموڈیا کموچیا لوگا دین لائبریا افغانستان اور گجرات میں بھی پیش آئے ہیں إن في ذا لعبرة للبيب إذا اعتبر ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور کفار نے مستقبل میں بھی ایسے برہنہ ناچ کے دہرانے کا عزم کر رکھا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان حالات میں بھی ان کے لیے خودکشی حرام ہے منجانب اللہ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر صبر کرنا اور دین پر قائم رہنا ان کے لیے بہت بڑا جہاد ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۶/۲۲)

سوال میں مندرجہ حالات میں اٹھائے جانے والے اس اقدام کے متعلق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں قانون تو وہی ہے جو آپ نے ذکر کیا (یعنی یہ اقدام حرام ہے) باقی جن لڑکیوں کا آپ نے ذکر کیا توقع ہے کہ ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## قومی وملی راز کی حفاظت کے لیے مسلمان بھائی کو مار ڈالنا

سوال: مسلمانوں کا کوئی فرد کفار کے ہتھے چڑھ گیا (والعیاذ باللہ) اور وہ مسلمانوں کے بہت سے عسکری ودفاعی رازوں کا جاننے والا ہے اگر وہ انٹروگیشن میں رازوں کو اگل دیوے تو قوم مسلم کا بہت ہی بڑا اجتماعی خسارہ ہو تو کیا اسے قبل از

کشادن زبان ہی مالک حقیقی کے یہاں پہنچا دیا جائے تو مسلمانوں کے لیے یہ روا ہے؟ اسی طرح اگر وہ شخص منافق ہے تو یہ روا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## عیدگاہ میں تفصیلاتِ حساب کی آڑ میں سیاسی مقاصد کی برآری

سوال: واضح ہو کہ ہمارے شہر کی عیدگاہ کے منتظمین بروزِ عید عیدگاہ میں عامۃ المسلمین کے سامنے سالانہ حساب کی تفصیلات پیش کرتے ہیں اور امداد کنندگاں کا فرداً فرداً نام پکار پکار کر شکریہ ادا کرتے ہیں علاوہ ازیں سرکاری عہدہ داروں اور اخبار نویسوں اور فوٹو گرافروں کے بھی نام لے لے کر شکر گذاری کی جاتی ہے۔ اس قسم کی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور تسبیح و تہلیل میں ناخوش گوار خلل واقع ہوتا ہے۔ توجہ دلانے کے باوجود یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے دنیوی اور سیاسی مقصد برآری کی نیت کارفرما ہوتی ہے۔ مذکورہ صورت حال کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں۔

(۱) عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے یا آخر میں تسبیح و تہلیل کے سوا مندرجہ بالا قسم کی غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) عیدگاہ میں لوگوں کو تکلیف ہو ایسا عمل کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں عیدگاہ کے حسابات پیش کرنے کا عرف ودستور ہے۔ اوراس کے مطابق منتظمین عیدگاہ حسابات پیش کرتے ہیں۔ توان کے اس اقدام کو بالکلیہ غیر ضروری اور غیر متعلق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ باوجود قدیم عرف کے اس کا حسابات کو پیش نہ کرنا عامۃ المسلمین میں اختلاف وتشتت کا باعث بن سکتا ہے۔ البتہ شریعت مطہرہ نے ہر معاملہ میں میانہ روی اوراعتدال کا حکم دیا ہے اس لیے اس میں بھی منتظمین کو چاہیے کہ غلواور افراط سے بچتے ہوئے میانہ روی اختیار کریں۔ اور حسابات کی پیشی کے اس عمل کو غیر ضروری طوالت اور بے جا قصیدہ خوانی سے پاک رکھیں۔ اس خالص دینی وملی کام کو اپنی سیاسی مقصد برآری کا ذریعہ بنانا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ لیکن کسی کی قلبی حالت پر سخت حکم لگا کر اس کی نیت پر حملہ کرنا بھی شان ایمانی نہیں ہے۔ اس تفصیل سے آپ کے قائم فرمودہ دونوں سوالات کا حل واضح ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# متفرقات

## انگریزی تعلیم، تشبہ بالکفار، تربیتِ اولاد وغیرہ

## دورِ جدید کے مسائل

سوال: (۱) حدیث ”من تشبه بقوم فهو منهم“ کا کیا مطلب ہے؟ نیز اسلامی معاشرہ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے اور اس کے تحفظ کا کیا حکم ہے؟

(۲) مسلمانوں کے لیے، خاص طور پر مسلمان بچیوں کے لیے غیر اسلامی ہندو اور عیسائی وضع قطع ولباس پہننا اور پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسلمان بچیوں کو حتی کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اسکول میں، انگریزی اسکول ان کی تربیت اور ماحول میں بھیجنا، اور ان کا وضع وقطع اپنانا کہاں تک جائز ہے؟

(۴) علمائے کرام اور علمی اداروں کے ذمہ دار اور اساتذہ اگر اپنی بچیوں تک کو انگریزی لباس وضع وقطع میں اسکول بھیجیں؛ حتی کہ عیسائی مشنری اسکول میں بھیجیں، تو ان کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۵) کیا اسی حالت میں انہیں حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کے بچوں اور بچیوں کو بھی تعلیم کی ترغیب دیں؟ مدرسہ میں داخل کریں؟ اسلامی وضع وقطع کی پابندی کے لیے سختی کریں؟

(۶) جو استاذ اپنی بچیوں کو غیر اسلامی وضع وقطع کے ساتھ غیر اسلامی ماحول والی اسکول میں بھیجتا ہے، روکنے سے، سمجھانے سے باز نہیں آتا، اگر مہتمم مدرسہ اس بنا پر

ایسے استاذ کو مدرسہ سے برطرف کردے، تو شرعاً اس کا حکم کیا ہوگا؟

⑦ اگر کوئی عالم دین باپ اپنے عالم دین بیٹے کو، اپنی پوتی کو اسکول میں داخلہ کرائے، غیر اسلامی وضع وقطع سے پرہیز کرنے کے لیے کہے، سمجھائے، خوشامد وبہ لجاجت ہاتھ سر جوڑ کر اس اقدام سے باز رہنے کے لیے کہے؛ مگر اس کے باوجود بیٹا اپنے کو انگریزی وضع وقطع میں رکھے اور اسکول میں داخلہ پر بضد اور مصر رہے اور باپ بیٹے کے اس اقدام کو غیر شرعی اور اسلامی معاشرہ کے لیے تباہ کن سمجھ کر اسلامی معاشرہ کی حفاظت، کم سے کم اپنے ماحول میں اس زہر کے سرایت کرنے سے بچنے کے لیے بیٹے کو عاق کردے، گھر سے نکال دے، تو ایسے باپ اور ایسے بیٹے کے حق میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ براہ کرام فوری اور تشفی بخش جواب سے ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مذکورہ حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی گراں قدر تالیف ”التشبه في الإسلام“ کا مطالعہ فرمالیں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے انشراحِ صدر کا باعث ہوگا، پھر بھی اس کی مختصر تشریح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کی فرمودہ نقل کرتا ہوں۔ تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں:

(الف) فطری امور میں مشابہت، مثلاً: کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ (یعنی وہ کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں، وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں الخ از احقر) یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال في الدر: فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيء؛ بل في

المذموم، وفيما يقصد به التشبه كما في البحر، اهـ قال الشامي تحت قوله لايكره في كل شيء: فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون (۱/۶۵۲)

(ب) عادات میں مشابہت، مثلاً: جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں، اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو، خواہ ہمارا اتباع کرکے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے، اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں، یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے، تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے، تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا؛ مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على أبي يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كرها ذلك، لأن فيه تشبها بالرهبان، فقال: أن رسول الله ﷺ كان يلبس النعال التي لها شعر، وانها من لباس الرهبان، فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لايضر، فإن الأرض مما لايمكن قطع المسافة البعيد فيها إلا بهذا النوع اهـ قلت: وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز إذا كان بدون القصد.

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں، ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے، اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے، خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

(ج) ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنّار وغیرہ پہننا، یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے، اس میں تشبہ حرام؛ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

اس مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں ''شریعت اسلامیہ میں چوں کہ "تشبہ بالکفار" کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، جو بے شمار آیات واحادیث سے ثابت ہے، اس لیے تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں، حضراتِ فقہاء ومتکلمین نے مسئلہ تشبہ کو "باب الارتداد'' میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے''۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۵۵۱)

''سیرۃ المصطفیٰ'' میں اس مقام کا بھی مطالعہ فرمالیا جائے جس میں اسلامی معاشرہ کی اہمیت وحقیقت پر بھی کلام ہے اور اس کی حفاظت کی ضرورت کو بھی خوب واضح کیا گیا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ''معارف القرآن'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان تینوں آیتوں کا حاصل مسلمان کو برے ماحول اور بری صحبت سے بچانا ہے، جو انسان کے لیے سمِ قاتل ہے، قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص کے علاوہ مشاہدہ اور تجربہ اس کا گواہ ہے کہ انسان کو تمام برائیوں اور جرائم میں مبتلا کرنے والی چیز اس کی بری سوسائٹی اور برا ماحول ہے، جس میں پھنسنے کے بعد انسان اول تو خلافِ ضمیر اور خلافِ طبع برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر جب عادت پڑ جاتی ہے، تو یہ برائی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے؛ بلکہ برائی کو بھلائی

اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگتا ہے''۔ آگے فرماتے ہیں: ''اور جہاں تک غور کیا جائے انسان کو اس حالت پر پہونچانے والی چیز اکثر اس کا غلط ماحول اور بری صحبت ہوتی ہے، ''نعوذ باللہ منھما'' اسی لیے بچوں کے مربیوں کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے ماحول اور سوسائٹی سے بچانے میں پوری کوشش کریں۔ (معارف القرآن ۳/ ۳۷۴، ۳۷۵)

ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے کہ ہمارے امیرِ لشکر عتبہ بن فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان پہنچا کہ اے عتبہ بن فرقد! تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع وقطع سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھو۔ (مسلم شریف ۲/ ۱۹۱، مسند احمد ۱/ ۱۶)

② ③ جواب نمبر ایک میں تفصیل آچکی ہے۔

④ جو کام عوام مسلمین کے حق میں ناجائز ومکروہ ہو، حضرات علمائے کرام کے لیے اس سے احتراز اور زیادہ مؤکد ہے، اہل علم کی ذمہ داریاں بڑی ہیں۔ ﴿قُلْ هل يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹)

⑤ دوسرے کے بچوں، بچیوں کو دینی تعلیم کی ترغیب دینا، اور ان سے اسلامی وضع قطع کی پابندی کروانا، ایک کارِ خیر ہے، ایک نیکی چھوڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُم﴾ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''لیکن مذکورہ بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لیے دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنا جائز نہیں، اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین نہ کرے؛ کیوں کہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی

ہے اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے، جیسے ایک شخص اگر نماز نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو نماز پڑھنے کے لیے بھی نہ کہے، اسی طرح کسی ناجائز فعل کا ارتکاب الگ گناہ ہے اور اپنے زیر لوگوں کو اس ناجائز فعل سے نہ روکنا دوسرا گناہ ہے اور ایک گناہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا گناہ بھی ضرور کیا جائے۔ (روح المعاني)

چناں چہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ہر ایک شخص یہ سوچ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے کہ میں خود گنہگار ہوں، جب گناہوں سے خود پاک ہو جاؤں گا، تو لوگوں کو تبلیغ کروں گا، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا؛ کیوں کہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو؟ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑ کر تبلیغ کا فریضہ چھوڑ بیٹھیں۔ (قرطبي) بلکہ حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے، تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں؛ تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے، الخ۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۱۸، ۲۱۹)

دوسرے موقعہ پر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو، اور مقصد یہ ہے کہ جب

دوسروں کو نصیحت کرتے ہو، تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے، جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو؛ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے، تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو"، الخ۔ (معارف القرآن ۸/ ۴۲۵)

⑥ مدرسہ کے کسی مدرس کا ایسا فعل، جو مدرسہ کے حق میں مضر اور مدرسہ کے وقار کے منافی ہو، اس پر علیحدہ کرنے کا مہتمم مدرسہ کو اختیار ہے۔

⑦ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی بیٹے کی طرف سے ہونے کی صورت میں باپ کو چاہیے کہ اس کو تنبیہ کرے، اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو باپ اس سے قطع تعلق کرسکتا ہے۔ "ابن ماجہ شریف" میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، ان کا ایک بھتیجا ان کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے ایک چھوٹی کنکری انگلی پر رکھ کر پھینکی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کیا، اور فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس سے کوئی شکار نہیں مرتا اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، وہ کسی کا دانت توڑ دیتی ہے، یا آنکھ پھوڑ دیتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد بھی اس بھتیجے نے دوبارہ وہ حرکت کی اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیرے سامنے بیان کررہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود تو یہ حرکت کررہا ہے، میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ (ابن ماجہ شریف ۳)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث نقل فرمائی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے اہل کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرے، اس پر ان کے ایک صاحب زادہ (جن کا نام واقد یا بلال تھا) نے کہا کہ ہم تو منع کریں گے، تو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیرے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کر رہا ہوں اور تو ایسا کہہ رہا ہے؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ (مسند احمد بن حنبل ۲/۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عصری تعلیمی ادارے، تصاویر وغیرہ کا شرعی حکم

سوال: (الف) موجودہ دور میں دنیا تحقیق وتفتیش وانکشافات کے میدان میں جس قدر آگے بڑھ رہی ہے وہ یقینا آپ سے پوشیدہ نہیں ہوگا نت نئی ایجادات اور سائنسی تحقیقات کے ذریعہ سفر وحضر سے لے کر علاج ومعالجہ ارضیات اور فلکیات تک کے لیے بے شمار ایسی اشیاء سامنے آئی ہیں جن سے بلا تفریق مذہب وملت مخلوق خدا فائدہ اٹھا رہی ہے، بے شک کہیں کہیں ان ایجادات کا غلط استعمال بھی ہو رہا ہے بلکہ بعض آلات کا استعمال زیادہ تر غلط ہی ہو رہا ہے تاہم ان کے صحیح استعمال سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں یا ہو سکتے ہیں ان کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، ان تمام ایجادات وتحقیقات، تفتیشات کے لیے چھوٹی عمر ہی سے بچوں کو کام میں لگا دیا جاتا ہے، جگہ جگہ ایسی اسکول، انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ سینٹرس قائم ہیں جہاں بچے اس طرح کے علوم حاصل کرتے ہیں۔ عموماً اس طرح کے ادارے غیر مسلم حضرات یا برائے نام مسلم یا گمراہ نظریہ والے نام نہاد مسلمان حضرات قائم کرتے ہیں۔ جہاں اسلامی تعلیمات اور تشخص کا کوئی خاطر خواہ خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ بعض جگہ پر تو اسلام مخالف ماحول بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ بچے بچیوں کی مخلوط تعلیم آگے چل کر اکثر انہیں بے راہ

روی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ان حالات میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ایسے ادارے قائم کریں جہاں صحیح اسلامی تعلیمات اور ملی شناخت کے تحفظ کے ساتھ جدید علوم وفنون بھی سکھلائے جائیں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو آج کے یہ مسلمان بچے کل زمانے سے بہت پیچھے رہ کر اقوام عالم کے مقتدا بننے کے بجائے ان کے مقتدی بن جائیں گے، یا پھر اغیار کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور تشخص سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اسی کے پیش نظر کچھ مقتدر حضرات نے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جہاں ڈھائی سال کی عمر سے ہی بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، ان بچوں کے لیے جدید تعلیم، انگریزی اور سائنس کے ساتھ قران مجید نہایت صحت اور تجوید کے ساتھ حفظ، احادیث مبارکہ، روزمرہ کی دعائیں، سنن ومستحبات کی عملی مشق اور دین کے ضروری مسائل پر مشتمل ایک ایسا نصاب ترتیب دیا گیا ہے جس سے مسلمان بچے جدید عصری علوم وفنون میں اتنے ہی ماہر ہوسکیں، جتنے غیروں کے اداروں سے نکلنے والے ہوتے ہیں ساتھ ہی ان کو دینی علوم کی وافر معلومات ہو وہ اسلامی تاریخ اور اسلاف کے کارناموں سے بھی واقف ہوں نیز ائمۂ مجتہدین کے مسلک پر کاربند رہتے ہوئے پورے دینی تشخص اور ملی شناخت کے ساتھ دوسروں تک صحیح اسلامی تعلیمات پہنچا کر اپنی دعوتی ذمہ داریاں بھی پوری کرسکیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے ادارے کا قیام اور مذکورہ بالا طرز تعلیم کا شرع متین کی روشنی میں کیا حکم ہوگا؟

(ب) عموماً جدید علوم وفنون کی تعلیم جس انداز میں دی جاتی ہے شریعت کی روشنی میں اس کے کچھ مسائل قابل دریافت ہیں:

① شریعت میں جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے مگر ہاتھوں سے بنائی ہوئی تصویریں اور جدید کیمروں کے ذریعہ عکس سازی کا ایک ہی حکم ہوگا یا الگ الگ؟

② ضرورت شرعی کا معیار کیا ہے؟ نیز تصویر جو حرام ہے تو اس کی حرمت کس درجہ کی ہے؟ کیا شراب نوشی کی حرمت اور جاندار کی تصویر کی حرمت کا ایک ہی درجہ ہے؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو برائے کرم مدلل بیان فرمائیں۔

③ حج کے لیے تصویر کو حکومت کے قانون کی وجہ سے ضرورت شرعی قرار دیکر روا رکھا گیا ہے تو کیا بیرون ملک سفر کے لیے حکومت کی طرف سے اگر شراب یا الکحل پینا کسی سائنسی توجیہ کا سہارا لے کر ضروری قرار دیا جائے مثلاً آج کل سفر کے لیے ٹیکے لگانا ضروری ہے ان کو ختم کر کے اس قسم کی کوئی دوا شراب میں ملا کر پینا ضروری قرار دیا جائے تو کیا وہ شراب نوشی روا ہو جائے گی؟

④ اسی کے ساتھ قابل توجہ امر یہ بھی ہے کہ فرض حج کے لیے تصویر ضرورتاً روا ہے مگر نفلی حج وعمرہ یا بلا ضرورت صرف تفریح کے لیے بیرونی سفر کس طرح ضرورت شرعی ہوگا؟

⑤ چھوٹے چھوٹے کمسن بچوں کی تعلیم کے لیے جاندار کی تصویروں کا استعمال کیسا ہے؟ واضح رہے کہ بچوں کو جدید عصری علوم میں ماہر بنانے کے لیے پچھلی تحقیقات کے ساتھ ساتھ ساری دنیا سے متعلق عام معلومات حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً جدید تحقیقات کے ذریعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ عہد قدیم میں انتہائی بڑے اور جسیم جاندار ہوتے تھے جن کے باقیات بعض علاقوں میں دستیاب ہوئے ہیں ان باقیات کی بنیاد پر ان جانوروں کی شکلیں بنائی گئی ہیں بچوں کو زبانی طور پر ان جانوروں کی

مکمل شناخت کرانا ناممکن ہے ان کی پوری ہیئت سمجھانے کے لیے تصویریں ضروری ہیں، اسی طرح دنیا کے مختلف علاقوں میں الگ الگ قسم کی جان دار مچھلیاں اور حشرات الارض پائے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ بہت سی نئی تحقیقات میں مدد ملی ہے، اب ہندوستانی بچوں کو ان جانوروں کی شناخت کیسے کرائی جائیگی جب کہ وہ جانور یہاں پائے ہی نہیں جاتے، قطب شمالی یا جنوبی میں جو برفانی جانور رہیں اس علاقہ کے عجیب الخلقت سمندری جانور یا ایسی مچھلیاں جن سے روشنی نکلتی ہے، اسی طرح بعض ایسے بھی حشرات الارض ہیں جو قابل ذکر خصوصیات وعادات رکھتے ہیں وہ کیسے سمجھائے جائیں گے، اگر بچوں کو یہ سب نہیں بتایا جاتا تو معلومات عامہ سے ہمارے بچے دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے نیز معلومات عامہ کی بنیاد پر آئندہ جو علوم سکھائے جائیں گے وہ حاصل نہیں ہوسکیں گے۔

⑥ ضرورت کی بنیاد پر بعض جگہ پر تصویروں کو روا رکھا گیا ہے مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ؛ بچوں کی تعلیم بھی ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

⑦ بچوں کو یونیفارم کے طور پر پتلون اور شرٹ پہنائی جائے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں جب کہ پتلون ٹخنوں سے اوپر ہو، واضح رہے کہ ہمارے شہر بمبئی میں پتلون کا استعمال عام ہے یہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؟

⑧ بچوں کے کھیلنے کی گڑیا کا کیا حکم ہے جب کہ اس کی آنکھ، ناک، کان واضح ہوں تعلیم کے لیے ان کا استعمال کیسا ہے؟

⑨ بچوں کو پڑھانے کے لیے اگر تختہ سیاہ پر جاندار کی تصویر بنانی پڑے تو اس کی اجازت کی کیا شکل ہے جب کہ یہ ضروری ہے؟

⑩ بہت سے غیر مسلموں نیز فاسد العقیدہ افراد نے جدید عصری تعلیمی ادارے قائم کررکھے ہیں وہ لوگ اپنے اداروں کا اشتہار کرتے ہیں کتابچے اور پمفلیٹ چھاپتے ہیں جن میں تصویروں کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے بچے دکھائے جاتے ہیں، تیراکی ونشانہ بازی اور قطاروں میں کھڑے ہوکر ورزش کرتے ہوئے بچوں کی تصویریں ہوتی ہیں، اس طرح کے اشتہارات سے عامۃ المسلمین انتہائی متاثر ہوتے ہیں، اور ایسے اداروں کی دل کھول کر مالی امداد کرتے ہیں ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی وہیں داخل کراکے ان کو غیر اسلامی بلکہ اسلام دشمن ماحول کے حوالہ کردیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات اور ملی تشخص کی مکمل رعایت کے ساتھ اس طرح کے تمام علوم وفنون سکھانے والا کوئی مسلم ادارہ ایسے باتصویر اشتہارات شائع کراکے عامۃ المسلمین کے سامنے ایک صحیح متبادل اس نیت سے پیش کرے کہ مسلم بچے غیر اسلامی ماحول میں جانے کے بجائے صحیح اسلامی ماحول میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کرسکیں۔ واضح رہے کہ عوام وخواص کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بھی آج کل ایسے باتصویر تعارفی لٹریچر یا پراجیکٹ رپورٹ انتہائی ضروری ہیں۔ تو ایسے اشتہارات شرعی ضرورت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

⑪ بعض تفریحی جگہوں پر بتوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور کہیں کہیں پر تو برہنہ تصویریں بھی ہوتی ہیں اگر وہاں بچوں کو ان کا مشاہدہ کراکر ان کی عبادت کرنے کو گناہ اور عبادت کے باطل ہونے کی تصریح کی جائے تو کیا یہ درست ہوگا؟

⑫ دینی اور عصری تعلیم ایک ساتھ ہونے سے بچوں پر یقیناً بوجھ پڑتا ہے اس

لیے ایسے طریقے استعمال کرنا ضروری ہے جن سے بچوں پر کم سے کم بوجھ ہو اور ان کا بچپن کتابوں میں کھو نہ جائے، اور یہ تجربہ ہے کہ تصویروں اور کمپیوٹر کے ذریعہ تعلیم دینا نسبتاً قدیم مروجہ طریقہ سے بہت آسان ہے لہٰذا ان تصویروں کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ تعلیمی و دیگر جائز ضروریات کے لیے ان آلات کا استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

⑬ اسکول میں بچے اور بچیاں دو سال کی عمر سے ہی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتی ہیں، شروع ہی سے لڑکوں کو ٹوپی اور لڑکیوں کو اسکارف پہنایا جاتا ہے، اور اس کی ترغیب بھی دی جاتی ہے؛ البتہ زور وزبردستی سے بچے چڑ چڑے ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے ان پر سختی نہیں کی جاتی دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کو کس عمر سے سر ڈھانکنا ضروری ہے؟

⑭ اسکول میں انگلش پڑھانے کے لیے مستورات ہوتی ہیں جو بچوں کو تعلیم دیتی ہیں، اور ضرورتاً ان سے شرعی پردہ کے ساتھ بات کی جاتی ہے جب کہ وہ پسِ پردہ ہوتی ہیں اور ان کو اس بات کا احساس دلانے کے لیے مرد حضرات گفتگو کرنے کے لیے آئیں تو ان سے سلام کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ ان سے بات کرنے کے لیے یہ احتیاط رکھی جاتی ہے کوئی ایک مرد بات نہیں کرتا بلکہ دو یا اس سے زائد حضرات ہوتے ہیں اور ان مستورات کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ خوش کن کلمات کہے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

⑮ اگر مناسب مردانا ؤنسر میسر نہ ہو تو کیا ضرورتاً پسِ پردہ مستورات نظامت کرسکتی ہیں یا نہیں؟ جب کہ حاضرین میں مرد حضرات بھی ہوں۔

⑯ اگر اسکول کے پروگرام میں یا کسی اور جگہ دف کی کیسٹ بجا کر پروگرام پیش

کیا جائے یا براہ راست دف بجا کر بچے پروگرام پیش کریں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہوگا؟

⑰ بچوں کی حوصلہ افزائی کا طریقہ کیا ہوگا؟ بچوں کی ذہنی اور جسمانی بالیدگی اور جھجک دور کرنے کے لیے مختلف قسم کے پروگرام کیے جاتے ہیں۔ جیسے ورزش، دوڑ اور جسمانی کرتب یعنی (جمنازیم) اس کے ساتھ ساتھ تحریری وتقریری مقابلے مکالمے وغیرہ۔ ان پروگراموں میں بچوں کی حوصلہ افزائی تالیاں بجا کر کرنے کا رواج عام ہوگیا ہے اب یہ کسی مذہب یا فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہا۔ اس سے بچوں کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ شریعت کی روشنی میں اس طرح تالیاں بجا کر بچوں کی حوصلہ افزائی کرنے کا کیا حکم ہے؟ ہندوستان کے مخصوص حالات میں ہر مجمع میں نعرہائے تکبیر بلند نہیں کیے جاسکتے اس لیے بچوں کی حوصلہ افزائی کا اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

⑱ بچوں کے پروگرام میں جو تمثیلی مکالمات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً ایک بچہ کو عالم تو دوسرے کو جاہل، کسی کو پروفیسر، کسی کو ڈاکٹر بنایا جاتا ہے کیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ جب کہ ڈاکٹر بننے والا بچہ ڈاکٹری لباس اور آلہ وغیرہ بھی لگائے ہوئے ہو؟

⑲ بچوں کے مکالمات کا مسئلہ: اس طرح اور بھی بعض سبق آموز اور دلچسپ کہانیاں تمثیلی انداز میں پیش کی جائیں، کوئی بچہ گھوڑے کا کردار ادا کرے، کوئی شیر کا کوئی پری بنے، کوئی بھوت کی شکل اختیار کرے تو ان سب کا کیا حکم ہے؟

⑳ اسلامی تاریخ کے کچھ واقعات اگر تمثیلی انداز میں پیش کیے جائیں مثلاً صحابۂ کرام کے زمانہ کے واقعات یا بعد کے دور میں خلفاء بنوامیہ وبنوعباس کے دور کے واقعات مثلاً عمر بن عبدالعزیز، ہارون رشید وغیرہ کے زمانہ کے واقعات تمثیلی انداز میں پیش کیے جائیں، ظاہر ہے کہ اس میں کچھ بچوں کو صحابہ کا کردار ادا کرنا پڑیگا

توان کا کیا حکم ہوگا؟

(۲۱) اس کے علاوہ بھی دیگر شعبہائے تعلیم میں اعلیٰ تعلیم تک پہونچتے پہونچتے اسی طرح کے بے شمار مسائل سامنے آسکتے ہیں اس لیے ضرورت شرعی کی کوئی جامع تعریف بتادی جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک بنیادی اور اصولی حقیقت آپ کے سامنے پیش کردی جائے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تالیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اس جگہ صرف اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے اسباب خالق اسباب نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں۔ ہر بات میں یہ خیال کرلینا کہ جو چیز کفار کے لیے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لیے ہے، اور جو چیز ان کی ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمانوں کو بھی مضر نہیں ہے دین سے بے خبری ہے، کلام خدا اور کلام رسول سے ناواقفیت ہے، خوب سمجھ لو کہ کفار کے لیے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے اور کبھی کبھی بمصالح اس عالم میں بھی ہوجاتی ہے۔ اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں ان کا بدلہ رب العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے مگر اسی عالم میں ملتا ہے آخرت میں کچھ نہیں ملیگا اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں۔ اور آخرت سے انکار کی سزا آخرت میں ملنا بھی چاہیے،

اسی لیے ارشاد ہے: ﴿وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم به تکذبون﴾(الم سجدہ) اوران سے کہا جائے گا کہ اس عذاب کو چکھو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔قرآن شریف میں کثرت سے اس کا ذکر ہے۔قران پاک میں ارشادہے: ﴿ویوم یعرض الذین کفروا علی النار أذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیاواستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الأرض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون﴾ (الاحقاف،ع:۲)اور جس روز کفار جہنم کے قریب لائے جائیں گے(اوران سے کہا جائے گا)تم اپنی لذت کی چیزیں دنیامیں حاصل کر چکے اوران سے نفع اٹھا چکے بس آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائیگی،اس لیے کہ تم دنیامیں بے وجہ تکبر کرتے تھے اوراس لیے کہ تم فسق کیا کرتے تھے۔(اور جو کچھ خوبیاں تھیں ان کا بھی بدلہ مل ہی چکاہے)''۔(الإعتدال فی مراتب الرجال:۹۶/۹۵)

اس کے بعد حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے آیات قرآنی اوراحادیث نبویہ سے اس مضمون پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے آخرمیں تحریر فرماتے ہیں:

''غرض نصوص اس پر بہت کثرت سے دلالت کرتی ہیں کہ کفاراور مسلمانوں کے اصول ترقی مشترک نہیں ہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جدا جدا ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلا ہوگا اتنا ہی دنیامیں مصائب کا سامنا ہوگا،یہ دیکھ کر کے اس قسم کے معاصی کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اوروہ ترقی کرجاتے ہیں ان کے لیے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے اس وجہ سے ان سے بے خطر ہوجانا اپنے کواورزیادہ

مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے، اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے وہ استدراج ہے جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ (الجامع الصغیر بروایة انس ورقم له بالصحة)

اس لیے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی امید رکھنا اپنے کو اس سے دور کرنا ہے، اور کفار کی حرص کرنا ان کے قدم بقدم چلنا علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا ذریعہ بھی ہے۔ فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہوتا وہ مغلوب جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر، شہرت پسندی اور مسرت کے طور پر اپنے امیر کے پاس بھیجا کرتا۔ خلافت صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں، ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے رسول اللہ کے جانشین! وہ لوگ بھی یہ معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا فارس و روم کی سنتوں کا اتباع کیا جائے گا؟ میرے پاس کبھی کسی کا سر نہ لایا جائے۔ ہم لوگوں کو (اتباع کے لیے) اللہ کی کتاب اور حدیث رسول کافی ہے۔

(شرح السیر اول)

اگرچہ فقہاء نے بعض نصوص کی بناء پر اس کی اجازت دی ہے؛ مگر صدیق اکبر کی

رائے اس کے موافق نہ تھی اس لیے منع فرمادیا، اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس اور روم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت شام تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ایک جگہ گارہ اور پانی آگیا آپ اونٹ پر سے اتر گئے موزہ اتار کر شانہ پر رکھ دیے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑلی وہ ساتھ ساتھ تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے ایک ایسی بات کی کہ شام والے اس کو بڑی ذلت کی چیز سمجھتے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت میں دیکھیں۔ آپ نے ان کے سینے پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ تمہارے علاوہ دوسرا کوئی شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا، ہم لوگ ذلیل تھے حقیر تھے اللہ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی، پس جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈھیں گے تو اللہ جل شانہ ہم کو ذلیل کردیں گے۔ (مستدرك للحاكم)

حقیقۃً مسلمان کے لیے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک عزت ہوئی بھی تو کیا اور گئے دن کی ہے۔

| |
|---|
| لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین |
| وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا |

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے اس کے تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ ''مقاصد حسنہ'' میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض

صرف اللہ کی رضا اور اس کی مرضیات پر عمل ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر عزت ہے تو یہی ہے منفعت ہے تو یہی ہے، حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ پاک اور اس کے سچے رسول کے ارشادات میں علوم وحکمت، دارین کی فلاح وترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں؛ لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسرے کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغایرت کی نہیں ہیں؟ کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی طبیب سے علاج کرائے''۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال:۱۰۳ تا ۱۰۶)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''غرضیکہ کسی مصلحت کے خاطر کسی معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں البتہ شریعت میں بڑے محظور سے بچنے کے لیے چھوٹے محظور کو گوارہ کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اس کو بچانا فرض ہے حالاں کہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے اس کو اختیار کر لیا گیا، ایسی صورت میں ''أھون البلیتین'' یعنی ضرر عظیم کو دفع کرنے کے لیے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کرلیا گیا، اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اھون کونسی ہے؟ ہر شخص کا کام نہیں کیوں کہ بسا اوقات انسان اتباع ہویٰ، عصبیت یا حبِ مال وجاہ کی بنا پر غیر اھون کو اھون سمجھ لیتا ہے اس لیے یہ فیصلہ وہی کرسکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین وتقویٰ میں بھی اعلیٰ مقام رکھتا ہو بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔ ''أھون البلیتین'' کے کلیات شریعت نے

بیان فرمادیے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا پھر پیش آمدہ جزئیات کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں؟ ان امور کے لیے علوم دینیہ میں مہارت تامہ بہت اونچے درجہ کے تدبر و تفقہ و تدین و تصلب کی ضرورت ہے۔ اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور و خوض کے بعد یہ محقق ہو جائے کہ اسے ''أهون البليتين'' قرار دے کر اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے، اس کی واضح مثال تصویر کھنچوانا ہے جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لیے تصویر کو لازم قرار دیا ہے۔ اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اس کی اجازت دی ہے مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اس کی حرمت تحریراً و تقریراً بیان کرنا چاہیے تھی اس قدر نہیں ہوئی بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہِ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے کیوں کہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں اخبارات وغیرہ میں ان کی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انہوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہی حال ٹیلیویژن کا ہے صرف یہی نہیں کہ علماء اس پر نکیر نہیں کرتے بلکہ بہت سے علماء خود اس میں مبتلا ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے قلوب سے اس کی قباحت نکل چکی ہے، اور وہ اسے جائز سمجھنے لگے ہیں۔ حاصل یہ کہ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت سے کسی معصیت کا

ارتکاب جائز نہیں، آج کل سیاسی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے جائز وناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ مسلمان تو وہی ہے کہ جو ہر قدم پر اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھے اور اس کی قائم کردہ حدود سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے جو لوگ سیاست کا کام محض تحصیل اقتدار کے لیے کرتے ہیں اور ان کو ملت کی دینی ودنیاوی فلاح سے کچھ غرض نہیں۔ وہ سیاسی کام میں احکام اسلام کو ملحوظ نہیں رکھتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حیرت تو ان حضرات پر ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ موجودہ سیاست میں حصہ لینے سے ہمارا مقصود ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنا ہے مگر پھر بھی وہ سیاسی کاموں میں احکام اسلام کی پرواہ نہیں کرتے غیر مشروع تدابیر اختیار کرتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے آپ تو اسلامی نظام قائم کرنے کے مدعی ہیں مگر آپ خود اسلام نافذ کرنے کیلیے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور ناجائز ہیں۔ تو جواب دیتے ہیں اگر چہ یہ طریقے ناجائز ہیں مگر انکے بغیر اسلام لانا ممکن نہیں ہے، اسی لیے اب تو جائز اور ناجائز کی پرواہ کیے بغیر اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد لازم ہے۔ اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد پورے طور پر اسلام نافذ کردیں گے یہ محض دھوکہ ہے ہمیں انکی نیت پر شبہ نہیں مگر انکا طریقہ کار ایسا ہے کہ اس سے نفاذ اسلام کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ غیر اسلامی طریقوں سے بے دینوں کی کامیابی تو ممکن ہے مگر دین داروں کو اولاً تو کامیابی ہوگی نہیں اور صورۃً کامیابی ہو بھی گئی تو اس کے نتیجے میں اسلام نہیں آئے گا بلکہ اسلام کے نام کی کوئی اور چیز آئے گی اور صورۃً جو کامیابی ہوگی وہ بھی چند روز سے آگے نہ بڑھ سکے گی، جب اس کی بنیاد ہی کمزور تھی تو اس پر عمارت کیسے قائم کی جاسکتی ہے؟

عقل ونقل اور مشاہدہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے اللہ تعالی کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی، اگر کبھی غیر مشروع وناجائز طریقوں سے کفار وفساق کو کامیابی ہو تو اس میں مسلمانوں کو قیاس کرنا غلط ہے، کیوں کہ مسلمان اور کافر کی طبعی افتاد اور مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیکھا جاتا ہے ایک نسخہ ایک مزاج کو مفید اور دوسرے مزاج کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ ایک قصہ مشہور ہے بھنگی عطر کی دکان کے پاس سے گذرا اس کا دماغ جو پاخانہ کی بدبو سے مانوس تھا خوشبو کو برداشت نہ کرسکا، اس لیے بیہوش ہوگیا بہت علاج کیے مگر سب ناکام رہے اس کے بھائی کو علم ہوا تو وہ شیشی میں پاخانہ بھر کر لایا، اور اس کی ناک کے ساتھ لگادی وہ فوراً ہوش میں آگیا، ٹھیک اسی طرح کفار وفساق کا دماغ معصیت کے تعفن سے سڑا ہوا ہے اس لیے ان کو حرام وناجائز کاموں کی بدبو نافع ہے بخلاف مسلمان کے کہ یہ شاہزادہ ہے اس کا دماغ نہایت صاف وپاکیزہ ہے اس کو صرف احکام شرعیہ کی خوشبو ہی نفع دیگی، کوئی احمق شہزادہ کو بھنگی پر قیاس کر کے اسے پاخانہ سنگھادے تو شہزادہ کا دماغ پھٹ جائے گا۔ مسلمانوں کو کفار وفساق پر قیاس کرنا غلط ہے کہ جو چیز ان کو نافع ہوگی وہی انکے لیے بھی نافع ہوگی یہ قیاس اس بوجھ بجھکڑ کی منطق جیسا ہے جو اس کے دماغ میں کسی کو درخت سے اتارنے کے لیے آئی تھی، قصہ یہ پیش آیا ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اترنے کی ہمت نہ ہوئی لوگوں کو پکارا وہ جمع ہوگئے اور مختلف تدبیریں سوچیں مگر اطمینان نہ ہوا، بالآخر طے پایا کہ یہ عقدہ بوجھ بجھکڑ سے حل کرایا جائے کیوں کہ وہ بستی میں سب سے زیادہ عقلمند ہے، اس سے درخواست کی گئی تو وہ موقعہ پر پہنچا اور کہا کہ تم سب بے عقل ہو میرے بغیر ایک معمولی سی بات کا حل نہ نکال پائے، اس کی تو بہت

آسان تدبیر ہے، ایک لمبا رسہ اس شخص کی طرف پھینکو وہ اپنی کمر سے خوب مضبوطی سے باندھ لے پھر نیچے کے لوگ خوب زور سے جھٹکا لگا کر اپنی طرف کھینچیں بڑی آسانی سے نیچے پہنچ جائے گا؛ چناں چہ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ شخص اس زور سے گرا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور مر گیا، لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے کہا کہ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کی قسمت خراب تھی ورنہ تو میں نے کتنوں کو اس طریقے سے کنویں سے نکالتے دیکھا ہے۔ جیسے اس بجھکڑ کا درخت پر چڑھنے والے کو کنویں میں گرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو کفار پر قیاس کرنا غلط اور مہلک ہے، کفار پستی میں ہیں اور مسلمان بلندی پر، کفار جن تدابیر سے پستی سے بلندی کی طرف آنے میں کامیاب ہو رہے ہیں اگر وہی تدابیر مسلمان اختیار کرینگے تو بلندی سے پستی میں جا گرینگے۔ جوتے میں اگر نجاست لگ جائے تو اس کو پھینکا نہیں جاتا مگر ٹوپی میں کسی چیز کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے تو فوراً اتار دی جاتی ہے، اللہ کے پاس مسلمان ٹوپی کی طرح معزز ہیں اور کفار جوتے کی طرح ذلیل، مسلمانوں کو معصیت سے کامیابی نہیں ہوسکتی۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۱ تا ۴۵)

قرآن مجید میں باری تعالی کا ارشاد ہے ’’اللہ تعالی تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں، اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے‘‘۔ (پ ۴ آیت ۱۴۰)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اس پر رد و نکیر واجب ہے، اگر گناہ

کا ازالہ ممکن نہ ہو تو یہ نکیر ہی کی صورت ہے کہ گناہ پر نفرت وکراہت کا اظہار کیا جائے، اور مرتکب گناہ کی ہمنشینی اور اس کے پاس سے اٹھ جایا جائے حتی کہ وہ گناہ کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے۔ (احکام القرآن ۲/ ۲۸۹)

اس سے انکار نہیں ہے کہ تصویر کی لعنت اس زمانہ میں وباء عام کی شکل اختیار کر چکی ہے، ایوان اسمبلی سے لیکر کچی جھوپڑیوں تک ملک کے درودیوار تصویروں سے اٹے ہوئے ہیں مگر یہ فلسفہ بھی تو خودکشی کے مترادف ہے کہ کوئی مرض جب وباء عام کی صورت اختیار کر کے پوری آبادی کو لپیٹ میں لے لے تو مناسب تدابیر اختیار کرنے کے بجائے اسے مرض کہنا ہی چھوڑ دیا جائے؛ بہر حال کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے اس سے حکم شریعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لسان نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی جگہ اٹل انمٹ حقیقت اور رہتی دنیا تک مشعل راہ ہے، اگر آج کا فارمی مسلمان ہادی کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح ارشادات کے خلاف عملاً بغاوت پر اتر آیا ہے تو یہ اس کی اپنی شقاوت وسیاہ بختی ہے، نہ کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقص۔ تصویر سازی شریعت کی رو سے ایک کبیرہ گناہ ہے اس کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، معذب اقوام کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے مفصل بیان کیا ہے ان میں کفر وشرک کی گمراہی تصویر کے راستے ہی سے در آئی تھی۔

چناں چہ صحیحین کی حدیث ہے ”ان اہل کتاب میں جب کوئی آدمی رخصت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے، اور پھر اس میں یہ تصویر رکھتے، یہ اللہ تعالی کی مخلوق میں سب سے بدتر لوگ ہیں۔ (متفق علیہ) شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اکثر امتوں میں کفر وشرک کی بیماری تصویروں کے راستے سے آئی۔ (فتح الباری ۸/ ۱۷)

اس دور میں جب کہ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا سیلاب تمام بند توڑ چکا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنۂ تصویر کا شاخسانہ ہے، اور پورا سیلاب ٹی وی، وی سی آر اور فحش اخبارات کے دہانے ابل رہا ہے۔ تصویر کی حرمت پر احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں جو معنوی طور پر حد تواتر تک پہنچ جاتی ہیں، صرف بخاری شریف میں اس پر دس ابواب مذکور ہیں، ہم اختصار کے پیش نظر صرف صحیح بخاری کے ان ابواب سے ہی ایک ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

① جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(بخاری ۲/ ۸۸۰ باب التصاویر)

② قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت ترین عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔

(ایضاً باب عذاب المصورمن یوم القیامة)

③ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل تخلیق میں میرا مقابلہ کرنے لگے یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ تو پیدا کر کے دکھائیں۔ (ایضاً باب نقض الصور)

④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا، آپ نے جب اس کو دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا روز قیامت سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صفت تخلیق میں اللہ کی نقل اتارتے ہیں۔ (ایضاً باب ماوطی من التصاویر)

⑤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے تصویر دار گدا خریدا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر رک گئے اندر تشریف نہ لائے، میں نے عرض کیا مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ میں اپنے گناہوں سے اللہ کے بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ

گدا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس مقصد سے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روز قیامت ان تصویر سازوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر کے دکھلاؤ، اور بلا شبہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔(۲/ ۸۸۱ باب من کرہ القعود علی الصور)

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر پر تصویر دار پردہ لٹکایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ہٹادو اس کی تصویر بار بار میری نماز میں مخل ہوتی ہے۔

(ایضاًباب کراھة الصلاة فی التصاویر)

⑦ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ کیا مگر وقت پر نہ آئے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گراں گزری؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت کدہ سے باہر تشریف لائے تو جبرئیل علیہ السلام مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنے رنج وزحمت اور انتظار کا شکوہ فرمایا، اس پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا جس گھر میں کتا یا تصویر موجود ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔ (ایضاًباب لا تدخل الملائکة بیتاًفیه صورة) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدہ پر اس وقت یہ دونوں چیزیں موجود تھیں جن کے وجود کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم نہ تھا، جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹادیا۔

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انہوں نے ایک تصویر دار پردہ خریدا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر رک گئے اندر تشریف نہ لائے، میں نے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تصویر دار پردہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے خریدا ہے

کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان تصویر والوں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر کے دکھاؤ، اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(ایضاً باب من لم یدخل بیتا فیه صورة)

⑨ حضور اکرم ﷺ نے سود کھانے والے پر، اور کھلانے والے پر، جسم گودنے والی پر، گودوانے والی پر اور تصویر ساز پر لعنت فرمائی ہے۔ (ایضا باب من لعن المصور)

⑩ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اسے روز قیامت مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے؛ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے گا۔

(ایضا باب من صور فی الدنیا)

یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، سکہ پر نقش کی جائے یا نوٹوں پر چھاپی جائے؛ بہر کیف یہ مذکورہ وعیدوں کا مصداق اور حرام ہے۔ اس بارے میں اکابرِ علماء امت کی تصریحات آگے آرہی ہیں پھر ان وعیدوں کا مقصد فقط تصویر ساز ہی نہیں بلکہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین و تصویب کرنے والا، اس کا ہم نشین، اس کے اس فعل پر دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا سب شریک گناہ ہیں۔ (المدخل ۱/ ۲۷۳) (احسن الفتاوی ۸/ ۴۱۷ تا ۴۲۲)

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

(الف) ایسے ادارہ کا قیام شرعاً جائز اور درست ہے، باقی سوال میں آپ کا یہ جملہ ”کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آج کے مسلمان بچے کل زمانہ سے بہت پیچھے رہ کر اقوام

عالم کے مقتداء بننے کے بجائے ان کے مقتدی بن جائیں گے'' یہ محض مبالغہ آرائی ہے یہ سارے علوم معاش اور دنیوی گزر بسر سے تعلق رکھنے والے ہیں، ایک مسلمان کے لیے معاش کے مقابلے میں معاد زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

(ب) ① جاندار کی تصویر چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے کے ذریعہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے، یعنی دونوں ہی حرام ہیں۔

② ③ حرمت کی یہ درجہ بندی آپ کس بنیاد پر کر رہے ہیں، شریعت میں تمام منہیات سے بچنا ضروری ہے، ایسی کوئی درجہ بندی نہیں کسی امر کے بارے میں یہ متعین کرنا کہ وہ موجودہ حالات میں ضرورت یا حاجت کا درجہ رکھتا ہے، یہ نہایت نازک، احتیاط اور دقت نظر کا متقاضی ہے اس لیے ہر عہد کے علماء، ارباب افتاء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر طے کریں کہ اب کونسے امور ہیں جو ضرورت وحاجت کے درجہ میں آگئے ہیں اور ان کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہوسکتی ہے؛ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں افراد واشخاص کے بجائے علماء کی ایک مقتدر جماعت ہی فیصلہ کرے تاکہ دفع حرج کے نام پر اباحت کا راستہ کھلنے نہ پائے۔

④ نفلی حج وعمرہ یا بلا ضرورت صرف تفریح کے لیے بیرونی سفر کی غرض سے تصویر بنانا جائز نہیں۔

⑤ جائز نہیں۔　　　⑥ نہیں۔

⑦ موجودہ حالات میں جب کہ پتلون کا استعمال اتنا عام ہو چکا ہے کہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں رہا تو یونیفارم کے طور پر بچوں کو پتلون پہنانا جائز ہے؛

لیکن جیسا کہ آپ نے شروع میں تحریر فرمایا صحیح اسلامی تعلیم اور ملی تشخص کے لیے ادارہ قائم کرر ہے ہیں تو پھر صلحاء والا لباس کیوں اختیار نہیں کرتے۔

⑧ یہ بھی ناجائز ہے۔

⑨ ناجائز ہے۔

⑩ نہیں۔

⑪ یہ بھی درست نہیں۔

⑫ اس مقصد کے لیے بھی تصویر کا استعمال درست نہیں، کمپیوٹر کے ذریعہ سے تعلیم دی جاسکتی ہے۔

⑬ مردوں کے لیے سر ستر میں داخل نہیں۔ اس لیے عمر کی کسی منزل میں ان کے لیے سر ڈھانکنا ضروری اور واجب نہیں۔ عورت کے لیے سر ستر میں داخل ہے اس لیے لڑکیوں کو اس کا عادی بنانا ضروری ہے۔

⑭ ان سے فرائض منصبی کی ادائیگی کے خاطر جتنی گفتگو ضروری ہو حجاب اور پردہ کی رعایت کے ساتھ درست ہے۔

⑮ نہیں، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو گنجائش ہے۔

⑯ یہ ناجائز ہے۔

⑰ تالیوں سے احتراز ضروری ہے؛ البتہ حوصلہ افزائی کے لیے کچھ کلمات مقرر کردیے جائیں، اور بوقت ضرورت مجمع ان کلمات کو کہہ کر بچوں کی حوصلہ افزائی کرسکتا ہے۔

⑱ شرعی حدود وقیود میں رہ کر اس کی گنجائش ہے۔

⑲ شرعی حدود وقیود میں رہتے ہوئے اس کی بھی گنجائش ہے۔

⑳ یہ طریقۂ کار بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقدس کے منافی ہے۔

㉑ اس کا جواب شروع میں دے دیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## اسلامی اسکول پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال: تقریباً پندرہ سال پہلے تک جنوبی افریقہ میں یہ رواج تھا کہ مسلمان اپنے بچوں کو سرکاری انگریزی اسکولوں میں صبح کے وقت انگریزی وعلومِ جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، پھر شام کے اوقات میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسلمان بچے مدرسہ ومکاتب جایا کرتے تھے، بعدہ بعض مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمان بچے سرکاری اسکولوں سے الگ ہو کر ایک مذہبی اسکول میں انگریزی وعلومِ جدیدہ کی تعلیم حاصل کریں اور ان اسکولوں میں اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ شریعتِ مصطفویہ کے خلاف عقائد ونظریات کا بالکل ازالہ کر دیا جائے گا اور مدرسوں ومکتبوں میں جو قرآن خوانی اردو، عربی اور دیگر شعبہ ہائے علومِ اسلامی پڑھائے جاتے ہیں یہ سب بھی ان نئے مذہبی اسکولوں میں پڑھائے جائیں گے، گویا کہ یہ انگیریزی اور اسلامی اسکول ہو جائے گا، چناں چہ یہ سلسلہ جاری ہوا اور جگہ جگہ اس قسم کے اسکول- جن کا نام ”اسلامک اسکول“ پڑ گیا-، کھلنے لگے۔ عوام مسلمان بیچارے یوں سمجھتے تھے کہ ہمارے بچے کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری معاشی ودنیوی علوم بھی پڑھائے جائیں گے، اس لیے وہ بھی اس کے پیچھے لگ گئے،

علما و مولویان کی شرکت سے رفتہ رفتہ قریب ہر بستی میں ''اسلامک اسکول'' ظاہر ہونے لگے، ہندوستان و پاکستان کے بعض اکابر و مشاہیر علما جب ادھر تشریف لاتے ہیں تو ''اسلامک اسکول'' کے حاملین ان اکابر کو ''اسلامک اسکول'' کے فضائل و ضرورت سناتے تھے، اکابر نے تصویب فرمائی اور اسلامک اسکول کو گویا کہ اکابر کی سند بھی مل گئی؛ لیکن اب پندرہ سال بعد حالت میں بڑا انقلاب آیا ہے؛ بلکہ پہلے ہی سے بعض متدیّن و بزرگ علمائے کرام جن مفاسد کی بنا پر اس قسم کے اسکول بنانے اور قائم کرنے سے انکار کرتے تھے وہ مفاسد ظاہر ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں:

① خالص اسلامی تعلیم یعنی قرآن خوانی، دینیات اردو وغیرہ کو بالکل درجۂ ثانی اور تابع ہونے کی حیثیت سے رکھا گیا اور انگریزی جغرافیہ سائنس وغیرہ کو اصل اور اول درجہ اور گویا مقصد کا شرف بخشا گیا؛ بلکہ ان میں اردو کی تعلیم ہی نہیں ہوتی، گو عربی کی ہوئی اور وہ بھی جدید طرز پر۔

② مکاتب کا انسداد: ان اسلامک اسکولوں کو مکاتبِ اسلامیہ کے قائم مقام مانا گیا، اب بڑے اپنے بچوں کی شرعی تعلیم ان جدید اسکولوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور مکاتبِ دین کی ضرورت ان لوگوں کے نزدیک نہیں رہی۔

③ پردہ کا ستیاناس ہونا: پڑھانے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں، بالغ لڑکیاں بھی ان اسکولوں میں جایا کرتی ہیں، بعض پڑھانے والی میم صاحبات ہوتی ہیں، ایک اچھا خاصہ گھڑ بنا رکھا ہے، بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا کہ مولوی صاحبان اور مولوی صاحبات آپس میں ''والی بال'' کھیل رہے ہیں، غرض پردے کی ''پردہ دری'' ہو گئی۔

④ ان اسکولوں کے نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں بہ کثرت

جاندار کی تصویر ہوتی ہیں۔ ایک صاحب نے اپنے بچہ کو اس لیے ''اسلامک اسکول'' سے نکال لیا کہ اس میں ننگی عورت کی تصویر بتلائی گئی؛ حالاں کہ یہ شخص حیادار مسلم بھی تھے اور پہلے زمانہ میں سرکاری اسکول کے مہتمم بھی تھے؛ لیکن ان کو اتنی غیرت آئی کہ ''اسلامک اسکول'' کے نام سے بچوں کو ایسی فحش تصویریں دکھلاتے ہیں! ایک اسلامک اسکول میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب عالمی فٹ بال کا کھیل جاپان اور کوریا میں ہو رہا تھا تو ''اسلامک اسکول'' والوں نے ایک بڑی ٹی وی منگوا کر اسکول میں دکھایا؛ تا کہ سب بچے، لڑکے لڑکیاں، مولوی بھی اس میں شریک تھے کھیل سے تلذذ حاصل کر سکے۔

⑤ اکثر بچے جو یہاں سے فارغ ہوتے ہیں قرآن شریف ٹھیک سے بھی نہیں پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ زور انگریزی تعلیم ہی پر ہے جیسا کہ نمبر: ۱ میں بیان کیا گیا۔

⑥ اور بھی خرافات ہیں مشاہدہ سے جن کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ اب سوال دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے اسکولوں کو ''اسلامک اسکول'' کہنا کیا روا ہے؟ اور مولوی صاحبان جو آج کل بہ کثرت ان میں کام کر رہے ہیں کہ تنخواہ بھی بہ نسبت مدارسِ اسلامیہ کے زیادہ ملتی ہے اور شہرت بھی خوب ملتی ہے، تو بہت سے مولوی صاحبان ان اسکولوں سے وابستہ ہو گئے ہیں، کیا علما حضرات کے لیے زیبا ہے کہ ''اسلامک اسلول'' سے اپنا تعلق قائم کر لیں؟ اور کیا مسلمان اپنے بچے: لڑکے لڑکیاں ان ''اسلامک اسکولوں'' میں بھیجا کریں؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سرکاری انگریزی اسکولوں میں علومِ عصریہ کی تعلیم جس انداز اور ترتیب سے دی جاتی ہے اور وہاں داخلہ لے کر علومِ عصریہ حاصل کرنے والوں کے عقائد، اخلاق

واعمال پر جو مضر اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے بچنے کے لیے اگر کچھ حضرات نے ایسے اسکول قائم کیے جن میں اسلامی ماحول میں اسلامی اصول وضوابط کا لحاظ کرتے ہوئے علومِ عصریہ کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا اور ان اسکولوں میں دینی تعلیم وتربیت کا بھی نظم کیا گیا تو ان کے اس اقدام کو ناجائز اور خلافِ شرع کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور ان کی نیتوں پر کیسے حملہ کیا جاسکتا ہے؟ اور جب تک یہ اسکول، جن اصول وضوابط اور جس انداز وتربیت پر قائم کئے گئے تھے ان کے مطابق کام کرتے رہے، اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے رہے ان ہی کو پیشِ نظر رکھ کر اکابر نے اس کی تصویب فرمائی ہے، تو یہ تصویب بھی غلط نہیں، مطلب یہ کہ جب تک یہ نظام اپنے حقیقی نہج واصول کے مطابق چلتا رہا وہاں تک اس کے متعلق عدمِ جواز کا کوئی حکم لگانا کسی مفتی کے لیے کیسے درست ہوگا؟

البتہ بقول آپ کے "پندرہ سال کے بعد حالات میں بڑا انقلاب آیا" اور آپ نے اپنے سوال میں جن مفاسد کا تذکرہ فرمایا ہے وہ وجود میں آچکے ہیں تو اب کوئی بھی مفتی ان مفاسد کے بعد ان اسکولوں کو اسلامی اسکول کے نام سے موسوم کرنے کو درست قرار نہیں دے گا، باقی جیسے کوئی عالمِ دین کسی دنیوی یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں دینی تعلیم دینے کی ملازمت اختیار کرے تو اس کے اس ملازمت اختیار کرنے کو دنیوی یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح اگر کوئی عالم ان برائے نام اسلامی اسکولوں میں قرآن پڑھانے یا دینی کتابوں کی تعلیم دینے یا اور کوئی جائز کام انجام دینے کے لیے عقدِ اجارہ کرتا ہے تو شرعی اعتبار سے یہ جائز ہے۔

رہا مسلمانوں کا اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے ایسے اسکولوں میں بھیجنا تو ظاہر ہے

کہ اگر ان اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے نتیجہ میں بچوں کے عقائد اور اخلاق واعمال خراب ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ البتہ اگر کوئی آدمی سرکاری اسکولوں میں تعلیم کے لیے بچوں کو بھیجنے سے جو نقصان ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ان برائے نام اسلامی اسکولوں میں تعلیم دلوانے کی صورت میں ہونے والا نقصان بہت کم ہے، یہ سمجھ کر "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما" کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہاں بھیجنے کو گوارا کر لے تو ممکن ہے عنداللہ جواب دہی کا معاملہ ہلکا ہو جائے گا؛ اس لیے کہ جو لوگ اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم دلانا ضروری سمجھتے ہیں وہ تو بہر حال اس کے لیے اسکولوں کا سہارا لیں گے، چاہے وہ سرکاری ہوں یا برائے نام اسلامی؛ البتہ ان کو یہ ضرور کہا جائے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں ان برائے نام اسلامی اسکول پر مدار نہ رکھا جائے؛ بلکہ مکاتب میں بھیج کر یا اپنے طور پر اس کا مستقل انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## مسلم رفاہی وتعلیمی اداروں کی بعض کوتاہیوں کی بنا پر ان کو چندہ نہ دینا

سوال: وہ ادارے، کالج، ہسپتال وغیرہ جو غیر شرعی ومحرمات، ناچگان کرنے والوں اور فلمی اداکاروں کے ناموں کی تشہیر کرتے ہوئے خود کی تشہیر کرتے ہیں ان اداروں کو، اور ایسے ہی وہ ادارے اور ہسپتال ودواخانے اور کالج جو ایمان کو ختم کر

دینے والے اور غیر شرعی عمل کرتے اور کرواتے ہیں، مثلاً اتحادِ مذاہب کے نام پر مسلمان بچوں اور بچیوں میں سے کسی کو عیسائی، مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ بنا کر اور درمیان میں کسی کو دیوی بنا کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یہ گیت گاتے ہیں، ''دیوی سمان ماتا دیوی سمان دیتے الخ'' کیا ایسے اداروں کو چندہ دینا، اور ان کا چندہ وصول کرنا، اور ان کا خود کا ایسا عمل کرنا جائز ہے؟ نیز کیا ایسے عمل کرنے اور کرانے والوں کے لیے دوبارہ کلمہ پڑھ کر توبہ کرتے ہوئے ایمان کی تجدید ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہسپتال وغیرہ ایسے ادارے جو عموماً افادۂ عام کے کام انجام دیتے ہیں اور عامّۃ المسلمین ومخلوقِ خدا کی راحت رسانی اور ان کی خدمت کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، گویا ان کے قیام کا مقصدِ اصلی خلقِ خدا کی خدمت اور راحت رسانی ہے، اور وہ اپنے اس مقصدِ قیام میں اس معنی کر کے کامیاب بھی ہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، مثلاً اگر ہسپتال ہے تو بیمار علاج معالجہ کے سلسلے میں اس سے پورے طور پر مستفید ہو رہے ہیں، غربا ومساکین اپنی غربت ومسکنت کے باوجود علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں اس کی خدمات سے پورے طور پر مطمئن ہیں تو ایسے اداروں کا وجود قوم وملّت کے لیے ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے اداروں کا قیام، نیز ان کی امداد وتعاون ہر مسلمان کے لیے دینی واخلاقی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے؛ لیکن دورِ حاضر میں معاشرہ میں جو عام بے دینی وبد دینی پھیلی ہوئی ہے اس کے نتیجہ میں ایسے اداروں کے نظم ونسق میں دخیل بعض وہ افراد جو نظریاتی گمراہی یا عملی کمزوری کے شکار ہیں، ان کے زیرِ اثر کچھ ایسے پروگرام بھی ان اداروں کی ماتحتی میں کر لیے جاتے

ہیں جن کی شرعاً اجازت نہیں، تو اس نوع کے پروگرام سے مکمل بائیکاٹ کرتے ہوئے اور ایسا پروگرام کرنے والوں سے مکمل اظہارِ اختلاف کرتے ہوئے اگر ان اداروں سے ہونے والی قومی وملّی خدمات کو مدِّ نظر رکھ کر کوئی آدمی اس کے لیے چندہ کرتا ہے یا دیتا ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، خصوصاً اِس زمانہ میں جب کہ کامل طور پر شرعی اصول وضوابط کے مطابق اس نوع کے اداروں کو چلانے والوں کی کمی؛ بلکہ فقدان ہو ایسے زمانہ میں مندرجۂ بالا اداروں کے تعاون اور اس میں چندہ دینے سے لوگوں کو منع کرنا قوم کے لیے مشکلات پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

ایسے اداروں میں چندہ دینے کی ممانعت کا فتویٰ حاصل کرنے کے بجائے اگر کچھ اللہ کے نیک بندے اس قسم کے ادارے قائم کر کے ان کو پورے طور پر شرعی اصول وضوابط کے مطابق چلا کر قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھالیں تو سوال میں مذکور اداروں کا وجود خود ہی ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## مروّجہ بالواڈی کی شرعی حیثیت

**سوال**: آج کل شہروں میں مروجہ بالواڈی الگ الگ مقاصد کے تحت مختلف زبانوں میں چلتی ہے، اسی طرح ہم بھی ایک بالواڈی اردو زبان کے لیے چلانا چاہتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان کا فروغ ہو جو ہماری دینی، تہذیبی زبان ہے تاکہ ہمارا رشتہ اسلامی تعلیمات سے اور پوری دنیا کے مسلم برادران سے قائم رہے۔

تو اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بالواڈی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بالواڑی میں عموماً تین/ساڑھے تین سال سے لے کر پانچ سال کی عمر کے بچوں کو روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم دی جاتی ہے۔تو کیا اس عمر میں شرعی اعتبار سے تعلیم دینا بچوں پر نا قابل تحمل بوجھ سمجھا جائے گا؟ اس صورت حال میں بالواڑی کے منتظمین عند اللہ ماخوذ ہوں گے؟

حسب بالا عمر والے بچوں کو بالواڑی میں داخلہ دیا جاتا ہے تو کیا اس عمر میں بچوں کو تعلیم دینے کی شرعاً کوئی ممانعت ہے نیز ابتدائے تعلیم کے لیے شرعاً کونسی عمر سے ابتداء کر سکتے ہیں۔اوپر درج شدہ عمر میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے، ہم ایک بالواڑی شروع کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے ضرور رہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جو ہدایت اور رہنمائی شریعت کی طرف سے دی گئی ہے اس کے لیے کسی عمر کی تحدید نماز اور ان کے بستر الگ کرنے والے حکم کے علاوہ امور میں میری نظر سے نہیں گزری، تعلیم صرف لکھانے پڑھانے کا نام نہیں، بلکہ زبانی طور پر ہدایت دے کر اسلامی تعلیمات ان کے ذہن نشیں کرانا بھی تعلیم ہی کا ایک حصہ ہے۔اور اس کی ابتداء تو بچہ میں جہاں شعور پیدا ہونے لگے تب ہی سے ہو جاتی ہے، دور نبوت میں اسی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔حکایات صحابہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے نقل کیا ہے حضرت ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشوراء کا دن ہے سب کے سب روزہ رکھیں۔ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے، جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلانے لگتے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے۔

آگے ''فائدہ'' کے عنوان کے ماتحت لکھا ہے۔بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر چہ اس وقت قویٰ نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمل تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے، تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے مگر اب جس کا تحمل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔(حکایات صحابہ ص ۱۴۷/۱۴۸)

تین سال سے لیکر پانچ سال تک کی عمر کے بچوں کو روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم کی غرض سے مشغول رکھنا بظاہر ناقابل تحمل بوجھ نہیں خصوصاً مروجہ بالواڈیوں میں اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو اس عمر کے بچے لغو کھیلوں میں اپنا وقت ضائع کریں یا ٹی وی پر کارٹون فلمیں دیکھتے رہیں، اس کے مقابلہ میں بہت مناسب بلکہ مستحسن کام ہے۔ بزرگوں سے علم کی تحصیل کے سلسلہ میں ایک جملہ سنتے چلے آرہے ہیں ''اطلبوا العلم من المهد الى اللحد'' اگر چہ اس وقت اس کا مأخذ تلاش کرنے کا نہ وقت ہے نہ ہمت لیکن اہل علم کے درمیان یہ چیز معروف ہے، اس جملہ کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کے حصول کا سلسلہ گہوارے سے لے کر قبر تک جاری رہنا چاہیے، اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اور اسلاف کے یہاں تعلیم کے لیے کسی عمر کی تحدید نہیں۔ هذا ما عندی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# بگڑے حالات میں حلال وحرام کی تمیز سے ہی ترقی ہوگی

سوال: ہم لوگ گورنمنٹ سے روڈ بنانے کا کونٹراکٹ لیتے ہیں، جب گورنمنٹ کو روڈ بنانے کا ہوتا ہے تو اس کی طرف سے اخبار وغیرہ میں اعلان ہوتا ہے؛ چناں چہ کونٹراکٹر حضرات اپنے اپنے حساب سے ٹینڈر بھیجتے ہیں، اس میں جس کا کم ہوتا ہے اس کے ٹنڈر کو پاس کرتے ہیں، اب اس میں جو ٹنڈر پاس کرنے والے افسران ہیں وہ ہی کام کی نوعیت طے کرتے ہیں، اور مقدارِ مالیت بھی وہی طے کرتے ہیں، اب ہوتا یہ ہے کہ افسران ہی کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ مالیت کی مقدار میں کچھ کمی ہوگی تو بھی کوئی حرج نہیں، اور کونٹراکٹر لوگوں کا کہنا ہے کہ اس قدر کمی کی وجہ سے روڈ کے کام میں بگاڑ ہوتا نہیں ہے اور افسران کی طرف سے یہ کمی کے جواز کی خاص وجہ یہ ہے کہ بچی ہوئی مقدار ان افسران اور کونٹراکٹر سب ہی میں تقسیم ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ کونٹراکٹر کا اس کمی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے کیوں کہ اگر کام سو فی صد ہووے تو نفع زیادہ ہوتا ہے، اور کمی کی وجہ سے نفع کی مقدار کم ہوجاتی ہے، اور کام کی کمی کی وجہ سے جو حصہ کونٹراکٹر کو ملتا ہے وہ مکمل کام کی صورت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ افسران آج ہندوستان کے اندر وزیر اعظم سے گاؤں کے سرپنچ تک سب ہی اس قسم کے جمع ہو گئے ہیں کہ اگر صحیح نوعیت سے کام کیا جائے تو اس کو ٹکنے نہیں دیتے الا ماشاء اللہ سب کی اس روش کی وجہ سے مسلمان لوگ بڑے بڑے سرکاری کام میں جانے سے محروم ہیں، جو مسلمانوں کے لیے کچھ زمانے کے بعد خطرناک

ثابت ہوسکتا ہے تو علماء سے گزارش ہے کہ ایسی سرکار کی وجہ سے کیا مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر یہ حکم دیا جائے گا کہ ایسے سرکاری کام میں نہ پڑے بلکہ دال روٹی پر اکتفاء کرے یا اس کو دارالحرب یا تو کم از کم دارالاسلام نہ مان کر یہ کام کی اجازت ہوگی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کتنے ہی مسلمان ہیں جن کے کاروبار گذشتہ وحال میں ایسے ہی چل رہے ہیں تو کیا ان کی روزی ومال کے بارے میں حرام ہونے کا اور حلال نہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

استفتاء کا مقصود حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، سوال کے اندر مذکور تفصیل سے صاف صاف مترشح ہوتا ہے کہ خود مستفتی بھی اس معاملہ کو خلاف شرع اور ناجائز سمجھ رہا ہے؛ البتہ اس کا اشکال یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی ترقی اس ملک میں نہیں ہوگی، اور مسلمان اقتصادی اعتبار سے بچھڑ جائیں گے اس کا جواب حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ عرض ہے:

''مسلمانوں کو کچھ زمانہ کے بعد جن خطرناک حالات کے پیش آنے کا آپ اندیشہ ظاہر فرما رہے ہیں ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات زیادہ درد انگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود (اور خیانت اور غدر) کو حرام قرار دیا گیا، اور سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں، وہ حضرات کفار کے قرضے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کفار ان کا خون چوس رہے تھے حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہوکر انھوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لیے باہر چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی

کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینہ تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہہ بند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتہ نہیں، نکاح کے خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آتی ہے صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں سے آدھی لنگی مہر میں دینے پر آمادہ ہوئے، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑی، خود آں حضرت ﷺ کو ازواج مطہرات کے نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ ﷺ کا وصال ہوا، ان حالات کے باوجود ان حضرات کو کفار کے مال ودولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا: ﴿ولا تمدن عينيك الى مامتعنا به ازوا جامنهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى﴾ (طه) اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ نیز ارشاد ہوا: ﴿ولولا ان يكون النا س امة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفا من فضة ومعارج عليها يظهرون ولبيوتهم ابوابا وسررا عليها يتكئون وزخرفا وان كل ذلك لما متاع الحيوة الدنيا والآخرة عند ربك للمتقين﴾ (الزخرف) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہوجائیں تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا

کرتے، اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ان خدا ترسوں کے لیے ہے۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور انھی کی روش پر چلتا ہے یا چلنے کے لیے راستے تلاش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے ...... مسلمان کی کامیابی اور ترقی حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔ جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتوی دیں بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کے ساتھ پیش کریں متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سنائیں: ﴿ هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل ﴾ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو۔ ﴿ ولا تتبعوا خطوات الشيطان ﴾ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرہ اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہوکر مسلمان کے لیے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ علماء بنی اسرائیل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا، اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ

شریک ہو گئے تو سب پر لعنت کی گئی۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لما وقعت بنواسرائیل فی المعاصی نهتهم علمائهم فلم ينتهوا، فجالسو هم فی مجالسهم وآكلوهم وشاربوهم، فضرب قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داود وعيسى ابن مريم، ذلك بما عصوا وكانو يعتدون، قال فجلس رسول الله وكان متكئاً فقال لا والذی نفسی بيده حتى تاطروهم اطرا (رواه الترمذی وابو داود) وفی رواية قال كلا الله لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتاخذن على يَدَي الظالم ولتاطرنه على الحق اطرا ولتقصرنه على الحق قصراً او ليضربن الله بقلوب بعضكم على بعض ثم لَيَلْعَنَنَّكم كما لعنهم اھ (مشکوۃ:ص۴۳۸)

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا کیا لعنت نازل ہوگی، اگر طبقہ وارانہ کشاکش اور تباغض وتحاسد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص قرآنی واحادیث نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے۔ اگر موسم خراب ہے اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظانِ صحت کے ماہرین حدود میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخل ہونا بند کرا دیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھا رہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دی جائے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۹ تا ۲۱۸ ملخصاً)

جو مسلمان ناجائز کاروبار کرتے ہیں ان کے مال اور کمائی کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے؟ حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کی کمائی حلال نہیں ہو جاتی، شریعت نے جس چیز کو حرام بتلایا ہے وہ حرام ہی رہے گی

چاہے اس میں لگنے والوں کی تعداد بڑی کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری ۸ / جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## نوکرانیاں باندی نہیں

سوال: حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں باندی حلال تھی، اس زمانہ میں جو گھروں میں نوکرانی ہوتی ہے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس زمانہ میں گھروں میں جو نوکرانیاں ہوتی ہیں، وہ آزاد عورتیں ہیں، باندیاں نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## اِس زمانہ میں کسی کو غلام باندی بنانا

سوال: ہندوستان میں باندی یا غلام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مرد یا عورت یا ان کے سرپرست کسی سے مثلاً یہ کہے کہ مجھے پانچ ہزار روپئے دو مجھے ضرورت ہے، اور تم مجھے یا ان کو جس کے بارے میں سرپرست کہے، غلام یا باندی بنالو تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب مع مدلل تحریر فرمائیں۔ (خواہ کافر ہو یا مسلمان)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکور فی السوال صورت تو آزاد کی بیع ہے، جو باطل ہے، ایسا کرنے سے نہ تو کوئی مرد غلام بنتا ہے، نہ کوئی عورت باندی، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اور ایسی بیع پر حدیث

میں شدید وعید آئی ہے، آیت کریمہ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳) کی تفسیر کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قرآن کریم نے صاف صاف فرما دیا کہ اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی رکھو، یا کنیز سے گزارہ کرلو، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مملوک کنیز جس کا ذکر آیت میں ہے، اس کی خاص شرائط ہیں جو عموماً آج کل مفقود ہیں، اس لیے اس زمانہ میں کسی کو مملوک شرعی کنیز کہہ کر بے نکاح رکھ لینا حرام ہے۔

(معارف القرآن ۲/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## باندیوں کا رواج کب ختم ہوا؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں باندیوں کا رواج تھا، کب رواج ختم ہوا؟ کیا قرآن میں کوئی آیت یا حدیث موجود ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی رہا، اور صدیوں تک رہا، دھیرے دھیرے آپ ہی ختم ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کیا غوث پاک پیدائشی حافظ تھے؟

سوال: کیا غوث پاک پیدائشی سترہ پارہ کے حافظ تھے؟ کیا اس میں صداقت

ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کوئی بچہ پیدائشی حافظ وعالم ہو؟ ایک رافضی نے بحث کی تھی جس میں یہ بات کہی تھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسا کوئی واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا، جو صاحب ایسا دعویٰ کرتے ہیں انہی سے ثبوت طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## آپسی تنازع کو دور کرنے میں مصالحت

سوال: ہماری بستی مانگرول میں سالِ گذشتہ بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان عید الفطر کی شام سخت اختلاف برپا ہو گیا تھا؛ چوں کہ بریلوی حضرات نے پولیس افسران کو رشوت دے کر پہلے سے ہی اپنے طرف دار بنا لیے تھے، بناء بریں ہمارے دس حضرات پولیس فائرنگ سے جان بحق ہو گئے تھے، اس واقعہ کو تقریباً ایک سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا، عدالتی کاروائی کی طرف سے اس وقت تک کوئی فیصلہ آیا نہیں ہے، اب یہاں صلح کا مسئلہ آ کھڑا ہو گیا ہے، جب کہ فریق مقابل (بریلوی) کا کہنا یہ ہے کہ ہم لوگ صلح تو کرنا چاہتے ہیں، مگر ہم اپنی رسوماتِ بدعات کو کسی بھی صورت میں چھوڑیں گے نہیں، علاوہ ازیں ہمارے شہداء کے پس ماندگان کو مصالحت گوارہ نہیں، ایسی صورت حال میں اگر سر براہانِ فریقین مصالحت کر لیتے ہیں، تو کیا وہ عند اللہ گنہ گار ہیں؟ جب کہ دس شہداء کے پس ماندگان کے دل ایسی دب کر مصالحت کرنے سے

ناراض، ناخوش ہیں؛ نیز ان پس ماندگان کو گناہ ہوگا، اگر وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو؟

نوٹ: پس ماندگانِ شہداء کا کہنا یہ ہے کہ اگر مصالحت نہ کرنے کی صورت میں خوفِ گناہ ہو، تو ہی ہم مصالحت کے لیے آمادہ ہوں گے، ورنہ نہیں۔

یہاں پر بعضے حضرات ایسے بھی ہیں، جو لا إلیٰ هؤلاء ولا إلی هؤلاء کے مصداق ہیں، وہ حضرات ہر دو فریق سے ملتے ملاتے رہتے ہیں، نتیجۃً ان کے افعال واقوال سے ہمیں بہت ہی ضرر پہنچا ہے، تو کیا شریعتِ مطہرہ ان حضرات سے قطع تعلق کرنے کی اجازت دے گی؟

نوٹ: مذکورہ بالا سوالات کے جوابات مع حوالہ بالوضاحت دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمانوں کا آپس کا نزاع اور لڑائی شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ناپسندیدہ اور مبغوض ہے، قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں صاف صاف ہدایات اور احکام موجود ہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهب رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰه مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ (نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) (سورۂ انفال) اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں: ''ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے'' اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿واصبروا﴾ یعنی صبر کو لازم پکڑو۔

سیاقِ کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے، اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو؛ مگر افرادِ انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں؛ نیز کسی مقصد کے لیے سعی و کوشش میں اہلِ عقل وتجربہ کی رایوں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے، اس لیے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے، تو لڑ بیٹھے، اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے، آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بری چیز ہے؛ مگر اس سے بچنے کا جو گر ہے کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے، اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے، یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے؛ اسی لیے اتحاد واتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں، آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی؛ مگر خود دوسرے کی بات مان لینا، اور اگر اس کی عقل ودیانت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو نہ مانے، تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لیے سکوت کر لینا، تو بہر حال اختیار میں ہے، اس لیے قرآنِ کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فردِ جماعت کو کر دی؛ تا کہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔

(معارف القرآن ۴/ ۲۵۲، ۲۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصدقة والصلوٰة؟ قال: قلنا: بلى! قال: اصلاح ذات البين، وفساد ذات البين، هى الحالقة" (مشکوٰۃ:۴۲۸) یعنی تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سے

افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ضرور! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کے ستر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۴۶) اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔ (مشکوٰۃ ۴۲۹)

آپس کی لڑائی میں عموماً مسلمان کی آبروریزی ہوتی ہی ہے، جس کے نتیجہ میں آدمی اس وعید کا مصداق بنتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس کی لڑائی ختم کر کے آپس میں صلح صفائی سے رہیں، خصوصاً دورِ حاضر میں اس ملک میں جب کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال اور ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کی منظم سعی جاری ہے، صلح میں کوئی ایسی شرط لگانا جس سے شریعتِ مطہرہ کی حرام کردہ کسی چیز کا حلال کرنا لازم آتا ہو، یا شریعت مطہرہ کی کسی حلال کردہ چیز کا حرام کرنا لازم آتا ہو، جائز نہیں ہے، اور شریعت ایسی صلح کی اجازت نہیں دیتی، ابوداؤد شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "الصلح جائز بين المسلمين" (زاد احمد) إلا صلحاً حرم حلالا أو أحل حراماً (ابوداؤد شریف: ۲/۵۰۶) یعنی مسلمانوں کے درمیان ہونے والی ہر صلح جائز ہے؛ مگر وہ صلح جو شریعت کی حلال کردہ کسی جائز چیز کو حرام ٹھہراتی ہو، یا شریعت کی حرام کردہ کسی ناجائز چیز کو حلال ٹھہراتی ہو۔

اس لیے اگر فریقِ مخالف صلح میں یہ شرط رکھتا ہو کہ ہم اپنی بدعات پر قائم رہیں گے، تو

اس شرط کے ساتھ صلح جائز نہیں ہے، اس لیے کہ بدعت کو شریعتِ مطہرہ نے حرام اور گمراہی قرار دیا ہے، ہاں! اگر ایسی کوئی شرط صلح میں نہیں رکھی گئی، تو صلح درست اور جائز؛ بلکہ پسندیدہ ہے، جن لوگوں کے اعزہ شہید ہوئے ہیں، ان کو قتل کرنے میں اگر کسی نے براہِ راست حصہ لیا ہے، یعنی فعلِ قتل کے انجام دینے میں وہ شریک ہے، تو مقتول کے شرعی ورثاء کو اختیار ہے کہ قاتل کو معاف کریں، اور اگر وہ معاف نہیں کرتے، تو ان کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں فریق مخالف نے براہِ راست فعل قتل انجام نہیں دیا ہے؛ بلکہ قتل کرنے والی تو پولیس ہے، جس نے پیسہ کے لالچ میں یہ کام کیا ہے، اس لیے شرعی طور پر اس کام کے لیے رقم دینے والے لوگ قاتل نہیں کہے جا سکتے، ہاں! ان کو اپنی اس حرکت کی وجہ سے گناہِ عظیم ضرور لازم آتا ہے، جس سے توبہ کرنا ان کے لیے ضروری ہے؛ بہر حال موجودہ صورت میں مقتولین کے اعزہ کو چاہیے کہ مصالحت میں رکاوٹ نہ ڈالیں، ورنہ ایک کارِ خیر میں رکاوٹ کے مجرم بنیں گے، جو لوگ دونوں فریق سے ملتے ملاتے رہتے ہیں، اگر ان کا مقصد اس سے دونوں فریق کے درمیان تعلقات کو ٹھیک کرنا اور دونوں کے نزاع کو ختم کرنا ہے، تو ان کا یہ فعل شرعاً پسندیدہ اور مستحسن ہے؛ بلکہ اگر اس مقصد کے حصول کے لیے کبھی کوئی خلاف واقعہ بات کرنا پڑے، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس، ويقول خيراً وينمي خيراً“ متفق عليه (مشكوٰة شريف:۴۱۲،۴۲۸) (یعنی وہ آدمی غلط بیانی کرنے والا نہیں ہے، جس کا مقصد لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانا ہو، اور (اس مقصد کے لیے وہ) دوسروں کی طرف نسبت کر کے کوئی بھلی بات پہنچاتا ہے۔

اور اگر ان لوگوں کا مقصد دونوں کے درمیان اختلافات کو بڑھانا اور اس کی خلیج کو وسیع کرنا ہے، تو ان کی یہ حرکت نہایت درجہ شنیع اور قابلِ نفرت ہے، ایسے لوگوں کے متعلق ''بخاری و مسلم'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ: ''تجدون شر الناس يوم القيٰمة ذا الوجهين، الذي يأتي هؤلاء بوجه، وهؤلاء بوجه'' متفق عليه (مشكوة شريف:٤١١) (یعنی قیامت کے دن سب سے بدترین حال دورخ والے کا ہوگا، جو ایک فریق سے کچھ کہتا ہے، اور دوسرے فریق سے کچھ کہتا ہے) چوں کہ ایسے لوگوں کی برائی اور بھلائی کا مدار ان کی نیت پر ہے، اس لیے جب تک ان کی طرف سے کوئی بات ان کی برائی پر شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، وہاں تک ان کے معاملہ کو بھلائی پر ہی محمول کرنا چاہیے، اس لیے کہ حدیث پاک میں مومنین کے ساتھ نیک گمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: ''ظنوا بالمؤمنين خيراً'' (یعنی مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن رکھو) نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''حسن الظن من حسن العبادة'' (مشكوٰة:٤٢٩) (یعنی حسنِ ظن من جملہ حسن عبادت کے ہے۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

## ٹال مٹول کرنے والے مدیون کے مال سے چوری کرنا

(سوال): زید کا عمر پر سو روپیہ قرض ہے، عمر گنجائش ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے، آیا زید غصب کر کے یا چوری کر کے اس سے وصول کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر مدیون منکر ہے، اور دائن کے پاس گواہ بھی موجود نہیں، اور دائن بواسطۂ حاکم اپنا حق وصول کرنے سے قاصر ہے، تو ایسا کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (تکملة فتح الملهم ٥/ ٥٧٩/ شامی ٣/٢١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خوش عیش زندگی بسر کرنا جب کہ غرباء کا بمشکل گزارہ ہوتا ہو

سوال: اللہ کے حکموں کو ماننے والے اور جاننے والے، اچھا کپڑا یعنی سوٹ بنوانا اور اچھا پہننا اور اچھا کھانا دوسروں کا خیال نہ کرنا، اچھا مکان بنوانا، اپنی راحتوں کا پورا انتظام بنوانا، سوٹ بنوانا یعنی اپنے گھر والوں کو ایک کلر کے کپڑے بنوا کر پہنوانا، یہ سب صورتیں کرنے سے غریبوں کے لیے خراب اثرات سے اس کو ادھر سے ادھر قرضہ لے کر ماحول کے موافق زندگی کو پورا کرنا ہوتا ہے، تو یہ صورتیں جائز بن سکتی ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب تحریر فرماویں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کوئی آدمی حلال اور جائز طریقے سے رقم حاصل کر کے شریعت کے مقرر کردہ حدود میں رہ کر خود اچھا لباس پہنتا ہے یا اپنے متعلقین کو پہناتا ہے، اچھا پاکیزہ کھانا کھاتا ہے، اپنی ضروریات و سہولیات کی رعایت والا مکان تیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے؛ البتہ اس کا خیال ضروری ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دوسروں کو کم نہ سمجھے، اور فضول خرچی و اسراف سے بچے، بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کلوا

واشربوا والبسوا و تصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلة" (بخاری۲/۸۶۰) یعنی کھاؤ، پیو اور پہنو (جو اچھا اور حلال و پاکیزہ ہو) بغیر اسراف اور بڑائی کئے ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ڈاڑھی مونڈنے والے حجام کو دودھ بیچنا

**سوال**: (۱) ہمارے یہاں ایک مسلمان نائی (حجام) داڑھی مونڈتا ہے، اور غیر شرعی بال بناتا ہے، اور اس کی پوری آمدنی اسی میں سے ہے، اور اب وہ آدمی ہمارے ہاں دودھ لینے کے لیے آتا ہے تو اس کو دودھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز نہیں تو جتنے دن دودھ آیا اس کے پیسہ لے کر کسی غریب کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ایک ہندو نائی اگر اس طرح کام کرتا ہے، تو اس کے ساتھ دودھ وغیرہ کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اگر وہ شخص دودھ کی قیمت داڑھی مونڈنے کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم سے ادا کرتا ہے تو یہ رقم صدقہ کردی جائے۔

لاتصح الاجارة لعسب التیس، وهو نزوه علی الاناث، ولا لاجل المعاصی، مثل الغناء والنوح والملاهی (درمختار) واما الاخذ منها وهی دون ذلك كما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد، واخذ كلها فعل یهود الهند ومجوس الاعاجم (درمختار) وفی حظر الاشباه: والحرمة تتعدد مع العلم (درمختار)

(۲) اس سلسلہ میں صراحت کہیں نہیں ملی؛ البتہ اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے۔

وقال ط: وفيه انه لا يظهر الا على قول من قال ان الكفار غير مخاطبين بفروع الشريعة والاصح خطابهم (شامی:۵/۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سرکاری بے کار عمارت میں دینی تعلیم

سوال: یہاں جونا گڈھ ضلع میں ایک بہت بڑا ایریا ہے، جو جنگل شمار ہوتا ہے، اندر جنگل میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہیں، اس میں حبشی مسلمانوں کے بھی گاؤں ہیں، ایسے ہی ایک گاؤں میں ان کے بچوں کو دنیاوی تعلیم دینے کے لیے سرکار نے ایک چھوٹی سی عمارت بنادی تھی، زلزلہ میں ٹوٹنے جیسی ہوگئی تھی تو سرکار نے اس کو توڑنے کا حکم دے دیا تھا، گاؤں والوں نے اس کو توڑا نہیں؛ بلکہ اس جیسی چھوٹی سی عمارت اس سے ذرا ہٹ کر بنائی، اور اس عمارت کو جنگل کھاتے کے ایک بڑے ادھیکاری نے گاؤں والوں کو اپنے استعمال میں لینے کی اجازت دے دی تھی، اس عمارت میں کئی سالوں سے مدرسہ چل رہا ہے، اب اس عمارت کے اندر ہم لوگ نیا کام کرانا چاہتے ہیں تو کیا شرعی لحاظ سے ایسا کر سکتے ہیں؟ اس لیے کہ وہاں پر اگر ہم لوگ الگ سے مدرسہ کے لیے کوئی زمین خریدنا چاہیں تو جنگل کے اصول کے اعتبار سے وہاں کی زمین خرید نہیں سکتے، ایسی حالت میں ہم لوگ کیا کریں؟ گاؤں چہار دیواری کے اندر ہی ہے، اور یہ عمارت بھی چہار دیواری کے اندر ہے، اور ہم لوگ چہار دیواری سے

ہٹ کر کام نہیں کر سکتے ہیں؛ لیکن تمام زمین سرکاری ہے اور گاؤں والوں کو رہنے اور بسنے کی اجازت ہے؛ لہٰذا تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے جوابات سے آگاہ کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دینی تعلیم پڑھانے کے لیے استعمال کی جانے والی عمارت کے لیے وقف ہونا بھی ضروری نہیں، کسی کی ذاتی ملکیت میں وہ اجازت دے دے تو یہ کام ہوسکتا ہے، جب حکومت کے ذمہ دار افسر نے اس عمارت کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے، تو آپ کا اس کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرنا درست ہے، اس میں اگر مرمت کی ضرورت ہو، تو وہ بھی کروائی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## معتوہ کے تصرفات کا شرعی حکم

سوال: ① زید جن کی عمر ۹۰ سال سے تجاوز کر چکی ہے، اور ان کی بیوی کا بھی انتقال ہو چکا ہے، زید کا صرف ایک لڑکا عمر ہے، زید کے لڑکے عمر کے تین لڑکے، سات لڑکیاں اور بیوی ہے، زید اپنے بیٹے عمر اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ ہی رہتے ہیں، درازیٔ عمر کی باعث دو تین سال سے زید کا ذہنی توازن مختل ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے بے شعوری والا معاملہ رہتا ہے، ایک وقت میں کسی قسم کی کوئی بات کرتے ہیں، اس کے چند لمحات کے بعد ہی ان باتوں سے صاف انکار کر دیتے ہیں، اکثر اپنے بیٹے کو اپنا بڑا بھائی گردانتے ہیں، اور اپنی بہو کو رشتہ داروں میں سے کسی کی طرف منسوب

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ فلاں کی بیوی یہاں کیوں رہتی ہے؟ اسے گھر سے نکالو، اسی طرح زید اپنے پوتے اور پوتیوں کو پہچاننے سے اکثر انکار کردیتے ہیں، اجرت پر کام کرنے والی نوکرانیوں کی طرح اپنی پوتیوں کو نوکر کہہ کر کے گھر سے نکالنے کی بات کرتے رہتے ہیں، گھر سے کبھی ٹہلنے کی غرض سے باہر جانا ہوتا ہے تو واپسی میں کہتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں کہ بھئی دہلی سے واپس آرہا ہوں بہت تھک گیا ہوں، اسی طرح کھانا کھالیتے ہیں، اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ مجھے کسی نے کھانا نہیں دیا۔ بمبئی کے مضافاتی علاقوں کے متعلق اکثر کہتے ہیں کہ بمبئی سے آگے ہیں، صبح اگر تاخیر سے اٹھتے ہیں تو کہتے کہ آج رات بڑی طویل ہوگئی آج نو بجے سورج نکلا ہے، اپنے پیسوں کی اکثر چوری کی شکایت کرتے ہیں اور چوری کا الزام پوتے اور پوتیوں پر عائد کرتے ہیں، جب کہ وہ پیسے کہیں رکھ کر بھول جاتے ہیں، خرچ کردیتے ہیں یا پھر باہر کسی کو دے دیتے ہیں۔

زید کا بمبئی میں مکان ہے، دکان ہے، اسی طرح آبائی وطن میں زمین جائیداد اور مکان ہے، زید کا اپنے ہوش حواس کے زمانہ میں یہ حال رہا ہے کہ کسی بھی فرد کو چاہے وہ اولاد ہو یا رشتہ دار جائیداد اور مکانوں کے بارے میں مالکانہ حقوق کے نظریے کے ساتھ انہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا، ہمیشہ زید اپنے منفرد مزاج کے ساتھ چلنے کے عادی رہے ہیں، زید کی مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظرِ مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں کہ اس صورت حال میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

① زید کا ذہنی اختلال اور عدم توازن کی وجہ سے املاک کے بارے میں زید کے بیٹے عمر کو کیا بلا اذن حق واختیار منتقل ہوجاتا ہے، یا اس کے لیے اذن لازم ہے۔

۲ مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کی وجہ سے املاک کے بارے میں زید کا کسی کے حق میں کسی قسم کا فیصلہ نافذ کرنے سے نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۳ عمر کا بڑا بیٹا اپنے اہل وعیال کے ساتھ مستقل طور پر بمبئی کے مضافات میں رہتا ہے، وہ اپنے دادا زید کو تبدیلیٔ ہوا کے بہانے اپنے گھر لے جاتا ہے، اور وہاں جا کر اپنے دادا سے اپنے حق میں تمام ملکیت کے حقوق اور اختیار نامے بنوا کر اس پر دستخط لے لیتا ہے، جب کہ زید دستاویزی زبان سے ناواقف ہے، دوسرے یہ کہ سارا معاملہ زید کے بیٹے عمر سے چھپا کر کیا گیا ہے آیا یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح یہ بھی واضح فرمادیں کہ زید جن کا صرف ایک لڑکا عمر ہے اس کے ہوتے ہوئے ملکیت پر حق جتانا اور ثابت کرنا اور ملکیت غصب کرنے کی کوشش کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ عمر کے حقوق کی پامالی نہیں؟ ملکیت پر قابض ہونا یا اسے بیچ کر رقم استعمال کرنا حلال ہوگا یا حرام؟

۴ زید کے پوتے کا ملکیت کی کسی بھی شق سے انتفاع کیا حلال اور جائز ہوگا؟ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے دادا کو بتا کر دستخط لیے ہیں، ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظر یہ بات کہ میں نے دادا کو بتا کر دستخط لیے ہیں کہاں تک صحیح ہے؟ اور کیا یہ اختیار نامہ ازروئے شریعت صحیح تسلیم کیا جائے گا؟

۵ زید کے پوتے نے اپنے دادا سے یہ کہہ کر مضافات میں مکانات سستے ملتے ہیں، آپ بمبئی کا فلاں مکان بیچ دیجیے میں آپ کے لیے اس رقم سے مضافات میں آپ کے نام پر ایک مکان خرید لوں گا، آپ کو ماہانہ اس مکان سے دو ہزار روپیہ کرایہ ملتا رہے گا، اور مکان کی قیمت بھی رفتہ رفتہ بڑھتی رہے گی یہ دوسرا فائدہ ہوگا، دیگر نئے مکان کی خریدی کے بعد جو رقم بچے گی اسے بھی کسی تجارت میں لگا دوں گا، وہاں سے

بھی آپ کو ماہانہ نفع ملتا رہے گا، اس بات کے پیش نظر بمبئی کا ایک مکان آٹھ لاکھ روپے میں فروخت کیا گیا؛ لیکن آج تک پوتے نے کسی بھی نئے مکان کی خریداری کا کوئی بیع نامہ نہیں بتایا، نہ ہی یہ واضح کیا کہ باقی رقم کس تجارت میں لگائی ہے، جس کی وجہ سے زید اور اس کے لڑکے عمر کو شکایت ہے، زید کے بیٹے عمر نے جب اپنے لڑکے سے رقم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے حقیقت حال بتانے کے بجائے برجستہ یہ جواب دیا کہ جاؤ میں رقم نہیں دوں گا، تم سے ہو سکے تو وصول کر کے بتاؤ، معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کے پوتے کے لیے اس رقم کا دبا لینا اور اس سے کسی طرح کا کوئی انتفاع اس کے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ اور کیا زید کے پوتے کے لیے رقم واپس کرنا لازمی ہوگا یا نہیں؟

⑥ زید کے پوتے نے آبائی وطن کی ایک جائداد اختیار نامے کے بل بوتے پر زید کے بیٹے عمر کے علم میں لائے بغیر فروخت کر دی، بیع کے وقت پوتا اپنے دادا کو وطن لے کر گیا، اور وہاں بیع نامے پر ان سے دستخط کروائے جب کہ زید کے ذہنی اختلال جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے اس مختل سوجھ بوجھ کے پیش نظر زید کا کسی بیع نامے اور دستاویز پر دستخط کرنا نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور کیا یہ بیع فاسد شمار ہوگی یا قائم ہو جائے گی؟ اور اس بیع سے حاصل شدہ رقم جو رقم زید کے پوتے نے دبا رکھی ہے کیا یہ اس کے لیے جائز ہے؟ اور اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا شرعی نقطۂ نگاہ سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

⑦ زید کے مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظر زید کی موجودگی میں نیابت کا حق کیا عمر کو حاصل ہو جاتا ہے؟ اور کیا عمر کے علاوہ کوئی دوسرا بھی نیابت کا دعوی کر سکتا ہے؟

⑧ زید اور اس کا بیٹا عمر میونسپل بلڈنگ میں رہتے ہیں، جہاں ان کے چار کمرے ہیں، ایک زید کے نام پر ہے، دوسرے عمر کے نام پر ہے، تیسرا زید کی بیوی کے نام پر ہے، اور چوتھا عمر کی بیوی کے نام پر ہے، حکومت وقت کے قانون کے مطابق میونسپل بلڈنگ میں کسی ایک آدمی کے نام پر دو مکان نہیں لے سکتے، اس لیے مزید دو مکانوں کی خریداری کے وقت سرکاری قانون کے پیش نظر وہ مکانات زید اور عمر کی بیویوں کے نام پر لیے گئے، جنہوں نے مکانات کی خریداری میں کسی بھی قسم کی کوئی رقم نہیں لگائی، اور نہ ہی ان دونوں مکانات کی تملیک ان کے حق میں کی گئی صرف سرکاری قانون کے پیش نظر ان کے نام پر لیا گیا ہے، اب ان کے نام پر ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو کیا حق ملکیت حاصل ہو جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ نے زید کے متعلق جو تفصیل اپنے سوال میں تحریر فرمائی ہے اس کے پیش نظر زید شرعی اعتبار سے معتوہ ٹھہرتا ہے، اور شرعاً معتوہ کے تصرفات قولیہ معتبر نہیں ہوتے، شرعی طور پر تصرفات قولیہ (یعنی نکاح وطلاق، بیع وشراء، اجارہ، رہن وغیرہ) کے انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا انجام دینے والا عاقل بالغ ہو، اگر وہ پاگل ہے یا معتوہ یعنی ایسا کم فہم ہے جو ملی جلی باتیں یعنی کچھ صحیح اور کچھ بہکی باتیں کرتا ہے اور کام صحیح تدبیر اور طریقہ سے نہیں کرتا ہے، تو اس کے مذکورہ بالا تصرفات شرعاً معتبر نہیں۔

فتح القدیر میں ہے: لکن معلوم من كليات شرعية ان التصرفات لاتنفذ الا ممن له اهلية التصرف وادناها بالعقل والبلوغ خصوصا ما

هو دائر بين الضرر والنفع الخ(فتح القدير٣/٤٦٩)

بحر الرائق میں ہے: واراد بالمجنون من فى عقله اختلال، فيدخل المعتوه واحسن الاقوال فى الفرق بينهماان المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير؛ لكن لايضرب ولايشتم بخلاف المجنون.

(البحر الرائق٣/٢٦٨)

درمختار شامی میں ہے: والمعتوه من العته، وهو اختلال فى العقل (قوله وهو اختلال فى العقل) هذا ذكره فى البحر تعريفا للجنون، وقال: ويدخل فيه المعتوه، واحسن الاقوال فى الفرق بينهما ان المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير؛ لكن لايضرب ولايشتم بخلاف المجنون اه وصرح الاصوليون بان حكمه كالصبى؛ إلا ان الدبوسى قال: تجب عليه العبادات احتياطا، ورده صدر الاسلام؛ بان العته نوع جنون، فيمنع وجوب اداء الحقوق جميعا كمابسطه فى شرح التحرير. (درمختار مع الشامى٢/٤٦٢)

بدائع میں ہے: أما الذى يرجع الى الزوج فمنها: أن يكون عاقلا حقيقة أوتقديرا فلايقع طلاق المجنون والصبى الذى لايعقل؛ لان العقل شرط اهلية التصرف لان به يعرف كون التصرف مصلحة، وهذه التصرفات ماشرعت الالمصالح العباد (بدائع الصنائع ٣/٩٩)

شامی میں ہے: انا لم نعتبر أقوال المعتوه مع أنه لايلزم فيه ان يصل الى حالة لايعلم فيها مايقول ولايريده، وقديجاب: بان المعتوه لماكان مستمراً على حالة واحدة، يمكن ضبطها اعتبرت فيه، واكتفى فيه بمجرد نقص العقل؛ بخلاف الغضب، فانه عارض فى بعض الأقوال؛

لٰكن يردعليه الدهش، فانه كذلك، والذى يظهرلى ان كلامن المدهوش والغضبان لايلزم فيه ان يكون بحيث لايعلم مايقول؛ بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان، واختلاط الجد بالهزل، كما هوالمفتى به فى السكران على مامر ولاينافيه تعريف الدهش بذهاب العقل،فإنّ الجنون فنون، ولذا فسره فى البحرباختلال العقل وأدخل فيه العته والبرسام والإغماء والدهش (شامی۲/٤٦٣)

"دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام" میں ہے:المعتوه لغةً ناقص العقل وشرعاً: هوالذى اختلّ شعوره بان كان قليل الفهم مختلط الكلام فاسد التدبير؛ ولٰكنه لايشتم ولايضرب كالمجنون؛ بل يكون كلامه مختلطاً فبعضه يشبه كلام العقلاء، وبعضه يشبه الفاظ المجانين، وان وقع اختلاف فى تفسيرالمعتوه فالمختارهذا التعريف.

(ردالمحتار،التنقيح، درر الحكام رقم الماده: ٩٤٥، الكتاب التاسع٢/٥٨٦)

اب آپ کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

① اس حالت میں زید کی املاک پر نہ تو اس کے بیٹے عمر کو کوئی حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے، نہ ہی پوتوں میں سے کسی کو؛ بلکہ اس کی تمام جائیداد اور املاک بطور امانت محفوظ رکھی جائیں، اس میں سے صرف زید کے ضروری مصارف کے بقدر لے کر اس کی ضرورتیں پوری کی جاسکتی ہیں، یہ بھی یاد رہے کہ زید کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں۔

② نہیں۔

③ زید کے بڑے پوتے کا اپنے دادا زید کو تبدیلی آب وہوا کے بہانہ اپنے گھر لے آنا، اور وہاں اپنے دادا سے اپنے حق میں تمام ملکیت کے حقوق واختیار نامے بنوا کر

اس پر دستخط لے لینا شرعاً معتبر نہیں؛ اس لیے کہ جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے اپنے ذہنی عدم توازن کی وجہ سے زید معتوہ ہے، اور اس کا کوئی تصرف شرعاً درست نہیں۔

④ زید کے پوتے کا ملکیت کی کسی بھی شق سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں، اس نے اس حالت میں اختیار نامے پر جو دستخط لیے ہیں، اس کا بھی شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

⑤ زید کے پوتے کا اپنے دادا سے اس طرح مکان بکوانا ہی شرعاً معتبر اور درست نہیں، تو پھر اس سے حاصل شدہ رقم کو اپنی تحویل میں لینا یا اس سے کسی نوع کا فائدہ اٹھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

⑥ زید کے پوتے کا یہ اقدام بھی درست نہیں، نہ ہی یہ خرید و فروخت درست ہے۔

⑦ زید کی موجودہ صورت حال میں اس کی املاک میں تصرف کا کسی کو حق حاصل نہیں، نہ تو اس کے بیٹے عمر کو، نہ ہی کسی اور کو۔

⑧ کسی قانونی پیچیدگی کی وجہ سے کسی مکان کو خریدنے والے نے وہ مکان اپنے نام کے بجائے دوسرے کے نام لیا تو ایسا کرنے کی وجہ سے وہ دوسرا اس مکان کا مالک نہیں بن جاتا؛ بلکہ جس نے خریدا ہے وہی اس کا مالک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ		الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا

**سوال:** مسئلہ ٹکٹ اور پاس (PASS) کا ہے، جو ریلوے یا دوسرے محکمے جاری کرتے ہیں، تو کیا اس کو آپس میں منتقل کرنا درست ہے؟

(الف) جو لوگ اس انتقال کو درست کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ٹکٹ یا پاس کے ہم نے جب پیسے بھر دیئے، اب ہم اس کے مالک ہیں، جہاں چاہے استعمال کریں۔

(ب) جب کہ بندہ کا خیال یہ ہے کہ: (ا) چوں کہ ان اشیاء پر باقاعدہ طور پر لکھا ہوتا ہے THIS TICKETIS NOT TRANFERABLE یعنی یہ ٹکٹ اور پاس منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ پاس کے ساتھ ایک آئی کارڈ (شناختی کارڈ) دیا جاتا ہے، ظاہر ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ پاس دوسرا کوئی شخص استعمال نہ کرے۔

اور پھر اس انتقال میں دھوکہ بھی لازم آتا ہے، اور پکڑے جانے پر بے عزتی اور جرمانہ بھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد اجارہ کے ذریعہ سے جس چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ فائدہ اس نوع کا ہے کہ استعمال کرنے والوں کے بدلنے سے صورت حال میں تبدیلی کا اندیشہ نہیں، تو اس میں اجرت پر دینے والے کا اجرت پر لینے والے کے ساتھ یہ قید اور شرط لگانا کہ وہی یعنی اجرت پر لینے والا ہی استعمال کرے، درست نہیں، مثلاً کسی نے اپنے لیے مکان اجرت پر لیا، تو اسے حق حاصل ہوگا کہ کسی اور شخص کو اس میں رہنے دے۔

درمختار میں ہے: وان قید براکب أو لابس فخالف ضمن اذاعطبت ............ومثله فی الحکم کل مایختلف بالمستعمل کالفسطاط و فیما

لاختلاف فيه بطل تقييده به، كمالوشرط سكنى واحد له ان يسكن غيره لما مر أن التقييد غير مفيد (درعلی هامش الشامی٤/٥٠٢)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: المادة: (٤٢٨) كل مالا يختلف باختلاف المستعملين فالتقييدفيه لغو مثلاً: لو استأجر احد دارعلى ان يسكنها له أن يسكن غيره فيهايعني انه لواستأجراحد داراً بشرط ان يسكنها هو، فله ايجارها من غيره، واعارتهاالاستيفاء المنفعة التي له ان يستوفيها بموجب المادة:٤٢٦ لان السكنى لم تكن متفاوتة فلم يعتبرذلك القيد؛ لأنه غير مفيد (دررالحكام شرح مجلة الأحكام ١/ ٤٦٣)

ریل اور بس وغیرہ دور حاضر کی سواریوں میں ٹکٹ خرید کر اس سے فائدہ اٹھانے کا جو اجارہ کیا جاتا ہے وہ بھی اسی اصول کے ماتحت آنے کی وجہ سے اصالۃً وہ ٹکٹ دوسرے کو فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ بھیج دینا جائز ہے؛ مگر زیادہ داموں میں فروخت نہ کرے؛ بلکہ مثل اجر مسمی یا اس سے کم میں فروخت کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۴/ ۴۲۳)

اس لیے اس اصول کے پیش نظر ٹرین یا بس یا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا علی الاطلاق درست ہونا چاہیے؛ لیکن اس میں مندرجۂ ذیل تفصیل ہے:

ٹرین اور بس کے بعض ٹکٹ تو وہ ہوتے ہیں جو کسی معین شخص کے لیے جاری نہیں کئے جاتے، اور کسی مخصوص آدمی کے لیے نامزد نہیں ہوتے۔ اور بعض ٹکٹ وہ ہوتے ہیں جو کسی مخصوص شخص کے لیے جاری کئے جاتے ہیں اور کسی معین آدمی کے نامزد ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے ٹکٹ کو فروخت کرنے میں شرعی یا قانونی کسی محظور کا ارتکاب لازم نہیں آتا، اس لیے اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ دوسری قسم کے ٹکٹ کسی معین شخص کے نامزد ہونے کی وجہ سے ان کو فروخت کرنے کی صورت میں جب وہ

اس کو استعمال کرے گا، تو جھوٹ اور دھوکہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے کہ استعمال کرنے والا اپنے آپ کو اسی نامزد شخص کی حیثیت سے پیش کرے گا، اس لیے اس کا فروخت کرنا درست نہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ پہلی قسم کے ٹکٹ بھی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ محکمۂ ریل اور بس کی طرف سے اس خریدنے والے کو کسی خاص بنیاد پر رعایت نہ دی گئی ہو، ورنہ اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## سالگرہ منانا

**سوال**: بچہ پیدا ہونے کے بعد جب ایک سال کا ہوتا ہے اس وقت جو سالگرہ مناتے ہیں، وہ جائز ہے یا ناجائز؟ لہٰذا جلد از جلد جواب مرحمت فرمادیجئے۔

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سالگرہ منانے کا جو طریقہ رائج ہے، وہ قابل ترک ہے، غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# ٹی، وی پر دینی مضامین بیان کرنا

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک عالم سحری کے وقت ٹی وی پر دینی مضامین بیان کرتے ہیں، ان کی نیت کیا ہے معلوم نہیں ہے؛ نیز اس بیان پر اجرت لیتے ہیں یا نہیں معلوم نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ دینی ودنیاوی مضامین ٹی وی کے پردہ پر بیان کرنا کیسا ہے؟ کیا ٹی وی پر دینی مضامین بیان کرنا صحیح ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی اپنی موجودہ صورت میں ڈھول، سارنگی اور بینڈ باجوں کی طرح لہو، لعب کا ایک آلہ ہے؛ بلکہ مفاسد کے لحاظ سے دیگر آلات معاصی سے بڑھ کر ضرر رساں اور تباہ کن ہے، اس کا بیچنا، خریدنا پاس رکھنا، دیکھنا دکھانا ناجائز وحرام ہے، اس میں کسی قسم کے دینی پروگرام نشر کرنا، اس میں حصہ لینا ناجائز وحرام ہے، اس گناہ کو نیکی تصور کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے، دینی مضامین بیان کرنے کے بھی کچھ آداب واصول ہیں، ٹی وی مغنیہ عورتوں، گویوں، مزامیر اور ڈھولکیوں کا گھوارہ ہے، گندگی کے اس جوہڑ میں بیٹھ کر دینی مضامین بیان کرنا دین کی خدمت نہیں؛ بلکہ دین کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نیک مقاصد کے خاطر ٹی-وی گھر میں رکھنا

سوال: کسی کے گھر میں ٹی وی ہو اور اس کا مالک محض یہ نیت رکھتا ہو کہ وہ ٹی وی کے ذریعہ خبریں حاصل کرے گا؛ نیز دوسرے مفید پروگراموں کے ذریعہ اچھی معلومات حاصل کرے گا؛ تاکہ گھریلو معاملات اور معاشرتی وسماجی حالات سے بخوبی آگاہ رہے، تو اس ارادہ کے ساتھ اس کا دیکھنا اور خود نہ دیکھے تو گھر میں رکھنا جائز ہوسکتا ہے؟ نیز ٹی وی کے مفید پروگراموں میں اسلامی تاریخی سیریئل ٹیپو سلطان اور شہنشا اکبر اعظم وغیرہ کا دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی پروگراموں کا دیکھنا اور گھر میں ٹی وی رکھنا ممنوع ہے، سوال میں مذکور سیریئل کو اسلامی تاریخی نام دینا درست نہیں، واقفین کے بقول تاریخی اعتبار سے بھی اس میں تحریف کی گئی ہے اور اکبر تو ملحد اعظم تھا؛ بلکہ الحاد کا بڑا داعی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد عفی عنہ

## ٹیپ ریکارڈ رکھنا

سوال: ٹیپ ریکارڈ رکھنا کیسا ہے؟ نظم وقرأت کے لیے رکھنا درست ہے لیکن تبلیغی جماعت والے منع کرتے ہیں، اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت جی نہیں رکھتے تھے، جائز ہے تو اس کی وجہ ذکر کیجیے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جائز مقاصد کے لیے ٹیپ ریکارڈ مشین رکھنا جائز اور درست ہے، اگر حضرت جی کا فتویٰ حرمت کا ہے تو پیش کیجئے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جا سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/شوال ۱۴۱۷ھ

## بے نمازی کا بچہ مر جائے تو وہ بھی جنت میں داخل کرائے گا

سوال: حدیث پاک میں آتا ہے اگر کسی کے ایک بچہ کا نتقال ہو گیا، اس کے لیے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا؛ مگر ایسا شخص بے نمازی یا غلط کاری کر رہا ہو تو کیا اس کے لیے ذریعۂ نجات بنے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بچہ کی سفارش کے نتیجہ میں ایسے آدمی کو بھی جنت میں دخول اولین نصیب فرمائے۔ ﴿ان اللہ لا یغفر أن یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ووٹ کس کو دیں؟ عورتوں کا ووٹر بننا

سوال: نومبر ۹۶ء میں شہر کی مقامی حکومت کے ارکان کے انتخاب کی تیاری ہے تقریباً تہائی نشستیں خواتین کے لیے مختص ہیں:

① سوال یہ ہے کہ مسلمان کس حد تک ان انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے؟
② کیا مسلم خاتون امیدوار ہوسکتی ہے؟ (شوہر کی تحریک پر، شوہر کی اجازت سے، بغیر اجازت کے)۔
③ کیا صالحہ خاتون کے انتخاب میں سعی کرنا مسلمان کی ذمہ داری ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ امور سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو اس کو ووٹ دیں۔ (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۴)

② عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں؛ کیوں کہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر ہے۔ (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۱)

③ حسبِ جواب بالا جب ان کی شرکت متعذر ہے تو ان کے انتخاب کی سعی لا حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## الیکشن میں عورت ووٹ دے سکتی ہے؟

سوال: کیا الیکشن کے وقت مستورات ووٹ دے سکتی ہیں یا نہیں؟ اسلام میں

اس کا جواز ہے یا نہیں؟ جناب مفتیٔ اعظم فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ووٹ کا دینا مستورات کے لیے ناجائز بتایا ہے، ہم ہماری بہنوں کو کیسے روکیں؟ جب تک آپ کا جواب نہ آوے تب تک ہم مسلمان ماں بہنوں کو نہیں روک سکتے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے؛ ہاں! ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔ (کفایت المفتی قدیم ۹/۳۷۱)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں؛ بلکہ پیپر دینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لیے جانا جائز ہے، اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں؛ بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم مقرر کیے جائیں۔ (کفایت المفتی ۹/۳۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## رقم لے کر ووٹ ڈالنا

سوال: الیکشن کے اندر جو لوگ عہدہ کی حیثیت سے کھڑے رہتے ہیں تو وہ لوگ بعضوں کو روپیہ دیتے ہیں؛ تاکہ یہ ان کو ووٹ دیں تو ایسے روپیوں کا لینا کیسا ہے، اور اگر روپیہ لینے کے بعد ان کو پھر ووٹ نہیں دیا تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ رشوت ہے، جس کا لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ذو القعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## اللہ تعالیٰ سے محبت و عشق غلام و باندی کی خصوصیت نہیں

سوال: غلام اور باندی کس چمن کے پھول ہوتے تھے کہ ان میں اس قدر زہد اور حق تعالیٰ شانہ سے بے لوث محبت اور عبادت میں جان تک دینا، اس کو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے اور اس کے عشق میں ڈوبے ہوئے افراد ہر طبقہ کے لوگوں میں ہوتے ہیں، غلام، باندی کی خصوصیت نہیں ہے، واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت پر ہے۔ کل میسر لما خلق لہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کیا عورتوں میں حیض کی تکلیف کا سبب حضرت حواء علیہا السلام کی لغزش ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں عورتوں پر حیض کی تکلیف حضرت حواء علیہا السلام کی لغزش کی وجہ سے ہوئی، آپ کی نظر سے کوئی ایسی روایت گذری ہے یا نہیں؟

**الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً**

قال ابن الرفعة: قيل: إن أمنا حواء عليها السلام لما كسرت شجرة الحنطة، وأدمتها، قال الله: لأدمينك كما أدميتها، وابتلاها بالحيض هي، وجميع بناتها إلى الساعة (مرقات شرح مشكوة:۲/۹٦)

وأما سببه فقد قيل: إن أمنا حواء عليها السلام حين تناولت من شجرة الخلد فابتلاها الله تعالیٰ بذلك، وبقی هو في بناتها، إلى يوم التناد بذلك السبب الخ (البحر الرائق۱/۲۰۰)

روى الحاكم وابن المنذر بإسناد صحيح عن ابن عباس أن ابتلاء الحيض كان على حواء عليها السلام بعد أن هبطت من الجنة (فتح الباري۱/۳۱۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کسی کے والد کا نام بدلنا

**سوال**: ایک لڑکے کے والد کا نام رسول تھا، بعد میں ایک عالم حق نے جو کہ صاحب طریقت ہونے کے ساتھ شیخ کامل بھی ہیں، انہوں نے اس لڑکے کے والد کا نام بدل کر رسول کے بجائے عبداللہ رکھا ہے اور اس بدلے ہوئے نام کی خبر اس کے والد کو نہیں ہے اور یہ اطلاع دینا بھی اس کے والد کو بہت مشکل ہے، تو کیا اس طرح اس کے والد کی اجازت کے بغیر نام بدل کر رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا وہ لڑکا اپنے نام کے بعد اپنے والد کا اصل نام چھوڑ کر اس عالم حق کے بتائے نام کو لکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی نام اگر کسی کا نامناسب ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو تبدیل فرما کر مناسب نام تجویز فرماتے تھے، کتب حدیث وسیر کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود صاحب نام کو یہ ہدایت فرماتے تھے۔ کسی کے والد کا نام اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرمایا ہو یہ میری نظر سے نہیں گذرا، صورت مسئولہ میں اس لڑکے کے والد کو اصول شریعت سے آگاہ فرما کر انہیں کو اس تبدیلی کے لیے راضی کرلیا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام حزن تھا تو اس کو بدل کر سہل رکھنے کو ان سے فرمایا؛ لیکن انہوں اس کو منظور نہیں کیا تو کتب سیر میں ان کو اب بھی حزن ہی سے یاد کیا جاتا ہے، سہل سے نہیں۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## حق شفعہ

سوال: ایک مکان فروخت کیا، اور بعد از فروخت پڑوسی نے دعوی کیا کہ اس مکان کا حق خریدنے کا مجھ کو ہے، اس لیے کہ میری دیوار اور فروخت شدہ مکان کی دیوار ہماری مشترک ہے، تو یہ دعویٰ از روئے شرع درست ہے؟ اور حق شفعہ کے لیے اگلی بیع فسخ کی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس میں استحقاق شفعہ کے دیگر شرائط بھی پائے گئے ہیں، تو اس کا دعویٰ شرعاً

درست ہوگا؛ البتہ یہ یاد رہے کہ شفیع کے حق شفعہ کی بنیاد پر مبیع کی ملکیت حاصل کرنے کے لیے قضاء قاضی یا تسلیم مشتری ضروری ہے، اگر شق ثانی ہے تو اس صورت میں وہ مشتری سے باقاعدہ بیع کر کے حاصل کرے گا، اور شق اول ہے تو اس میں فقہی اعتبار سے تفصیل ہے جو اس وقت دریافت کی جاسکتی ہے، جب کہ یہ معاملہ قاضی کے پاس پیش ہوا ہو۔ (بدائع الصنائع ۵ / ۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مقروض کا قرض لوجہ اللہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ

(سوال): خالد عمر کا مقروض تھا، بکر کو پتہ چلا کہ خالد مقروض ہے تو بکر نے خود ہی اپنی طرف سے کہا کہ تمہارا جو قرضہ ہے میں اس کو للہ کے لیے ادا کر دیتا ہوں، مجھے اس کے بدلہ میں آخرت میں ثواب چاہیے اور آپ دعا کرتے رہئے، اور یہ روپیہ آپ کو مجھے واپس دینا نہیں ہے، اب چار پانچ سال کے بعد خالد اور بکر میں کچھ اختلاف ہوگیا تو اب بکر کہتا ہے میں نے جو تمہارا قرضہ ادا کیا تھا وہ مجھے واپس چاہیے، ورنہ تمہارے ذمہ میرا قرض باقی رہے گا اور تم میرے مقروض ہوں گے، خالد انکار کرتا ہے کہ نہ میں نے تم سے قرض لیا تھا، نہ میں نے تم سے قرض ادا کرنے کو کہا تھا، تم نے خود ہی اللہ کے لیے ثواب کی نیت سے میرا قرض ادا کیا تھا، اس لیے میں نہ تمہارا روپیہ دوں گا، نہ میں تمہارا مقروض رہوں گا، تو اب اس صورت میں بکر اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے یا خالد کا مقروض رہے گا یا نہیں؟ فقہ حنفی کے حوالہ کے ساتھ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر نے جب خالد کا دین اپنی طرف سے ازخود ادا کر دیا، خالد کے کہنے سے ادا نہیں کیا، اور پہلے یہ بھی صراحت کردی کہ میں آپ کا یہ قرض اللہ کے واسطے ادا کر رہا ہوں، یہ روپیہ آپ کو مجھے واپس دینا نہیں ہے تو بکر خالد سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، اور نہ خالد بکر کا مقروض ہے، بکر نے جو کچھ کیا بطور تبرع واحسان ہے۔

وفي الذ خيرة: من قضى د ين غيره بأمره أو بغير أ مره يخرج المقضى به عن ملك القاضى الى ملك المقضىٰ له من غير أن يدخل فى ملك المقضى عنه، ألا ترىٰ أن القضاء عن الميت صحيح مع أنه ليس من أهل الملك، ومن قضى دين غيره بسبب ............ إلا أن القضاء إذا كان بأمر المقضىٰ عنه فالقاضى استحق البدل عليه فلو قلنا بعوده الى ملكه بعد ارتفاع السبب يجتمع البدل والمبدل فى ملك واحد هو لا يجوز وهذا المعنى معدوم فيما اذا قضى بغير أ مره (تقريرات الرافعى ١/١٩٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# مملوکہ تالاب میں قدرتی مچھلی کا مالک کون؟

سوال: دریا اور تالاب کی زمین کسی شخص کی ملکیت ہو اور مالکِ زمین ان میں مچھلیاں بطور پالنے کے نہ ڈالتا ہو؛ بلکہ قدرتی طور پر مثلاً سیلاب کی وجہ سے مچھلیاں آتی ہوں تو اس صورت میں صیاد السمک آتا ہے اور شکار کرتا ہے؛ لیکن صاحب ارض

سب کے سب مچھلی صیاد السمک سے لے لیتا ہے اور کبھی آدھ یا تہائی حصہ لے لیتا ہے، اور صاحب ارض کا کہنا یہ ہے کہ ہم خزانہ (ٹیکس) زمین کا بھرتے ہیں، تو صاحب ارض کا یہ مچھلیاں لینا بلا عوض درست ہے یا نہیں؟ اگر لینا درست ہے تو کہاں تک؟ اور عدم درستگی کی کونسی صورت ہے مع حوالہ جات جواب ارشاد فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اس مملوکہ تالاب یا ندی میں جو مچھلی قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے، تالاب یا ندی کے مالک نے بطور پال نہیں ڈالی ہے تو جو آدمی بھی اس مچھلی کا شکار کرے گا وہ شکار کرنے والا اس مچھلی کا مالک ہوگا، صاحب زمین کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس سے آدھی یا تہائی وصول کرے، اس کا یہ فعل حرام ہے۔

قال فی الأصل: ومن اصطاد سمكة من نهر جار لرجل لا يقدر على أخذ صيده فهو للذى أخذه، وكذلك إن كانت لا يقدر على أخذ صيدها إلا بالاصطياد الخ (عالمگیری ٥/٤٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مودودی صاحب سید ہیں پھر بھی ان پر تنقید کر سکتے ہیں

سوال: مودودی صاحب کی تقریباً جملہ تصنیفات اپنی ذاتی رائے زنی پر مشتمل ہے، جو اہل نظر کے نزدیک مخفی نہیں؛ بلکہ اظہر من الشمس ہے تو ان کی تمام تحریفات کی تنقید وتردید کی جاتی ہے تو بعض اوہام پرست لوگ کہتے ہیں کہ بھائی یہ درست طریقہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ مودودی صاحب خاندان سادات سے ہیں، اگر ان کی تردید

کروگے یا تنقید تو سید کی سخت توہین ہے جو بنصِ حدیث شریف ممنوع ہے؛ اس لیے کہ صاحبِ شریعت نے سادات کی توقیر وتعظیم کا ہم کو مکلف بنایا ہے؛ لہٰذا ان کے خلاف بالکل لب کشائی درست نہیں، اس لیے کہ خود مودودی صاحب نے اپنے آپ کو سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھا ہے تو سید ہونے کی وجہ سے کیا ان کی تلبیسات کی تردید نہ کی جائے، لہٰذا اس کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں، مودودی صاحب سید ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کی تردید حقائق کی روشنی میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سید کی تعظیم وتوقیر کا حکم اس وقت ہے جب کہ سید پر معصیت وفسق وفجور کا غلبہ نہ ہو یا اس کی تعظیم وتکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو، ورنہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ مستحقِ تعظیم نہیں؛ کیوں کہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "من وقّر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام" أو كما قال ﷺ۔ (مشکوۃ:۳۱) نیز یہ امر ارشادِ نبوی سے ثابت ہوتا ہے: "أحبوا أهل بيتي لحبي"۔ کیوں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ ان کے محبوبِ نبوی ہونے کی وجہ سے ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسقِ مجاہر اور مبتدع محبوب نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں، پس قابلِ محبت اور لائق تعظیم نہیں، اسی کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "إذا لم يكن مخالفاً للدين" کی قید بڑھا کر۔ (خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۱۷، ۳۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بیت المال کی رقم سے کاروبار کرنا

سوال: اگر کسی آدمی کے پاس بیت المال کی رقم ہو، وہ ذمہ داروں سے پوچھ کے کاروبار میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرکے کچھ حصہ نفع کا بیت المال میں دے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیت المال کی رقم ایک امانت ہے، دینے والوں نے جس کام کے لیے دی ہے اس کے علاوہ میں اس کو استعمال کرنا خیانت اور ناجائز ہے، بیت المال کے ذمہ دار حضرات کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ اس رقم کو دوسرے کام میں استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو گنہگار ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر ضمان واجب ہوگا، اس لیے جس آدمی کے پاس بھی وہ رقم ہے وہ اس کو کاروبار میں نہیں لگا سکتا، چاہے وہ اس کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع میں سے ایک حصہ بیت المال کے لیے تجویز کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۳/ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## شرعی آداب کا اہتمام کرنا کیا غلو ہے؟

سوال: ایک شخص چھوٹے چھوٹے آدابوں کا اہتمام کرتا ہے، سامنے والا شخص کہتا ہے: غلو مت کرو، یا دین میں تنگی کیوں پیدا کرتے ہو؟ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے آدابوں کا اہتمام کرنا کیا یہ غلو ہے اور دین میں تنگی پیدا کرنا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت کی طرف سے مامور بہ کسی بھی عمل کو انجام دینے میں جو امور ملحوظ رکھے جاتے ہیں ان میں مختلف درجات کی تحدید کی گئی ہے مثلاً نماز ایک مامور بہ عمل ہے، وہ جن اقوال وافعال کا مجموعہ ہے ان میں بعض اقوال وافعال فرائض کے درجے میں ہیں، بعض واجبات کے درجے میں ہیں، بعض سنن ومستحبات اور آداب کی حیثیت رکھتے ہیں، اور شریعت مطہرہ نے جس طرح فرائض وواجبات کی تعلیم دی ہے، اسی طرح سنن ومستحبات اور آداب کی بھی تعلیم دی ہے اور ان کی انجام دہی کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

اگرچہ نفس مامور بہ کا وجود فرائض وواجبات سے ہو جاتا ہے؛ لیکن اس میں خوبی اور کمال کا پیدا ہونا سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت پر موقوف ہے، اگر سنن ومستحبات اور آداب بھی مطلوب نہ ہوتے تو شریعت کی طرف سے ان کی تعلیم کا اہتمام نہ کیا جاتا، حالاں کہ حضرات فقہائے کرام تو احکام شرع کے بیان کرنے کے معاملہ میں بڑے حساس اور محتاط ہوتے ہیں وہ بھی ان امور کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہاں! درجات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اگر کبھی تعارض آپڑے تو سنن ومستحبات وآداب کے مقابلہ میں فرائض وواجبات کو ترجیح دی جائے، مثلاً صبح کا وقت جا رہا ہے اور صرف اتنی گنجائش ہے کہ دو رکعت پڑھ لی جائے تو اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ صبح کی چار رکعتوں میں سے دو فرض ہیں اور دو غیر فرض، تو ممکن ہے کہ دو سنتوں کو پہلے پڑھے اور اس درمیان وقت نکل جائے اور فرض قضاء ہو جائے، اس واسطے علماء نے درجات کو متعین کر دیا؛ تا کہ ایسے وقت میں اول فرض ادا کیا جائے اور قضاء کرنے کے گناہ

سے بچ جائے، کیا اس کی وجہ سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سنت فجر کوئی چیز نہیں؟ سنت فجر تو وہ چیز ہے کہ جس کے واسطے حکم ہے کہ اگر گھوڑے بھی تمہارے اوپر سے گزر جائیں تب بھی اس کو مت چھوڑو۔ (ماخوذ از التبلیغ ۱/ ۱۱۳، ۱۱۴)

تعلیم المتعلم: فينبغي لطالب العلم ان لا يتهاون بالآداب والسنن فإن من تهاون بالآداب حرم السنن، ومن تهاون بالسنن حرم الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم الآخر۔ (ص: ۹۰)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: یہ آداب اور مستحبات جو سرکار دو عالم ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں؛ لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ہے کہ جو آداب آپ نے تلقین فرمائے ہیں انسان کو چاہیے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرما دیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کرو گے تو کوئی گناہ نہیں دیں گے، ورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرنا مقصود ہے، ایک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضور اقدس ﷺ کر گئے اس لیے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہیے۔ (اصلاحی خطبات ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴)

لہٰذا ان آداب و مستحبات (جن کی شریعت میں تعلیم دی گئی ہے) کی ادائے گی کا جو آدمی اپنے طور پر اہتمام کرتا ہے اس کو دوسروں کا یوں کہنا کہ: ''غلو مت کرو یا دین میں تنگی پیدا مت کرو'' درست نہیں، ہاں! دوسرے لوگ اگر ان آداب کو بجا نہیں لاتے

ہیں تو اس کی وجہ سے ان پر زبان طعن دراز نہ کرنی چاہیے اور اس کی وجہ سے ان کو برا نہ سمجھنا چاہیے، یہ عجیب معاملہ ہے کہ خود سے تو آداب و مستحبات ادا کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور جو ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کو "غلومت کرو یا دین میں تنگی مت پیدا کرو" کہہ کر مطعون کیا جاتا، ہاں! جن چیزوں کی دین میں تصریح نہیں ہے ان کی تحقیق وتدقیق میں پڑنا غلو شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کسی کے متعلق "میں اس کو پہچانتا ہوں" کہنا کفالت نہیں

سوال: میں یہاں پر ایک دینی ادارہ میں منشی کا کام کرتا تھا، ایک دن شوریٰ کا ایک ممبر جس کا نام ادریس بھائی ہے، مدرسہ میں ایک غیر مسلم شخص کو جو کہ بھنگار کا دھندا کرتا ہے لے کر آئے اور مجھ کو کہا کہ اس شخص کو مدرسہ کے اندر جو بھی جونا، پرانا سامان ہے وہ وزن کر کے دے دو، میں نے اس شخص کو سکریٹری کے پاس بھیج دیا، سکریٹری نے اس کو کہا: کہ ۱۰/ بجے تم مدرسہ میں آؤ، دوسرے دن وہ بھنگار والا وقت پر مدرسہ میں پہنچ گیا، سکریٹری صاحب بھی پہنچ گئے، سکریٹری صاحب نے مجھ کو کہا کہ اس شخص کو سامان دکھا دو اور وزن کر دو، میں نے سکریٹری صاحب کی موجودگی میں پورا سامان وزن کر دیا، سامان میں ایک جونا، پرانا فریج جس کو اس شرط پر بیچا تھا کہ اس کا کمپرسر ہم کو واپس کر دینا ہے جس کو اس نے قبول کر لیا، کل سامان ۴۵۰۰/ روپئے کا ہوا، سکریٹری صاحب نے خود پیسے لیے اور رسید بنائی، اس بھنگاری نے ۳۷۰۰/ روپئے

دیئے اور کہا کہ میرے پاس اس وقت اتنے ہی پیسے ہیں، باقی پیسے میں شام تک پہنچا دوں گا اور کمپر سر میں کل تک پہنچا دوں گا، سکریٹری صاحب بولے ہم آپ کو پہچانتے نہیں، وہ فوراً بولا: کہ ادریس بھائی مجھے پہچانتے ہیں اور یعقوب بھائی مجھ کو پہچانتے ہیں، میں نے اس سے پہلے بھی ۲۴، ۲۵ / ہزار کا دھندا کیا ہے، میں ایمان دار آدمی ہوں وغیرہ وغیرہ، اس نے اس سے پہلے دو مرتبہ مدرسہ سے جونا پرانا سامان تقریباً ۲۰، ۲۵ / ہزار کا لیا تھا، اس وقت برابر پیسے دیئے تھے، اس کی اس بات پر سکریٹری صاحب نے مجھ سے کہا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ میں نے اس کی اس بات پر ہاں کہہ دیا کہ اس نے اس سے پہلے دو مرتبہ یہاں سے بھنگار لیا تھا اور برابر پیسے دیئے تھے، نہ تو میں نے اس کی ذمہ داری لی تھی اور نہ ہی اس کی ذمہ داری لینے کی میری کوئی نیت تھی، میرے گردن ہلانے پر سکریٹری صاحب نے اس کو سامان دے دیا؛ لیکن آج دو مہینے کے قریب ہو گئے وہ ابھی تک واپس نہیں آیا، اب شوریٰ والے مجھے پریشان کر رہے ہیں کہ تم نے ذمہ داری لی تھی، اب یہ پیسے تم چکاؤ، ۸۰۰ / روپئے روکڑی اور تقریباً ۳۰۰۰ / کا کمپر سر، کل ملا کر ۴۰۰۰ / روپئے کے قریب ہوتے ہیں، میری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ اتنی رقم ادا کر سکوں، حالاں کہ ۱ / تاریخ کو میں مدرسہ چھوڑ چکا ہوں۔ آپ برائے مہربانی یہ بتائیے کہ کیا یہ پیسے میرے ذمہ ہیں؟ کیا مجھے چکانا پڑے گا یا پھر میں اس سے بری ہوں، مجھ پر اس کی کوئی جواب داری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں سکریٹری صاحب کے یہ پوچھنے پر کہ تم اس کو پہچانتے ہو؟

آپ کے ہاں کہہ دینے کی وجہ سے بقیہ رقم کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

كذلك لو باع أحد ماله من آخر وسلمه إليه وسأل شخصاً: هل تعرف هذا الشخص؟ فقال المسئول: نعم أعرفه رجلا طيبا، فلا يكون ذلك الشخص بمجرد قوله هذا كفيلا بالمال (۶۳۰/۱)

لہٰذا شوریٰ والوں کا یا سکریٹری صاحب کا بقیہ رقم کا مطالبہ آپ سے کرنا اور اس کی بنیاد پر آپ کو پریشان کرنا جائز اور درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## شادی کے موقع پر بینڈ باجا بجانے پر مالی جرمانہ لینا

سوال: گھانچی برادری کی ایک جماعت ہے، نکاح کے موقع پر اگر کسی شخص نے بینڈ باجا بجایا تو جماعت کی طرف سے متعین روپیہ کی شکل میں جرمانہ عائد کیا جاتا ہے تو اس طرح جماعت کا جرمانہ کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور وصول کی ہوئی رقم جماعت کے کسی کام میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز جرمانہ ادا کرنے کے بعد بینڈ باجا بجانے کی اجازت سے جماعت کے افراد گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مالی جرمانہ شریعت مطہرہ میں جائز نہیں؛ بلکہ ناجائز وحرام ہے۔

شامی میں ہے:

والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (۱۷۹/۳)

ایسی رقم اس کے مالکین کو واپس کی جائے، جماعت کے کسی بھی کام میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ: ألا لا تظلموا! لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه رواه البيهقي.(مشکوۃ:۲۵۵)

جرمانہ کی ادائیگی کے بعد بینڈ باجہ کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کام کو حلال کردیا، یہ تو بے حد خطرناک اور شنیع حرکت ہے، سلبِ ایمان کا خطرہ ہے، توبہ، اور تجدیدِ ایمان لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

سوال: گاؤں کی جماعت سزا کے طور پر جو جرمانہ عائد کرتی ہے وہ جرمانہ عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مدارس دینیہ میں تاخیر سے آنے والے طلبہ پر یا کسی اور وجہ سے جو جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اس کو وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر اس کا مصرف کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم کا تعزیر بالمال کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''احسن الفتاوی'' میں موجود ہے، اس میں نصوص کتاب وسنت اور عباراتِ فقہاء، مذاہب اربعہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

① تعزیر باخذ المال نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ صحیحہ اور اصول شرعیہ کے

خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین نے وفقہاء رحمہم اللہ تعالی نے منسوخ قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاوی ۵/۵۵٦)

''حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بعض احادیث کی بناء پر قائلِ جواز تھے؛ مگر جب ان احادیث کا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا تو جواز سے رجوع فرمالیا۔ وھذا فی کتبھم مذکور وفی مذھبھم مشھور. (ایضاًہ /۵٦۱)

مالی جرمانہ خواہ وہ گاؤں کی جماعت عائد کرے یا مدارس دینیہ کی انتظامیہ وصول کرے، جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## دینی اجلاس میں پنڈتوں کی شرکت

سوال: (۱) جلسۂ حفاظ کی دستار بندی میں پنڈتوں کو مدعو کرنا اور جلسہ گاہ میں ان کے آنے پر جب کہ ہمارے علمائے دین بھی موجود ہوں انھیں نظر انداز کر کے پنڈتوں کا استقبال اور ان کی خوب آو بھگت کرنا؛ نیز جلسہ گاہ کے قریب پنڈتوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر اہل علم کا تصویر کشی میں مصلحت دکھا کر خلاف شریعت امر کی تائید اور اس میں شرکت کرنا شرعا کیسا ہے؟

علمائے دین پیچھے تشریف فرما ہوں پنڈت لوگ آگے بیٹھے ہوں، اور جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیے بغیر شعر وشاعری اور جھوم جھوم کر گانے کے قواعد کی رعایت کرتے ہوئے گانے ہی کی طرز پر شرکیہ الفاظ پر مشتمل نظم سے اہل علم کی صدارت میں

کیا جائے اور وقتاً فوقتاً تصویر کشی بھی ہوتی ہے اور تالیاں بھی برابر بجائی جاتی رہیں، ایسے موقعہ پر برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کی جائے یا مصلحت دکھا کر خلاف شریعت امر کی تائید کرتے ہوئے اس میں شرکت کی جائے؟

علاوہ ازیں چند باتیں اور قابل استفسار ہیں:

① پنڈتوں اور سوامیوں کے ساتھ اہل علم کی گل پوشی و چادر پوشی کا کیا حکم ہے؟

② ایسے اجلاس کیا خالص مذہبی اداروں اور مساجد کے قریب میں منعقد کر سکتے ہیں؟

③ کیا ایسے اجلاس میں اسلام دشمن پنڈتوں کو بیان کرنے کا موقعہ دیا جا سکتا ہے؟

④ ان اجلاس میں پہلے سے شریک ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

⑤ ”لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ الحدیث کے پیش نظر حاضرین جلسہ کو مسئلہ بتلایا جائے یا انتشار کے اندیشہ سے خاموشی برتی جائے؟

⑥ جب ہم میں اور پنڈتوں میں عقائد و اعمال کا کافی فرق ہو تو ان سے محبت اور دوستی کا تعلق قائم کیا جائے یا ان سے دور رہا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے اسی نوع کے مختلف مواقع پر کیے گئے سوالات کے جواب میں جو اصولی باتیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمائی ہیں، کفایت المفتی سے پیش کی جاتی ہیں:

”کفایت المفتی“ میں ہے کسی ہندو پیشوا کی آمد پر بتقاضائے رواداری اس کے خیر مقدم میں شریک ہونا اور اس کے گلے میں ہار ڈالنا کفر نہیں، اگر ہندو مسلمانوں کے

مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے ہوں تو مسلمانوں کے لیے بھی مکافات کے طور پر ایسا کرنا مباح ہے، اس میں کوئی شعائر شرک وکفر کا احترام نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور تہذیب کا مقتضاء ہے۔(۳۲۹/۹)

ایک اور مقام پر ہے خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ ان کے مذہب کی پسندیدگی کے لحاظ سے دوستی اور محبت رکھنا حرام ہے، اور محض یکجائی سکونت اور ہم سائیگی کے طور پر یا تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے ملنا، بات چیت کرنا، انکے ساتھ بیع وشراء کرنا، ہدیہ دینا، ہدیہ قبول کرنا، یہ سب جائز اور مباح ہے۔(۳۳۱/۹)

ایک اور جگہ ہے ''ایک شرعی اصول ذکر کردیا جاتا ہے جس سے ان افعال کا شرعی حکم معلوم ہوجائے وہ یہ کہ شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو ایسے مجمع میں شریک ہونے اور بیٹھنے سے منع کیا ہے جہاں آیات اللہ (یعنی اسلامی احکام) کے ساتھ استہزاء یا توہین یا ان کی تکذیب کی جاتی ہو، قرآن پاک میں ہے: ﴿إذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھافلاتقعدوامعھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم﴾(النساء) مجمع خواہ کافروں کا ہو یا برائے نام مسلمانوں کا ...... ایسے افعال واعمال جو مشرکانہ ہوں، کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے، حدیث شریف میں ہے: من کثر سواد قوم فھو منھم۔(مزید لکھا ہے) اسلام نے دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی توہین کرنے اور ان کو برا کہنے سے منع کیا ہے''۔(۳۳۶،۳۳۵/۹)

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گذارنا اور تجارت، زراعت، صنعت اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات

میں واجب بھی ہو جاتا ہے، خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو۔ بہر حال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کے پابند رہیں، اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت محفوظ رہے، ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اس کا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہونگے۔ (۹/۳۳۶)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے مذہبی تیوہاروں میں سبیل لگانا یا پان وغیرہ تقسیم کرنا، اگر ان کے تیوہار کی تعظیم وتکریم کے لیے ہوتو یہ کفر ہے، اور قیام امن اور باہمی رواداری کی نیت سے ہو اور ان کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علیحدہ راستہ میں ہوتا ہو تو مباح ہے۔ اور اگر خاص موقع پر ہو تو مکروہ تحریمی یا حرام ہے، مگر کفر نہیں ہے۔ کفر تو اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھیں اور ان کے طرز عمل سے ان اعمال کی تصدیق وتحسین ہوتی ہو۔ (۹/۳۳۸،۳۳۹)

سورۂ انعام کی آیت شریفہ نمبر ۶۸ ﴿واذا رأیت الذین یخوضون فی آیتنا﴾ الخ کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، ان کی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلا دیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے، کہ ان کی مجلس میں بیٹھے نہ رہیں، وہاں سے اٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر ان کی مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، یا

اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آجائے اسی وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہیے، یاد آجانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے۔ دوسری ایک آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انھیں جیسے ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اصل منشا گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے، لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتدا کی جاتی ہے، ان کے لیے وہاں سے بہر حال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔ (معارف القرآن ۳/ ۳۷۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں: امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ”اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالی یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا شریعت اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں، اور اس کو بند کرنا یا کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے قبضہ واختیار میں نہ ہو، ہاں اگر ایسی مجلس میں بہ نیت اصلاح شریک ہوں اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کریں تو مضائقہ نہیں“۔ اور آخر آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، اس سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے

ظالم، بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا مطلقاً گناہ ہے، خواہ وہ اس وقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ ایسے لوگوں کو ایسی بے ہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے، وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اس میں مطلقاً ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کو منع فرمایا گیا ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ اس وقت بھی ظلم کرنے میں مشغول ہوں۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں بھی یہی مضمون واضح طور پر بیان ہوا ہے فرمایا ہے: ﴿ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار﴾ یعنی ظالم لوگوں کے ساتھ میل جول اور میلان نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ سے پالا پڑے گا۔

جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ان کی مجلس میں جانے کی مطلقا ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں، (یہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے) اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بدگوئی ہے، اس پر دوسری آیت اس کے بعد والی نازل ہوئی۔ ﴿ما علی الذین یتقون من حسابھم من شیئ ولکن ذکری لعلھم یتقون﴾ یعنی جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں وہ اگر اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان شریر لوگوں کے اعمال بد کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں، ہاں اتنی بات ان کے ذمہ ہے کہ حق بات ان کو پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آجائیں (۳/۲۷۲، ۳۷۳)

اب آپ کے سوال کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

حفاظ قرآن کی دستار بندی کا جلسہ خالص دینی جلسہ ہے، اس میں پنڈتوں کو مدعو

کرنا کسی حال میں مناسب نہیں، ہاں! اگر وہ قرآن اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے دلوں میں اس کا ادب واحترام اور عظمت رکھتے ہیں، جس کا اظہار اپنی زبانوں سے بھی موقعہ بموقعہ کرتے ہیں اور وہ خود ہی اپنی اس تمنا اور خواہش کا اظہار کرتے ہوں کہ قرآن پاک کے اس جلسہ میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دیا جائے، تو ایسی صورت میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

جلسہ گاہ میں ان پنڈتوں کی آمد پر ان کا استقبال اور خوب آؤ بھگت کرنا، تو اگر ان سے اسلام اور اہل اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا ہے، جس کی قدردانی کے طور پر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ علمائے دین کے ساتھ توہین کا معاملہ نہ کیا گیا ہو۔

رہا اہل علم کا ان پنڈتوں کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر تصویر کشی میں مصلحت دکھا کر شرکت کرنا تو یہ انتہائی مبغوض و مذموم عمل ہے۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ مصلحت کی بناء پر شرعی حکم کو چھوڑنا الحاد اور بے دینی ہے، ایسا کہنے والا فاسق ہے اور آیت قرآنیہ ﴿أفرأيت مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَه هوَاهُ وَأَضَلَّه الله عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِه وَقَلْبِه وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوة﴾ کا مصداق، ایسے باطل نظریہ اور الحاد سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۱۹۰)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی مصلحت ونفع کے لیے گناہ کرنا یا کسی فرض وواجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص دنیوی نفع کے لیے جھوٹ بولے، دھوکہ دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کردے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق وحرام ہے، اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لیے بھی کسی معصیت کا

ارتکاب حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے، اور ام المصالح ہے، اس پر سب مصالح کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص سنیما یا سود کے ذریعہ؛ اس لیے رقم کماتا ہے کہ اس سے دینی مدارس چلا سکے، یا اس نیت سے رقص کراتا ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر ان کو وعظ کہا جائے، ایسا کرنا بہت سخت گناہ اور نہایت خطرناک گمراہی ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۳۷)

مزید تحریر فرماتے ہیں: ''غرضیکہ کسی مصلحت کی خاطر معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں؛ البتہ شریعت میں بڑے محظور سے بچنے کے لیے چھوٹے محظور کو گوارہ کرلیا جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اس کو بچانا فرض ہے، حالاں کہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے اس کو اختیار کرلیا گیا، ایسی صورت میں ''اھون البلیتین'' یعنی ضرر عظیم کو دفع کرنے کے لیے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کرلیا گیا۔

اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اھون کون سی ہے ہر شخص کا کام نہیں، کیوں کہ بسا اوقات انسان اتباع ھوی، عصبیت یا حب مال وجاہ کی بناء پر غیر اھون کو اھون سمجھ لیتا ہے؛ اس لیے یہ فیصلہ صرف وہی کرسکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین وتقوی میں بھی اعلی مقام رکھتا ہو؛ بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔ ''اھون البلیتین'' کے کلیات شریعت نے بیان فرمادئے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ، ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا، پھر پیش آمدہ جزئیہ کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں؟ ان امور کے لیے علوم دینیہ میں مہارت تامہ، بہت اونچے درجہ کے تدبر وتفقہ اور تدین و

تصلب کی ضرورت ہے۔

اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور وخوض کے بعد یہ محقق ہو جائے کہ اسے "اھون البلیتین" قرار دے کر اختیار کیا جا سکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت سے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ اس کی واضح مثال تصویر کھینچوانا ہے، جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے، مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لیے تصویر کو لازم قرار دیا ہے، اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اس کی اجازت دی ہے مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اس کی حرمت تحریراً وتقریراً بیان کرنا چاہیے تھی، اس قدر نہیں ہوئی، بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے، کیوں کہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں، اخبارات وغیرہ میں ان کی تصویریں شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انھوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا، اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں"۔ (۶/۴۱-۴۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ تصویر کھنچوانا باجماع امت حرام ہے۔ عوام کے مقابلہ میں کسی عالم یا مفتی کا تصویر کھنچوانا کئی وجوہ سے زیادہ شنیع اور قبیح ہے۔

(۱) اہل علم وفہم اور مقربین پر گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

(۲) علماء کی معصیت سے عوام معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

(۳) علماء کی مداہنت سے عوام اس گناہ کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ (احسن الفتاوی ۸/۱۹۱)

آگے ایک اور جگہ مزید تحریر فرماتے ہیں ''بعض حضرات ایسی جگہ جہاں تصویر لی جارہی ہو شریک ہو جاتے ہیں اور تصویر سے بچنے کے لیے منہ پر کپڑا رکھ لیتے ہیں، گناہ سے بچنے کے لیے اتنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا واجب ہے، خواہ یہ دینی اجتماع ہی ہو، بالخصوص یہ شخص مقتدا ہو تو اس کا بیٹھنا اور بھی سخت اور دوہرا گناہ ہے، ایک اپنی برائی کا اور دوسرا عوام کو گناہوں پر جری کرنے کا۔ (احسن الفتاوی ۸/۴۳۸-۴۳۹)

باقی قابل استفسار امور کا جواب پیش خدمت ہے:

(۱) اوپر اس کا جواب آچکا۔

(۲) حفاظ کی دستار بندی کا اجلاس مسجد کے اندر بھی منعقد کیا جاسکتا ہے۔

(۳) جن کی اسلام دشمنی کھلی ہوئی ہو ان کو مذہبی اجلاس میں بیان کا موقعہ دینا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔

(۴) جواب اوپر آچکا۔ (۵) جواب اوپر آچکا۔

(۶) اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ دو شخصوں یا جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی مودت ومحبت ہے، یہ صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مؤمن کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے، جس کے معنی ہیں ہمدردی وخیر خواہی اور نفع رسانی کے، یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ

کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو الخ (ملخصاً از معارف القرآن ۲/ ۵۰-۵۱)

املاہ: العبد احمد خانپوری ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کسی کتاب کا بعض حصہ حذف کر کے یا نام بدل کر شائع کرنا

سوال: ایک اکیڈمی کے پروگراموں میں سے ایک پروگرام علماء حق کی تعلیمات پر مشتمل کتب، رسائل ومضامین کی اشاعت ہے۔ اکیڈمی کی مطبوعات میں سے حجاج کرام کے لیے حضرت مولانا...... کے تیار کردہ کتابچے:

HOW TO PERFORM HAJJ

HOW TO PERFORM UMRAH,

HOW TO PERFORM ZIYAARAH

بھی ہیں، ابھی ایک ادارہ نے اس مجموعہ کو اپنی طرف سے شائع کیا ہے، جس پر ہمیں کوئی اشکال نہیں، البتہ چند امور ہمارے لیے قابلِ تشویش ہیں:

(۱) کتاب کا اصل نام تھا: (HOW TO PERFORM HAJJ)

اس کو بدل کر نیا نام تجویز کیا گیا:

(YOUR COMPLETE GUIDE TO HAJJ AND ZIYAARAH)

(۲) مصنف، مؤلف کا پوری کتاب میں کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے۔

③ مصنف کا پیشِ لفظ اور ایک مفتی صاحب اور ایک بڑے بزرگ عالم کی تقریظ کو بھی حذف کر دیا گیا ہے، مصالحت اور مفاہمت کی کوشش کی گئی؛ لیکن چھپوانے والے صاحب مصر ہیں کہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ:

① مذکورہ بالا عمل کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ عمل صحیح ہے یا غلط؟

② کیا یہ عمل علمی دیانت داری کے خلاف ہے؟ اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو علمی اور تصنیفی میدانوں میں جو مفاسد اور خرابیاں ہو سکتی ہیں ان پر روشنی ڈالیں۔

③ علماء اور قوم کے ذمہ داروں کو کیا کرنا چاہیے؟

④ مصنف اور ناشر کو اس صورتِ حال میں کون سے حفاظتی اقدامات کرنے چاہیے؟ اور مستقبل کے لیے کونسی تدبیریں اختیار کرنی چاہیے؟

نوٹ: مسئلۂ تنازع یہ نہیں ہے کہ کتاب کیوں چھپوائی، مطالبہ صرف مذکورہ تین امور کا ہے، مذکورہ بالا مسئلہ کا مدلل اور کافی وافی جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی اور مدد فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ حق کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کسی مصنف کی کسی کتاب کو جب کوئی ادارہ اس مصنف اور کتاب کے اصلی نام سے اس کی اصلی حالت میں مصنف کی اجازت سے شائع کرتا ہے تو اس کے اس عمل سے کتاب اور مصنف کے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نہیں، اور کتاب و مصنف سے متعلق شائع کرنے والے ادارہ نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے، یا اخلاقی یا قانونی تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا ہے، ایسا نہیں کہا جا سکتا؛ البتہ اگر مصنف نے کتاب کے حقِ

اشاعت کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے تو اس صورت میں اس کی اجازت کے بغیر کتاب کی اشاعت کا مسئلہ ہمارے اکابر کے درمیان مختلف فیہ ہے، بعض اکابر اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں، جو حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں ان کے مسلک اور فتوی کے اعتبار سے مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب کی اشاعت جائز و درست نہیں۔ اور اگر مصنف نے اپنی کتاب کے حقوق اپنے لیے محفوظ و مخصوص نہیں رکھے، تو اس صورت میں دوسروں کا اس کتاب کو شروع جواب میں بتلائے گئے طریقہ کے مطابق شائع کرنا درست ہے، اور اگر شائع کرنے والے نے اصل کتاب میں ایسا تصرف کیا جس سے اصل مضمون خبط ہو جائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہو جائے یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے، اور اس ترمیم شدہ چیز کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء اور خداع ہے، اس کی اجازت نہیں یہ شرعاً بھی ناجائز ہے، اور اخلاقاً اور عرفاً بھی مذموم و شنیع ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۸۷)

اور اگر کتاب کو اس کی اصلی شکل میں شائع کیا گیا، اور مصنف کی طرف اس کی نسبت بھی کی گئی؛ لیکن اس (کتاب) کے نام کو بدل دیا گیا تو اگر نام کی یہ تبدیلی مصنف کی اجازت سے کی گئی ہے تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مصنف کی اجازت لیے بغیر نام تبدیل کیا گیا اور نام تبدیل کرنے کی کوئی معقول وجہ ہے۔ مثلاً پہلے نام کے مقابلہ میں دوسرا نام کتاب میں شامل مضامین کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے اور اس چیز کی شائع کرنے والے کی طرف سے وضاحت بھی کردی گئی ہے تب بھی اس کو اخلاقی یا قانونی جرم یا علمی بددیانتی پر محمول نہیں کیا جائے گا، اور اگر نام بھی بدل دیا گیا اور مصنف کا نام بھی حذف کردیا گیا تو چوں کہ یہ طریقِ کار عام دستور کے مطابق یہ

تأثر دیتا ہے کہ یہ کتاب شائع کرنے والے ادارہ نے اپنی مساعی اور مصارف سے تیار کرواکر لوگوں کے فائدہ کے لیے شائع کی ہے، اور جیسا کہ ظاہر ہے اس میں ایک طرح کا خِداع اور علمی بد دیانتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بھی ہو بہ ہو یہی نوعیت ہے۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) ان کا یہ عمل جیسا کہ اوپر تفصیلاً معلوم ہوا درست نہیں۔

(۲) یقیناً یہ عمل علمی دیانتداری کے صریح خلاف ہے، اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو اس سے جو مفاسد وجود میں آسکتے ہیں ان کا اس وقت اندازہ لگانا مشکل ہے، ہاں! اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقِ کار بہت سارے مفاسد کو جنم دینے والا ہے۔

(۳) علماء اور قوم کو اس طریقِ کار کی برائی کا برملا اظہار کرنا چاہیے اور ذمہ دارانِ ادارہ سے گفتگو کر کے ان کو اس سے باز رکھنے کی مقدور بھر سعی کرنا بھی مناسب ہے۔

(۴) ناشر اور مصنف کون سے حفاظتی اقدامات کرنا چاہتے ہیں اس کی تفصیل معلوم ہونے پر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

## نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیم

سوال: (۱) آج کے اس دور میں جہاں لڑکیاں برائے نام کپڑے پہن کر اور اپنے تن کی نمائش کرتے ہوئے گھومتی ہیں، اس صورت میں اپنی نظر کی حفاظت کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، اپنے آپ کو برائی سے اور بد نظری سے بچانے کی کیا صورت ہے

اور کیا طریقہ ودعا ہے؟

② اس صورت حال میں جب شہوانیت حد سے زیادہ پریشان کر رہی ہو تو نفس پرستی، گندی ذہنیت وسوچ اور اس شہوانیت سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ اور دعا ہے؟ اگر ایسی حالت میں مشت زنی کی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟

③ زنا اور اس سے منسلک دیگر برائیوں سے بچنے کا واحد حل شادی (نکاح) ہے؛ پر (لیکن) ۲۲، ۲۳ سال کی عمر میں شادی اور دوران تعلیم شادی کرنا یہ سب کے بس کی بات نہ ہونے کے ساتھ ساتھ آسان بھی نہیں ہے اور ایسا کرنا خود لڑکے کے لیے بہت مصیبتوں کو بلاوا دینے کے مساوی ہے، جیسے تعلیم کو بخوبی مکمل کرنا، بیوی کی کفالت کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس صورتِ حال میں بد نظری، مشت زنی، شہوانیت، نفسانیت، زنا اور شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ ودعا ہے؟

④ کل ملا کر آج کے اس ماحول میں اور آنے والے ہر ماحول میں جو اس سے بھی بدتر ہوگا کیسے بچا جا سکتا ہے؟ اور مندرجہ بالا تمام برائیوں اور خرابیوں نیز شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، دعا اور طریقہ ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك ازكىٰ لهم ان الله خبير بما يصنعون﴾ (النور: ۳۰)

"یغضوا" غض سے مشتق ہے، جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے

ہیں۔(راغب)

نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔(ابن کثیر)

ابن حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس میں غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہۃً داخل ہے، اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے۔(مواضع ضرورت جیسے علاج ومعالجہ وغیرہ اس سے مستثنی ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر میں جھانکنا، اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔" ویحفظوا فروجھم" شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز وحرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز وحرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتداء اور انتہاء کو تصریحاً بیان فرما دیا، باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے، ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا ان کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سننا، ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے، ابن کثیر نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: کل ما عصی اللہ بہ فھو کبیر وقد ذکر الطرفین یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں؛ لیکن آیت میں ان کے دو طرف ابتداء وانتہاء

کو ذکر کر دیا گیا۔ ابتداء نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتہاء زنا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں میں سے ہے، جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی نظر اس کی طرف سے پھیر لو۔ (ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری گناہ ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پہلی نظر جو بلا ارادہ اچانک پڑ جائے وہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معاف ہے، اور بالقصد پہلی نظر بھی معاف نہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۳۸۶، ۳۸۷)

(۲) اپنی شرم گاہ کی حفاظت کا اصل طریقہ وہی ہے جو قرآن اور حدیث میں بتلایا گیا یعنی آدمی اپنی نگاہ کی حفاظت کرے، جب نگاہ کی حفاظت کرے گا تو دل وساوس سے محفوظ رہے گا، اور جب دل محفوظ رہے گا تو شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوگی، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ مدد بھی چاہتا رہے۔ اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنا حرام اور موجب وبال ہے، اور اس پر تعزیر لازم ہے۔ قرآن پاک کی آیت ﴿فمن ابتغى وراء ذلك أُولٰئِكَ هم العٰدون﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے اس فعل بد (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کی حرمت کی تصریح کی ہے؛ لیکن اگر کسی نوجوان پر شہوت کا غلبہ ہو کہ شدت شہوت کی وجہ سے اس کا ذہن اس قدر متوحش ہو کہ کسی طرح

اس کو سکون وقرار حاصل نہ ہو، اور اس کے پاس تسکینِ شہوت کا کوئی حلال ذریعہ بھی موجود نہ ہو، ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ بطور علاج اس عمل کے ذریعہ شہوت کی تسکین کر لے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے توقع کی جاتی ہے کہ اس پر وبال نہ ہوگا یہ فقیہ ابو اللیث کا قول ہے۔

درمختار میں ہے: فی الجوھر: الاستمناء حرام وفیه التعزیر (درمختار)

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قوله الاستمناء حرام ای بالکف اذا کان لاستجلاب الشهوة، اما اذا غلبت الشهوة ولیس له زوجة، ولا امة، ففعل ذلك لتسكينها فالرجاء انه لا وبال علیه، کما قاله ابو اللیث (شامی کتاب الحدود)

اس کی مثال ایسی ہے کہ رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے؛ لیکن اگر کوئی مظلوم دفعِ ظلم کے خاطر رشوت دینے پر مجبور ہو جائے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس مظلوم پر مواخذہ نہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹/ ۱۶۵)

لیکن یاد رہے کہ استمناء بالید کا جب ایک مرتبہ تجربہ کر لیا تو پھر یہ عادت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور اس کے نتیجہ میں ایسا آدمی شہوت کا ذبہ کا شکار ہو کر ہمیشہ اس شنیع حرکت کا ارتکاب کر کے اپنی دنیا وعاقبت برباد کر لیتا ہے؛ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ اس دروازے کو کھولا نہ جائے۔

(۳) (۴) دورِ حاضر کی جدید تہذیب نے انسانی ضرورتوں کا دائرہ اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے آدمی صبح سے شام تک کولھو کے بیل کی طرح کمائی کے واسطے مزدوری کرتا رہتا ہے، (چاہے تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت وغیرہ) پھر بھی اس کی

ضرورتیں پوری ہونے کا نام نہیں لیتی، یہ دراصل نتیجہ ہے اس چھوٹے معیار زندگی کا جو آج کل پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ طبقہ کے دل ودماغ پر سوار ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے سلسلہ میں اس طرح کا غلو اور افراط جس میں آج کا انسان مبتلا ہے، شریعت کی نگاہوں میں درست نہیں، اور ایسے ہی معیار زندگی کو پانے کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی جاتی ہیں اور اسی تعلیم کے حصول میں عمر کا ایک بڑا حصہ لگایا جاتا ہے، اور جب تک آدمی یہ سب کچھ کرکے اپنا معیار زندگی اعلیٰ نہ بنالے وہاں تک نکاح اور شادی کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ سب اسلامی تعلیمات سے میل کھانے والی چیز نہیں؛ بہر حال اپنی شہوانی تقاضوں کی شدت کے نتیجہ میں یا تو آدمی نکاح شادی کرکے اپنی ضرورت پوری کرے، یا پھر شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ نگاہ کی حفاظت، روزوں کا اہتمام؛ نیز فحاشی عریانی اور بے حیائی والے شہوت کو برانگیختہ کرنے والے ماحول سے اپنے آپ کو دور رکھے، اور اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کا اہتمام اور ہر معاملہ میں سنت وشریعت کا اتباع لازم پکڑے، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں جو ہدایات تفصیل سے دی گئی ہیں، اور علماء اور صلحاءِ امت نے اپنی کتابوں میں قرآن وحدیث کے ان نصوص کی جو تفصیل وتشریح کی ہے اس کا مطالعہ کثرت سے کرے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہوکر روز قیامت اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس چیز کو ہر وقت مدنظر رکھ کر اللہ سے ڈر کر اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچائے ﴿فاما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي المأوىٰ﴾ اس سلسلہ میں مختلف کتابیں اور

رسائل مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے، ہمارا ایک رسالہ "نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت" آپ کی خدمت میں بذریعۂ ڈاک بھیجا جا رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰ / رمضان ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## بھینس کے بچہ کو دودھ سے روکا اور مر گیا تو گنہ گار ہوگا

سوال: اصطبل میں جو بھینس بچہ جنتی ہے اس کو پورا دودھ نہیں پلایا جاتا (کہ جس سے اس کی زندگی باقی رہے) بلکہ بچہ کو دودھ پینے کے لیے چھوڑا جاتا ہے، اور جب بھینس کے تھن میں دودھ اتر آتا ہے تو فوراً بچہ کو تھن سے ہٹایا جاتا ہے، اور بچہ کو دودھ کا پورا خوراک نہ ملنے کی وجہ سے مر جاتا ہے، تو کیا اس صورت میں مالکِ اصطبل گنہگار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بچہ کی خوراک کے لیے دوسری کوئی چیز بھی تجویز نہیں کرتا ہے، یا کرتا ہے؛ لیکن بچہ بغیر دودھ کے زندہ نہیں رہ سکتا ہے، تو دونوں صورتوں میں مالک گنہ گار ہوگا۔

ویومر اما بالبیع اما بالانفاق علی بهائمه دیانة لاقضاء علی ظاهر المذهب للنهی عن تعذیب الحیوان واضاعة المال، وعن الثانی یجبر، ورجحه الطحاوی والکمال وبه قالت الائمة الثلاثة.

(درمختار علی هامش الشامی۲/۷۴۸)

ویستحب ان لا یاخذ لبنها الا ما فضل من ولدها مادام لا یاکل غیره (عالمگیری:۱/۵۷۳)

''بہشتی زیور'' میں حیوانات کے حقوق کے ذیل میں ہے: ''جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے کھانے پینے وراحت رسانی وخدمت کا پورے طور پر اہتمام کرے، ان کی قوت سے زیادہ ان سے کام نہ لے، ان کو حد سے زیادہ نہ مارے''۔

(بہشتی زیور اختری ۴/ ۴۷)

عن عمروابي هريرة قالا: قال رسول الله ﷺ: عذبت امرأة في هرة امسكتها حتى ماتت من الجوع فلم تكن تطعمها ولا ترسلها فتاكل من خشاش الارض۔ متفق عليه۔(مشکوٰۃ شریف:۱٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## رات کو جھاڑو دینا

سوال: رات کے وقت گھر کے اندر سے جھاڑو نکالنا کیسا ہے؟ اور یہاں پر لوگ کہتے ہیں کہ گناہ ہے اور روزی کم ہو جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ماں باپ کے گناہ کا وبال اولاد پر

سوال: ماں، باپ اپنی زندگی میں جو گناہ کبیرہ کرتے ہو، تو کیا اس گناہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد پر ڈالتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ماں، باپ کے گناہ کا وبال اولاد پر نہیں آتا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ (اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ''اشارہ بالید'' کے ذریعہ غیبت

سوال: زید اور عمر ایک ساتھ بیٹھتے تھے، اور ان کے پڑوس میں بکر جو بیٹھ کر سو رہا تھا اور جھوم رہا تھا، زید نے بکر کی طرف اشارہ کیا اور عمر کو بتلایا تو کیا زید کا بکر کے جھومنے کی جانب اشارہ کرنا (فقط اشارہ) یہ غیبت باشارۃ الید میں داخل ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ مشکوۃ شریف جلد دوم ۴۱۴ پر ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ذکر کر کے اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ چھوٹی قد والی ٹھنگنی ہے، زبان سے کچھ نہیں کہا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح اشارہ کرنے کی مذمت فرمائی۔

اور حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس حدیث کو اشارہ کے ذریعہ غیبت کرنا کے عنوان دے کر لکھا ہے۔ (اصلاحی خطبات حصہ ۴)

زید کہتا ہے کہ اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہے جو مشار الیہ کی صفت ظاہر کرے، دلیل اس پر دیتا ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: قلت: الظاهر من تكرار كذا تعدد نعتها (۱۵۷/۹) اس سے یہی معنیٰ مفہوم ہے، اور مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت نہیں ہے۔

اور بکر کہتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت میں داخل ہے، اور اس پر دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ حکیم اختر صاحب نے ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' میں حصہ ۱/۱۵۶ میں تنبیہ نمبر (۱) میں غیبت کے معنی کئے ہیں کہ: ''کسی کا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جو اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کیا جائے یا رمز و کنایہ سے، یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارہ سے یا نقل اتاری جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہیں''۔

اس میں محل استدلال ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا، اس سے ہر قسم کے اشارہ کا غیبت میں داخل ہونا سمجھ میں آتا ہے، اس لیے مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید بھی غیبت میں داخل ہوگا۔

کیا مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت ہے یا نہیں؟ اور اشارہ سے مراد کونسا اشارہ ہے؟ بينوا توجروا

**الجواب**: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر اس اشارہ کے ذریعہ زید کا مقصود بکر کی تنقیص تھی تو یہ غیبت ہی شمار ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''ذكرك أخاك بما يكره'' (الحدیث) کی شرح میں ذکر فرماتے ہیں:

''وذكرك فيه بما يكرهه عام؛ سواء كان في بدنه أو دينه أو دنياه أو نفسه أو خلقه أو ماله أو ولده أو والده أو زوجه أو خادمه أو ثوبه أو مشيه و حركته و بشاشته و عبوسته و طلاقته أو غير ذلك مما يتعلق به سواء ذكرته بلفظك أو كتابك أو رمزت أو أشرت إليه بعينك أو يدك أو رأسك و نحو ذلك. و ضابطه: أن كل ما افهمت به غيرك

نقصان مسلم فهو غيبة محرمة ومن ذلك المحاكاة بأن يمشى متعارجاً أو مطاطئاً أو على غير ذلك من الهيئات مريدا حكاية هيئة من ينقصه بذٰلك. (مرقات:۹/۱٤۳)

درمختار میں ہے: وكما تكون الغيبة باللسان صريحا تكون أيضاً بالفعل وبالتعريض وبالكتابة وبالحركة وبالرمز وبغمز العين والإشارة باليد، وكل ما يفهم منه المقصود الخ (در على هامش الشامي ۵/۲۹۰)

لو ذكر مساوى أخيه على وجه الاهتمام لا يكون غيبة، إنما الغيبة ان يذكر على وجه الغضب يريد السب (ایضاہ/۲۸۹)

اشارہ سے ہر وہ اشارہ مراد ہے جو بغرض تنقیص مسلم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# بدھ کے دن کام شروع کرنے کی اصل

سوال: بدھ کے دن کام شروع کرنا مبارک ہے یہ قول کس حد تک صحیح ہے؟ جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے اسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا ہے؛ مگر اجل علماء کا اپنا معمول ہے کہ اسباق کی بسم اللہ بدھ کے روز کرتے ہیں کہ اس روز اللہ تبارک وتعالیٰ نے نور کی تخلیق فرمائی ہے، دنیاوی امور جو نورانیت سے تعلق نہ رکھتے ہوں اس کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاتی ہے۔ (ما بدئ بشئ يوم الأربعاء إلا تم) اس کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد حسنہ ۳۶۲ میں بے بنیاد بتلایا ہے، مولانا

عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوائد البہیہ میں صفحہ ۱۴۳ پر صاحب ہدایہ کے حالات کے ذیل میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، الحاصل ان الفاظ سے روایت ثابت نہیں ہے، اس پر محدثین کی ایک جماعت متفق ہے، اس لیے اس حکم کو حدیث کی طرف منسوب کئے بغیر معمول مشائخ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی آدمی عمل میں لاوے تو گنجائش ہے، اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بکرے کا چمڑا حلال ہے

**سوال**: کیا بکرے کا چمڑا حلال ہے جو پائے کی شکل میں کھایا جا سکتا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## فلمی اداکاروں کے ذریعہ چندہ وصول کرنا

**سوال**: یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ فلموں میں کام کرنے والے مرد وعورت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے احکامات سے باغی ہو کر مخلوق خداوندی خصوصاً مذہب اسلام کے پیروؤں کو نہ صرف گناہ کی دعوت دیتے ہیں؛ بلکہ مذہب اور اسلام سے بغاوت پر اکساتے ہیں، ان کے کام ہی یہ ہیں کہ لوگوں کو مذہب سے آزاد کر دیں، اس طرح وہ ایکٹنگ کر کے فلموں کے ذریعہ اپنا نام بناتے ہیں اور دولت کماتے ہیں

اور پوری زندگی اس طرح گذارتے ہیں، بعض لوگ اپنے دنیوی مفادات کے لیے اور غریبوں کی امداد یا ہسپتال وغیرہ کاموں میں امداد وصول کرنے کے لیے انہیں استعمال کرکے ان کے اس نام سے جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغاوت پر مشہور ہوا ہے ان کے ذریعہ چندہ وصول کرتے ہیں، مسلمانوں میں خصوصاً برطانیہ میں اس کا بالکل رواج نہیں ہے کہ مسلمان کسی فلم ایکٹر کے ذریعہ غرباء یا اپنی امداد کے لیے ان کے ذریعہ چندہ وصول کریں، ایسا ہی ایک چندہ ہندوستان کے گجرات سے ہسپتال کے لیے بذریعۂ دلیپ کمار اور اس کی بیوی سائرہ بانو جو دونوں فلم ایکٹرس ہیں، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی پر صرف کردی ہے، وہ آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں، یہاں کے مسلمان اپنے طور پر انہیں ایسا کرنے کے بجائے اسلامی طریقہ پر چندہ وصول کرنے کا سمجھا رہے ہیں؛ مگر ہمیں خدشہ ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ہماری نوجوان نسل ”جن کے لیے پہلے ہی یہاں کے مسلمان پریشان ہیں“ اور دینی لائن سے تبلیغ اور دار العلوم ومدارس ومکاتیب اور اسلامی لٹریچر کے ذریعہ یہاں کے علماء کرام اور مساجد کمیٹیوں کے ذمہ داران ووالدین ان کی دینی تربیت کے لیے کوشاں ہیں، ایسے میں یہ مسلم ہسپتال والے مسلم کمیونیٹی ورکرز ان ایکٹروں کے ذریعہ ہمارے یہاں چندہ کے لیے آتے ہیں، تو کل ہماری یہ نوجوان نسل بھی یہ راہ اپنائے گی اور کمیونیٹی ہال وغیرہ کے لیے فلم ایکٹروں کے ذریعہ چندہ وصول کرے تو کوئی روک نہیں سکے گا؛ بلکہ یہ آنے والے انہیں آئندہ کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے کا سبق پڑھا کر جائیں گے جس سے یہاں کا جو دینی ماحول ہے اس میں بہت خرابی پیدا ہوگی، اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے بغاوت پر اترنا ان کے لیے آسان ہوگا کہ یہ لوگ انہیں دیکھنے ٹاؤن

ہالوں اور ہوٹلوں کا یا جائے چندہ کا رُخ کریں گے، اس لیے آپ سے استدعا ہے کہ اس طرح چندہ کرنے والوں اور چندہ دینے والوں کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی جگہوں پر انہیں دیکھنے یا ملنے جائیں ان کا کیا حکم ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، اللہ جزائے خیر عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جو صاحب سوال میں مذکور فلمی اداکاروں کو ساتھ لے کر برطانیہ چندہ کرنے کے لیے آنا چاہتے ہیں، خود ان کی طرف سے اپنے اس ارادہ کے اظہار کے ساتھ ایک استفتاء ہمارے پاس آیا تھا جس کا تفصیلی جواب ان کو دیا جا چکا ہے، اور وہ سوال وجواب گجراتی ماہنامہ ''الاصلاح'' کے ماہ شوال ۱۴۲۱ھ مطابق جنوری ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، اس میں ملاحظہ فرمائیں، اس سوال وجواب کی ایک نقل ہمرشتہ ہے، آخری زمانہ میں جو فتنے پیدا ہونے والے ہیں اور امت مسلمہ جن خرابیوں میں مبتلا ہونے والی ہے جس کی پیشین گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاک ارشادات میں فرمادی ہے، وہ ساری باتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول الله ﷺ: إذا فعلت أمتي خمس عشر خصلة حل بها البلاء، قيل: وما هي يا رسول الله؟ قال: إذا كان المغنم دولاً، والأمانة مغنماً، والزكوة مغرماً، وأطاع الرجل زوجته، وعق أمه، وبر صديقه، وجفا أباه، وارتفعت الأصوات في المساجد، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره، وشربت الخمور، ولبس الحرير، واتخذت القينات، والمعازف، ولعن اٰخرُ هٰذِه

الأمةِ أوَّلها، فلیرتقبوا عند ذلك ریحا حمراء أو خسفا أو مسخا.

(رواہ الترمذی ۲/۳۵،۳۴)

آ گے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس طرح کی ایک روایت میں ”ظهرت القينات والمعازف“ کے الفاظ ہیں، اوپر کے دونوں ارشادات مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ جب وہ فلاں فلاں کام کرنے لگے گی تو اس پر سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسا دیئے جانے اور شکلوں اور صورتوں کے بگاڑ دیے جانے کی صورت میں اللہ تعالی کا عذاب آئے گا، ان کاموں میں یہ بھی شمار کرایا گیا ہے کہ گانے والی عورتوں اور مردوں کا ظہور اور ان کا دور دورہ ہوگا، آپ نے اپنے سوال میں جس اندیشہ کا ذکر کیا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی پاک ارشاد کی صداقت کا بولتا ہوا ثبوت ہے، آج ان برائیوں کو اتنا ہی نہیں کہ برا نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ ان کو اچھا اور قابل فخر سمجھا جا رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی پیشین گوئی فرمادی ہے: ”الاعتدال فی مراتب الرجال“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جمع الفوائد کے حوالہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے جو حسب ذیل ہے:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور

بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری باتوں کا حکم کرنے لگو گے اور اچھے کاموں سے منع کرو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کو برا سمجھنے لگو گے اور ناجائز کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) (الاعتدال: ۱۴۵)

بہر حال جو لوگ ان فلمی اداکاروں کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کو اپنی اداکاری کی وجہ سے جو شہرت حاصل ہے اس شہرت سے فائدہ اٹھا کر چندہ وصول کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہ اقدام قرآن اور حدیث کی روشنی میں صریح ناجائز ہے، ایسے ٹاؤن ہال یا ہوٹل میں جانا (جہاں یہ اداکار قیام پذیر ہوں) تاکہ ان کو دیکھا جائے ان کے اس پروگرام میں شرکت کی جائے شرعاً درست نہیں، یہ تمام باتیں دین اور ایمان کے لیے سم قاتل ہیں، مسلم معاشرہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ ایسے پروگراموں کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور لوگوں کو اس سے باز رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

## مومن کو گالی دینا

(سوال): جناب عالی! گذارش خدمت ہے کہ مسئولان (محمد حسن و محمد شفیق) سائل (خادم حسین) کے حقیقی بھتیجے ہیں، اور اراضی ملکیتی و مقبوضہ سائل سے زبردستی

عداوت رکھتے ہیں، مورخہ: ۱۹۹۷/۱۰/۲۵ بوقتِ پانچ بجے کا واقعہ ہے کہ مسئولان نے سائل کو ناجائز کلامی اور ناجائز فاحش گالیاں اس طور دیں کہ آپ کی ماں، دادی اور بہن کو زبردستی زنا کروں، جب کہ سائل کی ماں مسئولان کی دادی ہے، اور سائل کی دادی مسئولان کی پردادی ہے، اور سائل کی بہن مسئولان کی پھوپھی ہے، اور مسئولان نے کہا کہ آپ کی ڈاڑھی پر پیشاب کردوں جب کہ رشتہ کے لحاظ مسئولان سائل کے فرزند ہیں، اور مسئولان کا والد مسمی قمرالدین نے بھی سائل کو ماں بہن کی گالیاں دیں؛ لہٰذا عرض یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مطابقِ شرعِ محمدی مسئولان کے خلاف فتویٰ جاری فرمایا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں ہے ”سباب المؤمن فسوق“یعنی کسی مومن کو گالی دینا فسق ہے، جب کسی عام مؤمن کے ساتھ یہ سلوک فسق ہے تو اپنے عزیز، قریب کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا نہایت گھناؤنا فعل ہے، قطع رحمی کی ایک صورت ہے، جس پر احادیث میں بہت زیادہ وعیدیں آئی ہیں، مسئولان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت پر ندامت کا اظہار فرما کر آئندہ نہ کرنے کا عزم جازم کریں، اور سائل سے معافی کے طلب گار ہوں، ورنہ آخرت کی جواب دہی بڑی دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

## نائی کو خلیفہ کہنا

سوال: نائی یعنی حجام کو خلیفہ کہہ کر پکارتے ہیں کیا یہ گناہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## قصاب کو قریشی کہنا

سوال: قصاب اپنے کو قریشی کہتے ہیں کیا ان کو قریشی کہنا گناہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## زلزلہ کے وقت کونسا عمل کرے؟

سوال: جب زلزلہ آئے تو کونسا عمل مسنون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارے میں کوئی عمل یا قول موجود ہو تو ذکر فرمائیں۔ نیز زلزلہ کے وقت اذان یا تکبیر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر تکبیر کہی جا سکتی ہے تو اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ناگہانی آفت و مصائب کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل رجوع اور انابت الی اللہ کا رہا ہے، آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے گناہوں کی معافی اور اللہ کے عذاب سے حفاظت کا سوال کرتا رہے، نماز میں مشغول ہو جانا (بہ شرطے کہ

وقت مکروہ نہ ہو) انابت کا ایک طریقہ ہے۔ اس وقت اذان دینا شریعت میں ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

## زلزلہ کے رحمت ہونے کا مطلب

سوال: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قول منقول ہے، ان سے زلزلہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ: کیا زلزلہ عذاب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: کافروں کے لیے عذاب ہے اور مؤمن کے حق میں رحمت، مؤمن کے لیے کس طرح رحمت ہے جب کہ جان و مال کے اعتبار سے ظاہری طور پر مؤمن اور کافر زلزلہ سے دونوں متاثر ہوتے ہیں؟ توضیح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مؤمن کے لیے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ، اگر اس کی وجہ سے دب کر موت واقع ہوئی تو شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، اور اگر موت نہ بھی ہوئی تو ہونے والا ہر جانی مالی نقصان مومن کے حق میں حطِ سیئات اور رفعِ درجات کا ذریعہ بنتا ہے، یہی مطلب ہے رحمت ہونے کا، جب کہ کافر کو یہ بات حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## مسلم کمیونٹی ہال کے لیے گورنمنٹ کی امداد

سوال: (۱) ہماری مسجد کے سامنے مسجد ہی کی موقوفہ زمین ہے جو فی الحال کار

پارک کے طور پر استعمال ہوتی ہے نیچے کا حصہ تو آئندہ بھی کار پارک کے طور پر ہی استعمال ہوگا اس زمین پر مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر کے لیے گورنمنٹ گرانٹ کا وصول ممکن ہے گورنمنٹ گرانٹ جائز وناجائز حلال وحرام ذرائع سے مسلموں وغیر مسلموں سے حاصل کردہ آمدنی پر مشتمل ہوتی ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی گورنمنٹ گرانٹ سے مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ زمین پر کار پارک کے لیے گورنمنٹ گرانٹ سے حاصل کردہ رقم سے احاطے کے لیے فینس (جالی) لگائی گئی ہے گورنمنٹ گرانٹ کا استعمال اگر ناجائز ہو تو اس فینس (جالی) کو کیا کیا جائے اس کا شرعی حل کیا ہے؟ امید ہے کہ بہ حوالہ کتب فقہ تشفی بخش جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں گے۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) گورنمنٹ امداد کے طور پر جو رقم دیتی ہے اس میں اگر حلال کی مقدار غالب ہے تو اس کا استعمال مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر میں درست ہے۔

ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به؛ لأن أموال الناس لاتخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب. (فتاویٰ عالمگیری ۳۴۲/۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# مچھر کے لیے الیکٹرک جالی کا استعمال اور اس کی تجارت

سوال: (۱) کھانے پینے کی چیزیں بنانے والی فیکٹریوں میں اور اس کے علاوہ ہوٹلوں میں مکھی اور حشرات کو مارنے کے لیے ایک ایسی بتی رکھتے ہیں کہ جس کو دیکھ کر مکھی مچھر وغیرہ اس کے پاس آتے ہیں تو بتی کے چاروں طرف جو الیکٹرک (بجلی) تار ہوتا ہے اس سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں تو کیا مکھیوں سے کھانے کی چیزوں کو بچانے کے لیے ایسا آلہ استعمال کرنا جائز ہے؟ اور کیا یہ کسی مخلوق کو آگ سے جلانے میں داخل ہوگا؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ایسے آلہ کی تجارت کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) اس آلہ کا استعمال جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴؍۲۴۶)

(۲) جب استعمال جائز ہے تو اس کی تجارت بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۴؍ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# گھر میں ٹی وی لانے پر قطع تعلق

سوال: ایک گھرانے میں چند بھائیوں میں سے ایک بھائی ٹی وی لے آیا اس پر ایک بہن نے اعتراض کیا کہ یہ ایمان بگاڑنے والی چیز گھر میں نہیں چاہیے اور قطع تعلق کر لیا اور دوسرے بھائی بہنوں کو بھی اس پر ابھارا انھوں نے بھی قطع تعلق کیا ماں نے بھی سختی سے منع کیا کہ ٹی وی نہیں چاہیے تو جواب دیا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں مجھے سب اختیار ہے اور پھر کہتا ہے کہ میرے بچے دوسروں کے یہاں دیکھنے جاتے ہیں تو

دھتکارے جاتے ہیں اب شرعی اعتبار سے ان کے ساتھ ماں اور بھائی اور بہنوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور ٹی وی کا گھر میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی کا خریدنا رکھنا دیکھنا ناجائز اور حرام ہے کوئی آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی کرے اس لیے بھائی کا یہ کہنا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں مجھے اختیار ہے درست نہیں اگر ان کے بچے دوسروں کے گھر ٹی وی دیکھنے جاتے ہیں اور دھتکارے جاتے ہیں تو یہ غیرت آئی کہ ٹی وی لاکر رکھ دیا اس ٹی وی کی وجہ سے کل کو آخرت میں جب خدا کے غضب کا سامنا ہوگا تو کیا کریں گے اس لیے اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ گھر میں ٹی وی لاکر رکھا جائے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے بچوں کو صحیح تعلیم وتربیت کی جائے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ان کو ابھارا جائے اللہ کی نافرمانی پر کیسا سخت عذاب ہوگا یہ بتلا کر ان کو برائیوں سے باز رکھا جائے اس لیے بھائی کے گھر میں ٹی وی لانے پر پہلا کام تو یہ ہے کہ ان کو سمجھا کر ٹی وی کی اس لعنت سے گھر کو پاک کیا جائے اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں تو بہن نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت کے موافق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کمانے کے لیے بیرون ملک جانا

سوال: اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر روزگار کے لیے ایک ملک سے

دوسرے ملک دو یا تین سال کے لیے جاتا ہے شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی غیر حاضری کے دوران اہل وعیال کے نفقہ کا معقول نظم کیا ہے اور اس کے اس طرح غیر ملک میں رہنے سے اس کی بیوی کے مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور بیوی نے اس کی اجازت بھی دی ہے تو دو تین سال تک بھی غیر ملک میں قیام کی شرعاً گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## درخت کے نیچے سونا

سوال: نوم تحت الاشجار درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، غزوۂ ذات الرقاع کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کا درخت کے نیچے سونا، اور اس حالت میں غورث بن الحارث کا آں حضرت ﷺ کی تلوار جو اسی درخت پر لٹکائی ہوئی تھی لے کر آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کرنا الخ معروف ہے۔ (بخاری شریف جلد ثانی: ۵۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

# كتاب الفرائض

# ترکہ میں میراث جاری ہوتی ہے

سوال: باپ اپنی حیاتی میں ہی سب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تو پھر وراثت کا سوال رہتا ہے یا نہیں؟ ترکہ تو ورثہ ہی میں تقسیم ہوتا ہے، اگر کسی باپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہو اور ماں بھی حیات ہو اور اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں تقسیم کیسے کرے؟ اور اس کا کیا نام رہے گا؟ پھر میراث رہے گی یا نہیں؟ اور باپ نے اب تک بیٹی کو جو دیا ہے وہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آدمی اپنی وفات کے بعد جو مال اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے جس کو اصطلاح شرع میں ترکہ کہتے ہیں، وہ اگر حقوق العباد سے فارغ ہو تو اس میں وراثت جاری ہوگی، اب اگر کسی آدمی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مال تقسیم کر دیا اور بوقتِ وفات اس کی ملک میں کچھ بھی نہیں تو پھر وراثت جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زندگی میں اگر تقسیم کرنا چاہتا ہے تو بیٹا بیٹی میں تفریق نہ کرے بلکہ ہر ایک کو یکساں دے۔ اس صورت میں باپ بیٹی کو اب تک جو کچھ دے چکا ہے اس کو بھی شمار میں لے۔ (شامی)

(فتاویٰ رحیمیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# لڑکی اپنا حصہ معاف کر دے تو بھی معاف نہیں ہوتا

سوال: اگر وراثت میں کسی لڑکی کا حصہ ہے اگر وہ لڑکی خود معاف کر دیوے تو کیا وہ معاف ہوگا یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

وراثت کے ذریعہ جوملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے ملکیت جبری ہے، نہ اس میں وارثوں کا قبول کرنا شرط ہے، نہ اس کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے بلکہ اگر وہ زبان سے بصراحت یوں بھی کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصہ کا مالک ہو چکا۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۱۲)

جولوگ بہنوں کوحصہ نہیں دیتے اور وہ یہ سمجھ کر بادلِ ناخواستہ شرما شرمی معاف کر دیتی ہے کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے برائی لے ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے سخت گنہ گار ہیں، ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں ان کوحصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے، ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانے کا، اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہوجانا

(سوال): کوئی شخص اپنے مرحوم والد کی جائیداد میں سے اپنے ورثاء کا حصہ نہ دیتے ہوئے انہیں کچھ رقم دے کر اس بات پر راضی کرلے کہ تم تمھارا حصہ معاف کردو، اور وہ اس پر راضی ہوجائیں، کیا اس طریقہ سے کرنا جائز ہے؟ اگر کیا تو میراث کی واپسی ضروری ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دیگر ورثاء اپنا حصۂ میراث لینے پر قادر ہونے کے باوجود برضاء ورغبت کچھ رقم لے کر اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہوجاتے ہیں، تو یہ تخارج کی صورت ہے، اور جائز ہے، اس کی مختلف شقیں ہیں جو کتب فقہ میں مفصلاً موجود ہیں، جن صورتوں میں صلح درست ہوگئی ان صورتوں میں میراث کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وحكمه وقوع البراء عن الدعوىٰ ووقوع الملك في مصالح عليه (درمختار مع الشامي ٤٠٧/٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

## اپنا حصہ وارثوں کو ہبہ کرنا

سوال: ایک لڑکی وراثت کی حق دار تھی اور وراثت کے تقسیم کرنے کے وقت اس کا حصہ اس کو دے دیا، پھر اس کے بعد اس نے واپس وارثوں کو ھبہ کر دیا تو کیا یہ ہبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ اپنا حصۂ میراث لے چکی تو اب اس کو اختیار ہے چاہے اپنے پاس رہنے دے، چاہے کسی کو فروخت کردے، چاہے کسی کو (جس میں دیگر ورثاء بھی ہیں) ہبہ کردے؛ البتہ ارکان وشرائط ہبہ کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔

وشرائط صحتها فى الواهب: العقل، والبلوغ، والملك، فلا تصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتبا وشرائط صحتها فى الموهوب: ان يكون

مقبوضا، غیر مشاع، ممیزا، غیر مشغول ورکنها: هو الایجاب، والقبول الخ (درمختار علی هامش الشامی ٤/ ٥٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بہنوں کو ان کا حقِ وراثت نہ دینا ظلم ہے

(سوال): ہمارے علاقے میں وراثت میں بہن کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا اور نہ دیگر ورثاء کو حصہ ملتا ہے، والد کی وفات کے بعد تمام بھائی آپس میں ساری وراثت تقسیم کر لیتے ہیں، پہلے لوگ لاعلمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے مگر اب علم ہونے کے باوجود بہنوں کو یہ حق نہیں دیا جاتا، خود ہماری بہنوں کو ہمارے بھائی ان کا حصہ نہیں دے رہے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ باپ کے ترکہ میں سے بیٹیوں کو حصۂ میراث دینے کے سلسلہ میں بھائیوں کی ناراضی سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: میراث کی تقسیم کے بارے میں شرعی حکم نہ ماننا اور لڑکیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا، اور ان کو ان کا حق نہ دینا بہت سخت گناہ کا کام ہے بلکہ حد کفر تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے، خدائے پاک نے اپنے کلام پاک میں وراثت کے قانون وقواعد بیان کرنے کے بعد صریح الفاظ میں فرمایا ہے: ﴿ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیها ولہ عذاب مهین﴾ (النساء) یعنی اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے گا اور

اس کی مقرر حدود سے تجاوز کرے گا تو اس کو جہنم میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ لہٰذا بہنوں کو ان کا حق دینا ضروری ہے، انکار کرنا رسم کفار کی اتباع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۲۵۴،۲۵۵)

ایک اور جگہ ''کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا اور بہنوں کو میراث سے محروم کرنا'' کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں میں ایک مرض یہ بھی عام ہورہا ہے کہ جہاں موقع ملا دوسرے کا مال دبا لیتے ہیں، صرف دنیوی مفاد پیشِ نظر رہتا ہے آخرت سے بے انتہا غفلت چھائی ہوئی ہے، کسی دوسرے کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

(مجمع الزوائد ٤/١٧٦)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے منی میں جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو۔ (ایضا ۴/ ۱۷۱)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے؛ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اس کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوش دلی کے بغیر لے۔ (ایضا ۴/ ۱۷۱)

کسی سے کوئی چیز لینے یا اس کو استعمال کرنے کے لیے اس کا خوشی سے راضی

ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرما شرمی میں دے دی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے، تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ اس کا استعمال بھی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ (وصیۃ العرفان)

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا اور ان کو میراث میں جو حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا یہ بھی اسی حکم کے اندر داخل ہے، اور سخت حرام ہے اور بہنوں پر ظلم ہے، لڑکیوں (بہنوں) کا جو شرعی حق ہو (اور ان کے علاوہ جو بھی شرعی وارث ہوں) ان کا حق ادا کرنا انتہائی ضروری اور لازم ہے، میراث کی تقسیم قانون الٰہی ہے اس کے مطابق عمل کرنا بہت بڑی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے، اور اس کی خلاف ورزی پر دوزخ کی سخت وعید ہے، قرآن مجید میں میراث کے احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِها الأَنْهارُ خَالِدِيْنَ فِيها وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْها وَلَه عَذَابٌ مُّهِيْن﴾ (النساء: ۱۳، ۱۴) ترجمہ: یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ ورسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا، اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا، اس کو آگ (جہنم) میں داخل کر دیں گے اس طور پر کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس کو ایسی سزا ہوگی

جس میں ذلت بھی ہے۔ لہٰذا بہنوں کا اور شرعی وارثوں کا حق ادا کر دینا چاہیے۔

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ﴿للذكر مثل حظ الانثيين﴾ (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے) فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں؛ بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے۔

(وصیت اور میراث کے احکام ۴۳)

ہمارے زمانے کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے، اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کیے جاتے ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| خبر حدیثوں میں جس کی آئی | | وہی زمانہ اب آرہا ہے |
| زمین بھی تیور بدل رہی ہے | | فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے |
| پرائے مال کو اپنا سمجھیں | | حرام کو بھی حلال سمجھیں |
| گناہ کرے اور کمال سمجھیں | | بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے |
| بھائی کا بھائی رہے گا رہزن | | حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن |
| پسر نے چھوڑا پدر کا دامن | | بہن کو بھائی ستا رہا ہے |
| ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں | | سب اپنے اپنے خیال میں ہیں |
| امام مسجد سے کوئی پوچھے | | نماز کس کو پڑھا رہا ہے |

حاصل کلام اب دنیا میں ہر صاحب حق کا حق ادا کر کے معاملہ صاف کر لینا چاہیے، آخرت کا معاملہ بہت ہی سنگین ہے، وہاں حقوق کی ادائیگی نیکیوں سے کرائی جائے گی، نیکیاں نہ رہیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، حدیث

میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من کانت له مظلمة لاخيه من عرضه او شیء فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينار ولادرهم، ان كان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته، وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه رواه البخاری.

(مشکوٰۃ شریف: ۴۳۵ باب الظلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے، اس سے پیشتر کہ قیامت کا دن آئے وہاں نہ اس کے پاس دینار ہوں گے نہ درہم، اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے لی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔

عن سعيد بن زيد قال: قال رسول اللہ ﷺ: من اخذ شبرا من الارض ظلماً فانه يطوقه يوم القيٰمة من سبع ارضين متفق عليه.

(مشکوٰۃ: ۲۵۴)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کی ظلماً ایک بالشت زمین لے لی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت کے بقدر ساتوں زمین کا حصہ اس کے گلے میں طوق (ہار) بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

کسی کا مال دبا لینے اور میراث نہ دینے پر بسا اوقات خاندان میں نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۳۸۶ تا ۳۹۰ بتغییر یسیر)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

# میراث سے جہیز کا سامان وضع کرنا

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا، اس نے اپنے پیچھے زوجہ اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا، کل تین وارث چھوڑے اور اس ورثہ میں سے لڑکی کو شادی میں جہیز دیا، تو اس ورثہ میں سے اس جہیز کی رقم باد کی جائے گی یا نہیں؟ اور برتن وغیرہ سب دیئے لڑکی کو جہیز میں، زوجہ لڑکا لڑکی ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ تقسیم ہوگا؟ اور ورثہ میں دو مکان مرحوم نے چھوڑے ہیں اور کچھ برتن، جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث (مرنے والے کی تجہیز وتکفین متوسط طریقہ سے، اس کے بعد ادائے دیون اور پھر ایک تہائی میں سے وصیت شرعیہ ہو، تو اس کو نافذ کرنے کے بعد) مرنے والے کے کل ترکہ کو چوبیس سہام پر تقسیم کیا جائے گا: جن میں سے تین سہام اس کی بیوی کو، چودہ سہام لڑکے کو اور سات سہام اس کی لڑکی کو دیئے جائیں، اگر جہیز کا سامان دیتے وقت تصریح کر دی گئی تھی کہ تمھارے حصۂ میراث میں سے دیا جا رہا ہے، تو اس کو وضع کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

# دین مہر ترکہ کو محیط ہو تو میراث تقسیم نہ ہوگی

سوال: غلام احمد کا انتقال ہوا، اس نے دو وارث زوجہ زہرہ بی بی اور بھتیجا غلام محی الدین چھوڑے، زوجہ زہرہ بی بی کی مہر ۵۰ مثقال باقی تھی اور جائداد فروخت کرنے پر ۲۰ ہزار روپئے حاصل ہوئے اور ۵۰ مثقال سونے کی قیمت ۵۰/ ہزار روپیہ سے بھی زائد ہوتی ہے، تو اس صورت میں بھتیجا غلام محی الدین کو فروخت کردہ جائداد کے ثمن وقیمت سے وراثت میں کیا ملے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ترکۂ میت میں سے اولاً اس کی تجہیز وتکفین کی جاوے گی، اس کے بعد اگر مال بچا ہے، تو اس میں سے اس کے دیون ادا کئے جائیں گے، اس کے بعد اگر مال بچا ہے، تو اس کے تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ کی جاوے گی اور پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير وتقصير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدَين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة الخ (سراجي:۳)

يبدأ من تركة الميت بمؤنة تجهيزه، ثم تقضى ديونه، ثم تنفذ وصاياه من ثلث الباقي، ثم يقسم الباقي بين الورثة.

(تحفة المحتاج بشرح المنهاج كتاب الفرائض ۶/۳۸۲تا۳۸۵)

صورتِ مسئولہ میں غلام احمد پر اس کی زوجہ زہرہ بی بی کا مہر باقی ہے، جس کی

مقدار پچاس مثقال ہے، اس لیے تقسیمِ وراثت سے پہلے غلام احمد کی متروکہ جائداد میں سے وہ ادا کیا جائے، جائداد فروخت کرنے سے جو ثمن حاصل ہوا، اس کی مقدار چوں کہ پچاس مثقال کی قیمت سے کم ہے، اس لیے وہ تمام ثمن مرحوم غلام احمد کی زوجہ کے دین مہر میں دے دی جاوے گی، پھر بھی دین مہر پورا ادا ہوتا نہیں ہے، اس لیے تقسیم میراث کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لہٰذا مرحوم غلام احمد کے بھتیجے غلام محمد محی الدین کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## والد کے ساتھ رہنے سے ترکہ کا استحقاق

سوال: سعید کے چار لڑکے ہیں: زید، عمرو، بکر، خالد۔ انھوں نے اپنی زمین میں پانچ حصے کیے، چار حصے بھائیوں کے، اور ایک حصہ والد کا والد کی موجودگی میں، والد کا انتقال ہو گیا تو پھر تین بھائیوں نے کہا کہ والد کے حصہ کی زمین تقسیم ہو گی، اور چوتھا جس کے ساتھ والد صاحب رہا کرتے تھے وہ منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ میری ہے؛ اس لیے کہ والد صاحب میرے ساتھ رہتے تھے، تو اب اس زمین کے متعلق کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

باپ نے اگر زمین کے پانچ حصے کر کے ان میں سے چار حصے اپنے چار بیٹوں کو دے کر قبضہ بھی کرا دیا تھا، تو ان میں سے ہر بیٹے کو جو حصہ دیا تھا وہ اس کا مالک ہے، پانچواں حصہ باپ نے اپنی ذات کے لیے رہنے دیا تھا؛ یہاں تک کہ باپ کا انتقال

ہو گیا تو اب اس حصہ میں تمام ورثاء کا حق ہے، کوئی ایک بیٹا تنہا اس کا مالک نہیں ہے، جس بیٹے کے ساتھ باپ رہتا تھا اس بیٹے کا یہ دعویٰ کہ میں اس کا مالک ہوں درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## آباء واجداد سے تقسیمِ میراث کے بغیر ملی ہوئی جائیداد کا حکم

سوال: ہمارے زمانے میں اکثر و بیشتر شریعت کے مطابق تقسیمِ میراث کا رواج نہیں ہے، تو اب تک ہمارے آباء واجداد کی طرف سے ہم تک جو جائداد پہنچی ہے، بلا شبہ وہ شرعی تقسیم کے مطابق نہیں پہنچی ہے؛ کیوں کہ اس میں بہنوں کا حصہ دینے کا معمول ہی نہیں ہے، تو ہمارے لیے اس جائیداد کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس کے جائز کرنے کا اب کوئی طریقہ بھی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر چند بعض فقہاء نے مطلقاً مال حرام کو وارث کے لیے حلال کہا ہے؛ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، مفتی بہ اور معتمد یہ ہے کہ ان کے لیے بھی حرام ہے، پس اگر اربابِ حقوق کو ورثا معلوم ہیں تو اگر بعینہ ان کی چیز محفوظ ہو تو اس کو، ورنہ اس کی قیمت واپس کر دیں، اور اگر معلوم نہیں تو اگر مال حرام متعین ومتمیز ہے تو اس کو مالک کی نیت سے تصدق کر دیں، اور اگر مخلوط غیر متمیز ہے تو اگر اس کی مقدار قیمت معلوم ہے اس کو تصدق کر دیں، ورنہ تخمینہ کر کے تصدق کر دے، ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۵۰)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ”رد المحتار“ (۴/ ۱۴۶، ۱۴۷ باب البیع الفاسد مطبوعہ کراچی) میں بحث فرمائی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

# کوئی وارث نابالغ ہو تو ترکہ کی کونسی اشیاء استعمال کر سکتے ہیں؟

سوال: میت اپنے پیچھے بالغ و نابالغ دونوں قسم کے ورثاء چھوڑ جائے، تو تقسیم میراث کے بغیر بالغ ورثاء کا نابالغ ورثاء کے ساتھ رہنا؛ نیز متروکہ جائیداد میں سے خود بھی کھانا؛ نیز اس کے بال بچے بھی ہیں وہ اسی متروکہ جائیداد کی آمدنی کو تصرف میں لا رہے ہیں، تو ان کا بھی ساتھ رہ کر کھانا جائز ہے؟ جب کہ اس میں نابالغ کا حصہ بھی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جائیداد کی آمدنی، پیداوار کا حساب رکھنا ضروری ہے، ہر شخص اپنے حصہ کے موافق لے سکتا ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں، اور اس میں تعدی کرنا حرام ہے، اسی طرح اشیاءِ مستعملہ میں جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کے استعمال کا اثر متفاوت ہے، یعنی بعض کے استعمال سے چیز کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور بعض سے نہیں، جیسے: سواری کا جانور، تو ایسی مشترکہ چیزوں کا استعمال بھی جائز نہیں؛ البتہ جو اشیاء ایسی نہیں بلکہ سب کا استعمال اس میں یکساں ہوتا ہے، مثلاً: مکان میں رہنا یا ایسے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا جس کے استعمال کا اثر یکساں ہو اس میں گنجائش ہے، ہر شریک ان کو پورا پورا استعمال کرے یا اپنے حصہ کے برابر یا زائد، اصل حکم یہی ہے؛ لیکن اس کی حدود کی حفاظت اور پھر اس میں عدل کرنا چوں کہ عادۃً مشکل ہے؛

اس لیے اب یہی ضروری ہے کہ تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ ممتاز کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے حصہ کو استعمال کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲ / ۸۲۴، ۸۲۵ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خدمت کرنے والوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں میراث

سوال: ایک آدمی نے اپنی حیاتی میں مال کو اولاد میں تقسیم کر دیا، اور زمین کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھا، اور کہہ دیا کہ میرے مرنے تک جو میری خدمت کرے وہ میرے مرنے کے بعد وہ زمین لے لے، تو کیا اس آدمی کے مرنے کے بعد وہ زمین جس نے خدمت کی ہے اس کو ملے گی یا اس میں وراثت جاری ہوگی اور اولاد میں تقسیم ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس میں وراثت جاری ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مرحوم کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں بھانجا میراث نہیں پاتا

سوال: میرے چھ ماموں تھے، جس میں سے ایک کا انتقال ہو چکا، باقی پانچ میں سے میرے ایک ماموں بچپن سے بہرے گونگے اور توتلے تھے، جو بچپن سے میرے نانا کے ساتھ میرے گھر رہتے تھے، میرے نانا نے ایک کھیت میری اماں کو لکھ دیا تھا، اور یہ ماموں کے نبھاؤ خرچ کے لیے تھا، نانا اور میری اماں کے انتقال کے بعد ہمارے ماموں کو ہم پالتے تھے، اور ہماری طرف سے خرچ کرتے تھے، اب ماموں کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ماموں کے مرنے کے بعد ان کے پاس سے کچھ رقم

نکلی ہے، یہ رقم وہ مزدوری کرتے تھے، اس کی ان کے پاس جمع ہوتی تھی، یا لوگ چائے ناشتہ کے لیے دیتے تھے، اس کی جمع ہوتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے اب چار ماموں زندہ ہیں، تو مرحوم ماموں جان کی میراث ان کے بھائی یہ چار ماموں ہیں کیا ان کو ملے گی؟ اگر ملے گی تو ہر ایک کو کتنی ملے گی؟

بچپن سے یہ مرحوم ماموں ہمارے یہاں رہتے تھے، اور ہر طرح کا نان نفقہ، کپڑا، بیماری وغیرہ کا خرچ ہماری طرف سے ہوتا تھا؛ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی تجہیز و تکفین ہمارے ہی گھر سے ہوئی، اور ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، بچی ہوئی رقم ۳۸۹۰/ روپئے ہیں، تو یہ رقم ہم تمام بھائی بہنوں کو ملے گی؟ اگر ملے گی تو کتنا کتنا حصہ ہر ایک کو ملے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

وفات پانے والے ماموں کی ملکیت میں بوقتِ وفات جو کچھ تھا - چاہے وہ زمین ہو یا نقد - وہ سب ان کا ترکہ ہے، جس میں ان کے شرعی ورثاء کو حق وراثت ملتا ہے، اس لیے کہ وراثت ایک حق شرعی ہے، جو صرف انہی حضرات کو حاصل ہوتا ہے، جن کو شریعت نے وارث قرار دیا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مرحوم ماموں کے حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں ان کے بھانجے، بھانجیوں یعنی آپ بھائیوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا، اب اگر ان کے صرف چار بھائی ہی ہیں بیوی بچے ماں باپ بہن یا اور کوئی بھائی نہیں ہے تو تمام ترکہ کو چار سہام پر تقسیم فرما کر ہر ایک بھائی کو ایک ایک حصہ دے دیا جائے۔

ان کی تجہیز و تکفین اگر آپ نے اس نیت سے کی تھی کہ ان کے ترکہ میں سے ہم

وصول کرلیں گے، تو آپ وہ مصارف ان کے ترکہ میں سے وصول فرماسکتے ہیں، اور اگر اپنی طرف سے کی تھی تو وصول نہیں کرسکتے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ۲/ ۳۲۸۔ درر الحکام ۲/ ۱۳۸)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

## حرمتِ مصاہرت سے محرّمہ کی عدتِ وفات ومیراث کا حکم

**سوال**: زید نے اپنی بیوی ہندہ کی بالغہ لڑکی کو ہندہ سمجھ کر شہوت سے پکڑلیا، جس کے نتیجہ میں ہندہ زید پر حرام ہوگئی؛ مگر چوں کہ دونوں معمر اور صاحبِ اولاد تھے، اس لیے حسبِ معمول اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے رہے؛ البتہ زن وشوئی کا تعلق ختم کردیا، اور مثل بھائی بہن کے رہنے لگے، دوتین سال کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب مندرجۂ ذیل باتیں دریافت طلب ہیں:

(۱) ہندہ زید متوفی کے ترکہ میں حصہ پائے گی یا نہیں؟

(۲) ہندہ پر عدتِ وفاتِ شوہر ہوگی یا نہیں؟

(۳) ہندہ زید کی حیات میں زید پر حرام ہوچکی تھی، تو کیا زید کے طلاق دیئے بغیر وہ دوسرا نکاح کرسکتی تھی؟ یعنی حرمت مصاہرت سے نکاح ہی ختم ہوجاتا ہے یا صرف میاں بیوی کی مباشرت ہی حرام ہوتی ہے اور نکاح باقی رہتا ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نفسِ حرمتِ مصاہرت سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا؛ جب تک کہ شوہر زید اپنی بیوی ہندہ کو زبانی طور پر یوں نہ کہہ دے کہ میں تجھے چھوڑ چکا، یا حاکم مسلم دونوں کے

درمیان تفریق نہ کردے۔

درمختار میں ہے: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر؛ إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة (درمختار) (قوله الا بعد المتاركة) اى وان مضى عليها سنون كما فى البزازية، وعبارة الحاوى: إلا بعد تفريق القاضى او بعد المتاركةاه وقد علمت ان النكاح لا يرتفع؛ بل يفسد وقد صرحوا فى النكاح الفاسد بان المتاركة لا تتحقق؛ إلا بالقول الخ (شامی۲/۳۰۷)

بنابریں:

① اگر زید نے ہندہ سے متارکت بالقول کرلی تھی، تو اسی وقت نکاح ختم ہوچکا تھا، ترکہ میں حصہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اگر متارکت بالقول نہیں کی تھی، تب بھی ہندہ کو زید کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا؛ اس لیے کہ اس صورت میں اگرچہ نکاح مرتفع نہیں ہوتا؛ لیکن فاسد ہوجاتا ہے، اور نکاح فاسد میں زوجین میں توارث نہیں ہوتا۔

شامی میں ہے: (قوله ويثبت النسب) اما الارث فلا يثبت فيه وكذا النكاح الموقوف عن ابى السعود (شامی۲/۳۸۲)

② اگر زید نے متارکت بالقول نہیں کی تھی، تو زید کے انتقال کے بعد ہندہ پر عدت واجب ہے؛ لیکن طلاق والی عدت واجب ہے، یعنی تین حیض۔

والمراد أن الموطوئة بنكاح فاسد سواء فارقها او مات عنها تجب عليها العدة التى هى عدة طلاق وهى ثلاث حيض، لا عدة موت وهى اربعة اشهر وعشر الخ (شامی ۲/۳۸۱)

③ زید کے متارکت بالقول یا حاکمِ مسلم کی تفریق کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی تھی، اس کے بغیر نہیں۔ (شامی ۲/ ۳۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ شوال ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہو تو عورت کی میراث کا حکم

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی، مگر اچانک انتقال ہوا، اب اس کے مال میں بیوی کو حصہ ملے گا، بیوی وارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دی، اور وہ عورت ابھی تک عدت میں تھی، اس درمیان شوہر کا انتقال ہو گیا، تو عورت شوہر کے مال میں وراثت کی حقدار ہے، اور اگر طلاق بائن دی ہے (چاہے ایک ہو یا دو) یا تین طلاق دی ہے تو عورت وارث نہیں ہوگی اِلا یہ کہ شوہر نے مرض الوفات میں طلاق دی ہو اور عورت کے عدت میں ہوتے ہوئے شوہر کا انتقال ہوا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مرحوم کے بیمہ کا روپیہ کہاں خرچ کرے؟

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، اور اس کے ہاتھ کا جمع کردہ بیمہ پاس ہوا ہے، اور وہ بیمہ کا روپیہ کس کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟ اور اس لڑکے کے ماں باپ بھائی

پیشہ والے ہیں، غریب نہیں، اور جس لڑکے کا انتقال ہوا ہے اس کی عورت اور ایک لڑکا ہے، اور اب بیمہ کا روپیہ کہاں خرچ کرنا جائز ہے؟ اور اس روپیہ کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام وناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی، وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کردی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیئے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے، یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد رقم کا صدقہ کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ترکہ میں بوقت وفات زمین کی جو حیثیت ہو اس کا اعتبار ہے

سوال: ایک شخص نے اپنے لڑکوں کو مشترک زمین ہبہ کی اور قبضہ بھی دے دیا، پھر کافی عرصہ کے بعد لڑکوں نے اس زمین کو N.A یعنی مکانات کے لیے منظور کروایا اور مکانات کے لیے اس میں پلاٹ بنوائے، اور باپ کا انتقال ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ پرانی زمین بغیر پلاٹ کے ترکہ میں شمار ہو کر وراثت جاری ہوگی یا موجود پلاٹ ترکہ میں شمار ہو کر وراثت جاری ہوگی؟ جب کہ بغیر پلاٹ اور پلاٹ کی زمین کی قیمت میں بہت ہی زیادہ فرق ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مورث کی وفات کے وقت جو حیثیت تھی وہ برقرار رہے گی، یہ بات یاد رہے کہ

شرعاً وہی تقسیم درست ہوگی جو مبنی بر عدل ہو، یعنی: حسب استحقاق ہر حصہ دار کو حصہ ملے اور غبن فاحش نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## اولاد کو عاق کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: اپنی اولاد کو کن کن صورتوں میں عاق کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

عرفاً جو عاق کیا جاتا ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر کسی نے اپنی اولاد میں سے کسی کو عاق کیا ہے تب بھی اس کی وفات کے بعد ترکہ میں وہ وراثت کی حقدار ہے، عاق کرنے کی وجہ سے وہ وراثت سے محرومی نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بہن کے لیے وصیت یا حق رہائش

سوال: (۱) بکر کی کل کمائی ہوئی جائیداد ہے، بکر نے زندگی میں ایک وصیت نامہ لکھا جس میں یہ خلاصہ ہے کہ اس کی ایک بہن ہے جو کنواری اور غیر شادی شدہ ہے، اس کے نام اس شرط کے ساتھ ایک مکان کیا ہے کہ تاحیات وہ اس کی مالکہ ہے، اور بکر کی بہن کے انتقال کے بعد بکر کے جو تین لڑکے ہیں وہ مالک ہوں گے۔

# اسٹامپ پر لکھنا ثبوت شرعی نہیں

سوال: ② بذات خود بکر کے نام ایک جگہ ہے، یہ جگہ بکر نے اپنے تیسرے نمبر کے لڑکے کے نام پر کی ہے، اس کا تذکرہ دس روپئے کے سرکاری اسٹامپ پر کیا ہے، اور یہ اسٹامپ اس لڑکے نے دوسرے وارثوں کو بکر کی وفات کے دو سال بعد بتایا ہے، اور اسی لڑکے کے پاس بکر کی بقیہ جائیداد بھی موجود ہے جو دیگر وارثوں کو نہیں دے رہا ہے، برائے کرم اس کا حکم بھی مرحمت فرمائیں۔

# مطالبہ نہ کرنے کا عہد لینے سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال: ③ بکر نے اپنی زندگی میں تین لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو پچاس ہزار روپئے نقد اور ایک گوڈاؤن دے دیا تھا (اس گوڈاؤن کی چھت تو بکر کی ہے لیکن جگہ سرکاری ہے) اور اس لڑکے سے یوں کہا تھا کہ تم کسی قسم کا مطالبہ اپنے دوسرے دونوں بھائیوں سے نہیں کروگے۔

④ بکر کی دو بیویاں ہیں، دونوں حیات ہیں، اور تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ایک غیر شادی شدہ بہن ہے، اس طرح بکر کے نو (۹) وارث ہیں۔

⑤ بکر نے اپنی زندگی میں ایک لڑکے کو اس کا حق دے کر اسے کہا بعد میں تم اپنا حق مانگو گے نہیں، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ جائیداد میں اس لڑکے کا حق ہے یا نہیں؟

# جائداد میں ایک وارث کا تصرف

سوال: ⑥ بکر کے ایک لڑکے نے باپ ہی کی جائیداد میں سے رقم لے کر اپنے

نام پر کچھ جائیداد خریدی اور اب خرید بھی رہا ہے، تو اس اعتبار سے بکر کے جائیداد میں ترقی ہو رہی ہے تو کیا اس تمام جائیداد میں دوسرے وارثوں کا حق لگے گا یا نہیں؟ اور واضح رہے کہ یہ تیسرے نمبر کا چھوٹا لڑکا ہے جس کے پاس والد کی تمام بقیہ جائیداد ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر نے بوقت وفات جو ترکہ چھوڑا ہے چاہے وہ جائیداد ہو، نقد رقم ہو، زیورات ہوں، گھر کا سامان ہو وغیرہ؛ ان تمام میں سے سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین کے متوسط درجہ کے مصارف، اس کے بعد اس کے تمام دیون کی ادائیگی، اس کے بعد جو باقی رہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت شرعیہ کا نفاذ کر کے بقیہ تمام ترکہ کو ایک سو چوالیس (۱۴۴) مساوی سہام پر تقسیم فرما کر اس کی ایک زوجہ کو نو (۹) سہام، دوسری زوجہ کو نو (۹) سہام، اس کے پہلے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، دوسرے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، تیسرے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، اس کی پہلی بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام، دوسری بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام اور تیسری بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام دیں گے، اس کی بہن کو بکر کے ترکہ میں حق وراثت کے طور پر کچھ نہ ملے گا۔

① بکر نے اپنی بہن کے حق میں جس مکان کی وصیت فرمائی ہے وہ اگر اس کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہے تو وہ مکان اس کی بہن کو ملے گا، اب اگر وصیت نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بہن اس کی مالک بنے گی تب تو وہ مکان بہن کو ملے گا اور اس کی وہ مالک ومختار رہے، اور اس کی وفات کے بعد اس بہن کے شرعی ورثاء اس کے حق دار ہیں، اور اگر ملکیت کی صراحت نہیں ہے؛ بلکہ صرف رہائش کی وصیت ہے تو بہن کو تاحیات صرف حق رہائش حاصل ہے، اور اس کی وفات کے بعد وہ مکان

بکر کے موجودہ تمام ورثاء کو ملے گا۔

(۲) اگر بکر نے اس جگہ کا مالک اس لڑکے کو اپنی زندگی میں بنا دیا ہے اور اس پر قبضہ بھی کرا دیا ہے تب تو وہ لڑکا اس جگہ کا مالک ہے، ورنہ خالی اسٹامپ پر لکھنے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی، صورت اولی میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہبہ کے شرعی گواہ موجود ہوں، صرف اسٹامپ سے ثبوت نہیں ہوگا، وہ لڑکا بکر کی بقیہ جائیداد کے اوپر قابض ہے اور دوسرے ورثاء کو ان کا حق نہیں دیتا تو اس کا یہ فعل غصب اور گناہ عظیم ہے۔

(۳) اتنا کہنے سے اس لڑکے کا حق وراثت ختم نہیں ہو جاتا۔

(۴) سب کے حقوق وراثت کی تفصیل شروع جواب میں آ چکی ہے۔

(۵) ہے۔

(۶) اس کے اس تصرف کو دیگر ورثاء منظور رکھیں تو دیگر ورثاء کا بھی اس میں اپنے سہام کے بقدر حق ہوگا، اور اگر وہ نامنظور کردیں تو لڑکے پر اتنی رقم کا ضمان واجب ہے، اور خریدی ہوئی جائیداد اس کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

## تحریری وصیت کا حکم

سوال: ایک آدمی نے سترہ سال پہلے ایک تحریر لکھی کہ میرے مرنے کے بعد میری ملکیت مسجد یا مدرسہ کو وقف ہے؛ مگر تادم حیات اس پر اس کا قبضہ رہا، اور مرنے سے پہلے پہلے اس نے مستحقین کے حقوق کی ادائیگی بھی کردی، اب جو اس کی ملکیت ہے اس کی وصیت کے مطابق مدرسہ یا مسجد پر خرچ کی جائے؟ بہر حال جو بھی صورت

ہو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ وصیت صرف ایک تہائی میں نافذ ہوتی ہے؛ اس لیے مرتے وقت اس کی ملک جو جائیداد وغیرہ تھی اس کا تہائی وقف ہے اور باقی دو تہائی ورثاء کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری، ۲۷/شوال ۱۴۱۶ھ

## رضاعی بہن سے پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

سوال: عائشہ اور ایوب دونوں رضاعی بھائی بہن تھے، مال کی لالچ میں آکر ایوب کے باپ نے ایوب کی شادی عائشہ ہی سے کردی؛ نیز ایوب کے خسر کو ایک ہی لڑکی عائشہ تھی، اس کے بعد عائشہ کے بطن سے ایک بچہ زید پیدا ہوا، بعدہ عائشہ کا انتقال ہوگیا؛ نیز عائشہ کا انتقال عائشہ کے باپ کے مرنے کے بعد ہوا، جواب طلب امر ایں کہ زید ایوب کا بیٹا ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو ماں کی دولت بھی پائے گا یا صرف اپنے باپ ایوب کی دولت کا ہی حق دار ہوگا؟ نیز ایوب کو شوہری حصہ عائشہ کی جائیداد سے ملے گا یا نہیں؟ از روئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کا نسب ایوب سے ثابت ہوگا، اور زید کو اپنے باپ ایوب کے ترکہ میں سے حصۂ پدری اور ماں عائشہ کے ترکہ میں سے حصۂ پسری ملے گا؛ لیکن ایوب کو عائشہ کے ترکہ میں سے حصۂ شوہری نہیں ملے گا۔ (شامی تقریرات رافعی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

## مرحوم شوہر کے ترکہ سے مہر لینا

سوال: ایک عورت کا شوہر اس عورت کومہر ادا کرنے سے قبل انتقال فرما گیا، اور دراں حالیکہ اولاد بھی تھی تو عورت کو مہر ملنے کی کیا صورت ہے؟ اور اگر عورت اس مرد کے انتقال کے بعد معاف کرنا چاہے تو کیا معاف ہوسکتا ہے یا شوہر مجرم ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

شوہر کے ترکہ میں سے اس پر واجب دوسرے دیون کی طرح مہر بھی پہلے نکال کر عورت کو دلائی جائے، عورت معاف کرنا چاہے تو معاف بھی کرسکتی ہے، اگر شوہر نے ترکہ نہیں چھوڑا ہے جس سے مہر ادا ہوسکے تو وہ مجرم کہلائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

## شرکاء میں سے ایک کا انتقال ہو تو اس کی اولاد کو کتنا ترکہ ملے گا؟

سوال: عمر کے چار بھائیوں میں کئی سال سے مشترکہ کاروبار چل رہا تھا اور ان کا مشترکہ کاروبار میں کوئی فی صد طے نہیں تھا، سال کے آخر میں چاروں بھائی خرچ کی ایک مقدار رقم لے لیتے تھے، پھر ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا تو کیا اس مرحوم بھائی کی اولاد کو ترکہ ملے گا؟ اور کتنا ملے گا؟ اگر ان چاروں میں سرمایہ باعتبارِ فیصد متعین ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس مشترکہ کاروبار میں بھائیوں کی شرکت کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی تفصیل معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے، مرحوم بھائی کا بھی جب اس مشترکہ کاروبار میں حصہ تھا

تو ظاہر ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے حصہ کے بقدر اس کی اولاد کو ترکہ ملے گا۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی عفی عنہ

## مورث کے انتقال کے بعد اضافہ شدہ کاروبار میں حق میراث

سوال: ۱۹۶۹ء میں تقریباً ایک صاحب کے پاس چالیس بھینسوں کے دودھ کا کاروبار تھا اور اس کے ساتھ کچھ مکان اور کھیت وغیرہ تھے جو وصیت نامہ میں مذکور ہیں، اس کے بعد مورث نے ۱۹۶۹ء میں اپنے ایک لڑکے کو بمبئی کا کاروبار سونپا، اور ایک لڑکے کو گاؤں میں کاروبار سونپا، اور تیسرا لڑکا گاؤں میں کھیت وغیرہ میں کام کرتا تھا، اور اس وقت مورث نے بمبئی چھوڑ دیا تھا، گاؤں میں تھوڑا بہت کام کر لیتے تھے، اب بمبئی والے لڑکے نے کاروبار میں یعنی بھینسوں میں اضافہ کیا، اور دوسرا کاروبار بھی بنایا جس میں چالیس سے زیادہ بھینس ہوئی، پھر تقریباً ۲۵/ سال کے بعد مورث ایک وصیت نامہ لکھ رہا ہے جس میں مورث اپنا پرانا کاروبار جو ۲۵/ سال پہلے ۱۹۶۹ء میں تھا اس کو گنا رہا ہے کہ اتنا میرا ہے، اس کے علاوہ بھینسوں میں بڑھوتری اور دوسرا کاروبار کرنے کے لیے میری ملک میں سے میرے دو لڑکوں نے جو رقم لی ہے میں اس کو معاف کرتا ہوں، اور وصیت نامہ کے تقریباً ایک سال بعد مورث کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ وراثت صرف ۲۵/ سال والے پرانے کاروبار میں جس کا مورث اقرار کر رہا ہے اسی میں نافذ ہوگی یا ۲۵/ سال کے درمیان بڑھنے والی ساری

ملک میں نافذ ہوگی، دو بھائی کہہ رہے ہیں کہ وصیت نامہ کے مطابق میراث تقسیم ہوگی، اور تیسرا بھائی کہہ رہا ہے کہ ۲۵/سال کے درمیان بڑھنے والی ساری جائیداد میں میراث تقسیم ہوگی، اس میں میرا بھی حق شرعی نکلتا ہے، براہ کرم آپ شریعت کے موافق جواب تحریر فرمائیں۔

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

پچیس سال میں کاروبار میں جو اضافہ ہوا ہے وہ دو قسم کا ہے: ایک تو وہ جو مورث نے اپنے دونوں بیٹوں کو کاروبار کے لیے دیا تھا، اس میں سے براہِ راست پیدا ہوا مثلاً بھینسوں سے بچے پیدا ہوئے یا ان کا دودھ فروخت کیا گیا، اس کی جو رقم آئی اور اب تک وہ محفوظ ہے، یہ اضافہ تو چوں کہ مورث کی مملوکہ چیز سے پیدا ہوا ہے اس لیے مورث کا ہے، اور مورث نے اس کو معاف بھی نہیں کیا ہے، اور اگر بالفرض معاف بھی کیا ہوتا تو چوں کہ یہ حق عین میں ہے، جو معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اس لیے اس اضافہ میں تو تمام ورثاء کو حق وراثت حاصل ہے۔ دوسرا اضافہ وہ ہے جو دونوں بیٹوں نے کاروبار سے حاصل شدہ رقم سے اپنی نیت سے خریدا، اس صورت میں چوں کہ انہوں نے اپنے لیے خریدا تو وہ اس کے مالک ہیں، اور جس رقم سے خریدا وہ باپ کی تھی جسے انہوں نے اپنے لیے صرف کیا تو وہ رقم ان پر دین ہوئی جس کو باپ نے معاف کر دیا ہے، اور چوں کہ دین ذمہ پر ہوتا ہے جو معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اس لیے اب اس رقم کا مطالبہ بھی ان پر نہیں ہے، اور اس اضافہ میں ورثاء کا حق نہیں ہے؛ البتہ یہ یاد رہے کہ باپ کی اس تحریر کے بعد انہوں نے کاروبار سے حاصل شدہ رقم سے جو کچھ خریدا ہے تو وہ اضافہ تو ان کی ملک ہے، لیکن جو رقم صَرف

کی، اس کی ادائیگی ان پر ہوگی اس لیے کہ باپ نے جس روز معاف کیا اس وقت یہ دین ان پر نہیں تھا، بعد میں ان کے ذمہ پر آیا اور اس کے بعد باپ نے معاف نہیں کیا ہے، اور دین ذمہ میں واجب ہونے سے قبل وہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

## باپ کے پیسوں سے کیے ہوئے کاروبار میں میراث کا حکم

سوال: ایک صاحب نے اپنے ایک لڑکے کو پچاس ہزار روپے دیے، اس نیت پر کہ اس سے دکان بنائی جائے، پھر اس لڑکے نے دکان بنائی، پھر اس میں سے منافع کر کے اس دکان کے اوپر رہنے کے لیے گھر بھی بنایا، پھر اس گھر اور دکان بنانے میں کچھ رقم بطور قرض کے اپنے دوستوں کے پاس سے بھی لی، پھر اس کے بعد اس لڑکے کے والدین اس مکان میں رہنے کے لیے گئے، لیکن ابھی کچھ کام باقی تھا، اس لیے ان کے والدین اپنے کسی رشتہ دار کے وہاں ٹھہرے، پھر ابھی اس مکان میں رہنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ پھر جب وراثت کا مسئلہ آیا تو وراثت میں دوسرے مال کے ساتھ میں اس دکان ومکان کی بھی وراثت نکالی، یعنی اس کو بھی شمار کیا، (وضاحت اس بات کی کرتا ہوں کہ اس لڑکے نے جس نے دکان ومکان کا کام کرایا تھا، اس نے اس دکان ومکان کو شمار کیا) پھر اس نے وارث داروں (بہنوں) کو حصہ بھی دے دیا، اس قصہ کو تقریباً چار سال ہوگئے، اور اس لڑکے نے خود اپنے ہاتھ سے دیے، اس کے بعد آج سے چھ سال پہلے اس دکان ومکان کی تقسیم اپنے ہاتھ سے کی، یعنی ایک معتبر

آدمی کے سامنے رکھ کر اس دکان ومکان میں میرے بھائیوں کا کتنا حق ہے؟ تو اس صاحب نے بھائیوں کے درمیان تقسیم کی، اور اب جب مسئلہ آیا کاروبار کے تقسیم کرنے کا، تو وہ لڑکا جس نے دکان ومکان بنائی تھی، وہ یوں کہہ رہا ہے کہ دکان ومکان میرا ذاتی ہے، اس میں بھائیوں کا حق نہیں ہے۔ اور جو والد صاحب نے رقم دی تھی، اس کو میں نے واپس کر دیا ہے، اس لیے دکان ومکان میرا ذاتی ہے، یہ مسئلہ بڑھا تو گاؤں کے چند احبابوں کے سامنے گیا، اس نے دو گواہ پیش کیے اور ان دونوں گواہوں نے کہا کہ جب تمہارے والد صاحب بمبئ جانے لگے تو ہم نے پوچھا کہ بمبئ جا کر کہاں رہوں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ محبوب کے گھر، یعنی اس لڑکے کے گھر جس نے دکان ومکان بنائی تھی، اب والد کا انتقال ہوئے تقریباً چودہ سال ہو گئے، اور اس لڑکے نے وراثت داروں کو اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا اور کہہ رہا ہے کہ میں نے غلطی سے اس دکان ومکان کو گنوایا تھا۔ تو اب دکان ومکان میں دوسرے بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے: (سئل) في ابن كبير له عيال وكسب مات أبوه عنه وعن ورثة يدعون أن ماحصله من كسب فخلف عن أبيهم، ويريدون إدخاله في التركة "فهل حيث كان له كسب مستقل" يختص بما أنشأه من كسبه، وليس للورثة مقاسمته في ذلك، ولا إدخاله في التركة (الجواب) نعم (سئل) في رجل ساكن في بيت أبيه في جملة عياله وصنعتهما متحدة يعينه بتعاطى أموره ولا يعرف

للابن مال سابق فاجتمع مال بكسبه، ويريد أن يختص به، بدون وجه شرعى فهل جميع ما حصله بكسبه ملك لأبيه ولا شئ له فيه (الجواب) نعم، جميع ما حصله بكسبه ملك لأبيه، لا شئ له فيه، حيث كان من جملة عياله والمعين له في أموره وأحواله وصنعتهما متحدة ولا يعرف للابن مال سابق لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع كما صرح ذلك في الخلاصة والبزازية ومجمع الفتاوى وأفتى بذلك الخير الرملي إذا تنازع الرجل مع بنيه الخمسة وهم في دار أبيهم كلهم في عياله فقال البنون المتاع متاعنا والأب يدعيه لنفسه، فإن المتاع يكون للأب وللبنين الشياب التي عليهم، لاغير الخ من القول لمن في كتاب الدعوى (أقول) وفي الفتاوى الخيرية سئل في ابن كبير ذى زوجة وعيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات هل هى لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته أجاب هى للابن تقسم بين ورثته على فرائض الله تعالى حيث كان له كسب مستقل بنفسه وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ ثم اجتمع لهما مال يكون كله للأب إذا كان الابن في عياله فهو مشروط كما يعلم من عباراتهم بشروط منها اتحاد الصنعة، وعدم مال سابق لهما، وكون الابن في عيال أبيه فإذا عدم واحد منهما لا يكون كسب الابن للأب وانظر إلى ما عللوا به المسئلة من قولهم لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع، فمدار الحكم على ثبوت كونه معينا له فيه فاعلم ذلك اه وأجاب الخير الرملي عن سوال اٰخر بقوله حيث كان من جملة

عياله والمعين له في أموره وأحواله فجميع ما حصله بكده وتعبه فهو ملك خاص لأبيه لا شئ له فيه حيث لم يكن له مال ولو اجتمع له بالكسب جملة أموال لأنه في ذلك لأبيه معين حتى لو غرس شجرة في هذه الحالة فهى لأبيه نص عليه علمائنا رحمهم الله تعالى، فلا يجرى فيه إرث عنه، لكونه ليس من متروكاته اه وأجاب ايضاً عن سوال آخر بقوله إن ثبت كون ابنه وأخويه عائلة عليه وأمرهم في جميع ما يفعلونه إليه وهم معينون له فالمال كله له، والقول قوله فيما لديه بيمينه، وليتق الله فالجزاء أمامه وبين يديه وإن لم يكونوا بهذا الوصف بل كان كل مستقلاً بنفسه واشتركوا في الأعمال فهو بين الأربعة سوية بلا إشكال وإن كان ابنه فقط هو المعين والإخوة الثلاثة بأنفسهم مستقلين فهو بينهم أثلاثاً بيقين، والحكم دائر مع علته بإجماع أهل الدين الحاملين لحكمته (تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/۱۸،۱۷)

کوئی کاروبار باپ نے شروع اور قائم کیا ہو اس کے بعد اس کاروبار میں اس کا وہ بیٹا جو باپ کے ساتھ ہی ایک مکان میں رہتا ہے اور کھاتا پیتا ہے، بحیثیت مددگار باپ کے ساتھ کام کرنے لگے، اس صورت میں کاروبار کی ملکیت باپ کی شمار ہوتی ہے، آپ نے جو سوال کیا ہے اس میں وہ صورت نہیں؛ بلکہ شروع ہی سے دکان بیٹے نے ہی قائم کی اور آخر تک وہی اس کو چلاتا رہا، بس اتنی بات ہے کہ اس دکان کو قائم کرنے کے لیے سرمایہ باپ نے دیا تھا، مگر اس کی وجہ سے باپ اس دکان کا مالک نہیں قرار دیا جاسکتا، کتب فقہ میں اس کی کوئی نظیر احقر کی نظر سے نہیں گزری، اب سوال رہ جاتا ہے ان پچاس ہزار روپیوں کا جو باپ نے بیٹے کو دیے تھے، اگر یہ رقم

بطور تبرع وتعاون دی تھی تو بیٹے پر اس کی واپسی نہیں اور اگر بطور قرض دی تھی تو اس کی ادائیگی بیٹے پر ضروری ہے اور وہ رقم باپ کے ترکہ کا ایک حصہ شمار ہو کر تمام ورثاء میں ان کے وراثت کے بقدر تقسیم ہوگی (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر یہ بیٹا وہ رقم باپ کو ادا کر چکا ہے تو اب دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور اس صورت میں مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے کہ اس دکان اور مکان پر باپ کا کوئی حق نہیں)۔

تقسیم وراثت کے موقع پر لڑکے کا اس دکان اور مکان کو یہ سمجھ کر شمار کرنا کہ یہ باپ کے ترکہ کا ایک حصہ ہے اور بعد میں مسئلہ کی حقیقت معلوم ہونے پر اس کو اپنا ذاتی بتلانا دونوں میں کوئی منافات نہیں، اصلی مسئلہ کے اعتبار سے بیٹے کے لیے ان دو گواہوں کو بھی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، جو اس نے پیش کیے ہیں، اس لیے کہ فقہاء نے اس جیسے کاروبار میں باپ کی ملکیت ہونے کے لیے جو شرائط پیش کیے ہیں، وہ صورت مسئولہ میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس لیے لامحالہ اس دکان اور مکان کا مالک تنہا وہ بیٹا ہے، دوسرے ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں، البتہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ پچاس ہزار کی رقم وہ ترکہ میں شامل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری ۲۴ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## شوہر کے کاروبار میں بیوی کا تعاون اور میراث کا حکم

**سوال**: بات یہ ہے کہ ایک عورت کو شادی کئے ہوئے اٹھائیس سال ہوئے، ابتدائی ۹ر سال عورت گھر میں رہی، کام نہیں کیا اس درمیان اس کے شوہر نے خوب

محنت کر کے ستر ہزار ڈالر جمع کیے ان روپیوں کو تجارت میں لگائے۔ اس کے بعد سے آخری انیس سال سے عورت بھی ہفتہ بھر اس کاروبار کے چلانے میں شوہر کے شانہ بشانہ ساتھ میں کام کر رہی ہے، آج ان کے پاس دو دکان و دو مکان ہیں اولاد میں چار بیٹے ہیں، ہر ایک بالغ ہے ان میں سے دو پڑھ لکھ کر خود کمانے کے قابل ہو گئے ہیں، دونوں کو اعلیٰ قسم کے عہدہ کی نوکری ہے، اور دو کی تعلیم جاری ہے، ایک شادی شدہ ہے، دوسرے کی فروری میں شادی ہونے والی ہے، اور تمام مل کر ایک ساتھ رہتے ہیں، آج تک میاں بیوی نے جو کچھ کمایا وہ جائداد ہے، جو ماقبل میں مذکور ہوئی، جو کہ مشترکہ ہے، تمام کے درمیان کسی کے پاس ایک پائی بھی الگ سے نہیں ہے، فقط عورت کے پاس دس بارہ ہزار کے زیورات ہیں، اسلامی قانون و شریعت کے مطابق شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو دو آنہ حصہ ملتا ہے، اور باقی جائداد اولاد اور ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے، کسی قسم کی تکرار اور جھگڑا کے بغیر اس بات کو منظور و تسلیم کیا جاتا ہے، عورت ایک نیک خاتون ہے، اس کا اولاد اور ورثاء کے حق کو دبانے اور چھین لینے کا کوئی برا ارادہ نہیں ہے، عورت فقط یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ خدانخواستہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں کیا یہ ممکن ہے اور جائز ہے کہ عورت ان دکانوں اور مکانوں کو تادمِ حیات اپنے قبضہ میں رکھ کر اس کے ذریعہ سے اپنا گزارہ کر سکے، جب عورت بھی زندہ نہ رہے اس کے بعد وہ جائداد اولاد و ورثاء میں تقسیم کی جائے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت ہے کہ عورت جب تک زندہ رہے، اس جائداد کو اپنے قبضہ میں رکھ سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں شوہر نے محنت کر کے ستر ہزار ڈالر جمع کئے اور اس رقم کو تجارت میں لگایا اس کے بعد ۱۹؍سال تک عورت بھی کاروبار چلانے میں شوہر کے شانہ بہ شانہ کام کرتی رہی، اور آج ان کے پاس دو دکان اور دو مکان ہیں، شرعی مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے خالص اپنی رقم سے کاروبار شروع کیا اور بیوی کاروبار میں اس کی مدد گار رہی تو اس سے حاصل شدہ تمام منافع کا مالک شوہر ہی ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے: ذكر شيخ الإسلام جلال الدين في أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال فاجتمع لهما من الكسب أموال الكل للأب لأن الا بن إذا كان في عياله فهو معين له، ألا ترى أنه لو غرس شجر فهى للأب وكذا الحكم في الزوجين اھ (۹۵۱)

اس لیے صورت مسئولہ میں شوہر کے انتقال پر یہ تمام جائیداد شرعی قانون کے مطابق خود بخود ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے گویا ورثاء اس کے مالک بن جاتے ہیں، اور ورثاء میں مذکورۃ الصدر بیوی کے علاوہ چار بیٹے ہیں، اس لیے بیوی کو ترکہ کا آٹھواں حصہ دے کر باقی ترکہ چاروں بیٹوں میں مساوی طور پر چار حصوں میں تقسیم ہوگا، چوں کہ بیٹے بطور وراثت اپنے حصہ کے مالک بن چکے ہیں، اس لیے بیوی یعنی ان بیٹوں کی ماں ساری جائیداد کو بیٹوں کی مرضی کے بغیر اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتی، البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ شوہر کے انتقال کے بعد لڑکے اپنے حصہ کا مطالبہ کر کے اس پر الگ سے قابض ہو جائیں گے اور بیوی کے حصہ میں جو آٹھواں حصہ آتا ہے وہ اس کی ضرورتوں کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو

مشکلات کا سامنا ہوگا، تو اس صورت میں شوہر اپنی زندگی ہی میں دو مکانوں میں سے ایک مکان اور دو دکانوں میں سے ایک دکان بطور ہبہ بیوی کو دے کر اس کے قبضہ اور تصرف میں دے دے، اس صورت میں وہ ان دونوں چیزوں کی مالک بن جائے گی اور شوہر کے انتقال کے بعد اس کے لیے کوئی دشواری نہ رہے گی، نیز چوں کہ اس جائیداد کے حاصل کرنے میں بیوی نے بھی بطور تعاون برابر کا حصہ لیا، ہے اور خود اس عورت کے انتقال کے بعد وہی چار بیٹے ورثاء میں ہیں اس لیے شرعی طور پر بھی شوہر کے لیے آدھی جائیداد ہبہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱؍ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## بیٹیوں، نواسوں اور بیوی کے لیے وصیت وھبہ

سوال: (۱) ایک شخص عبد الغنی نے مرنے سے پہلے اپنا ایک مکان اپنے دو نواسوں کے نام وصیت کر دیا؛ نیز مذکورہ شخص کے ترکہ میں ۴۰/ ہزار تھے، اس کی بابت وصیت یہ کی کہ ۱۰-۱۰/ ہزار دونوں بیٹیوں کے، اور ۱۰/ ہزار نواسہ، اور ۱۰/ ہزار بیوی کے۔ مرحوم شخص کی صرف دو لڑکیاں ہیں: ان میں سے ایک صاحب اولاد ہے، دوسری کی اولاد نہیں، عبد الغنی کی بیوی نے شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی وصیت میں تغیر کر دیا اور وہ مکان مرنے والے کی لڑکیوں کے نام کر دیا تو وصیت میں تغیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکیوں کی موجودگی میں نواسوں کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) مرحوم شخص کے پاس دوسرا مکان جس میں ان کا نواسہ- جسے انہوں نے پالا

تھا وہ-رہتا تھا، اسے گھر خالی کرنے کو کہتے ہیں تو وہ خالی نہیں کرتا ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کی رقم دیدو تو وہ بھی نہیں دیتا تو شریعت اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ نیز وہ ۴۰/ ہزار کی تقسیم جس کی مرحوم نے وصیت کی تھی کہ کس کس کو دیا جائے؟ تو وہ بیوی کے مرنے کے بعد ہوگی تو بیوی کے ۱۰/ ہزار پھر ترکہ میں بچے؛ نیز ایک مکان جس کی بابت وصیت کر گئے تھے نواسوں کے نام اور دوسرا مکان۔ یہ کل ترکہ ہے مرحوم کا، آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں وراثت اور وصیت دونوں کے متعلق جواب عنایت فرماویں، مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اس مرنے والے نے جو کل ترکہ چھوڑا ہے اس کی تجہیز وتکفین کے مصارف اور اس کے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچ جائے اگر وصیت کیا ہوا وہ مکان اس بچے ہوئے ترکہ کے ایک تہائی میں آتا ہے تو اس کی وصیت کے مطابق وہ مکان اس کے دونوں نواسوں کو-جن کے لیے وصیت کی ہے- ملے گا، اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے تو ایک تہائی میں جتنا مکان آتا ہے اتنا مکان ملے گا، باقی ورثاء کا حق ہے، چالیس ہزار نقد رقم کے سلسلہ میں جو وصیت بیٹیوں اور بیوی کے حق میں کی ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ تینوں اس کے شرعی ورثاء ہیں اور وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے۔

اس کے تمام ورثاء کی تفصیل بتلا کر وراثت کی تقسیم معلوم فرمالیں، جب اس کی نرینہ اولاد نہیں ہے تو اس کے بھائی یا بھائی کے لڑکے یا چچا وغیرہ کو حق وراثت حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کی تفصیل بھی بتلائی جائے۔

② مرحوم کا نواسہ وارث نہیں ہے، اگر مرحوم نے وہ مکان اس نواسہ کو اپنی زندگی میں ہبہ کر کے حوالہ کر دیا تھا تو اب وہ نواسہ کا ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو نواسہ کا اس پر قابض ہونا درست نہیں ہے، غصب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

## مرحومہ بیوی کے زیورات میں شوہر کا حصہ

سوال: اگر کسی ماں یا باپ نے لڑکی کو سونا یا چاندی دیا بوقتِ نکاح، اب لڑکی کا کچھ مہینوں کے بعد انتقال ہو گیا تو یہ مال جو والدین نے دیا ہے اس میں سے شوہر کا کتنا حصہ لگے گا اور یہ حصہ کیوں لگا، حالاں کہ مال تو والدین کا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بوقتِ نکاح جو زیورات والدین کی طرف سے لڑکی کو دیئے جاتے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہیں، اب جب کہ لڑکی کا انتقال ہو گیا تو اس کے دوسرے مال کی طرح یہ زیورات بھی ترکہ میں شامل ہیں اور ترکہ کے حقدار اس کے ورثاء ہیں، اور ورثاء میں شوہر بھی ہے، اب اگر اس لڑکی کی کوئی اولاد نہیں ہے تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر اولاد ہے تو چوتھائی ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

## موروثی کرایہ کے فلیٹ میں میراث

سوال: ① زید کے نانا نے بمبئی میں ایک بڑا فلیٹ اس زمانے میں کرایہ پر لیا تھا جب کہ وہاں پگڑی کا رواج نہیں تھا، اس میں ایک حصہ میں آفس چلائی اور بڑے

حصے میں رہائش کی، ان کے بعد زید کے والد، چچا اور ماموں نے مل کر آفس چلائی، اور ایک شاخ اس کی سورت میں بھی تھی، بعد ازاں بمبئی اور سورت کے حصہ داروں نے اپنا اپنا حصہ الگ کر کے ساجھے داری ختم کی اور بمبئی کا فلیٹ زید کے والد کے حصہ میں آیا جنہوں نے زید کو بھی پھر اپنا چالیس فیصد کا شریک بنایا، زید کے دو بھائی اور تین بہنیں دوسرے شہروں میں مقیم ہیں، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد زید کا قبضہ اس فلیٹ پر رہ گیا، اب والد صاحب کی میراث کی تقسیم پر اس فلیٹ کی پگڑی بازار دام سے ۲۴/ لاکھ لگائی گئی، سب وارثوں کی مشترکہ بیٹھک میں مکان مالک کے ۳۰/ فیصد اور زید کے چالیس فیصد الگ کر کے بقیہ ۸/ لاکھ والد کے حصہ کے زید بھائی بہنوں کو دینے پر راضی ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کو یہ پگڑی کی رقم ادا کرے اس معاوضہ کے بدلے کہ اس نے والد کی آفس و مکان لے لی ہے؟ یا اس پر قرض رہے گا کہ جب وہ خالی کرے اور پگڑی ملے تب ادا کرے جب کہ خالی کرنے کا ابھی کوئی سوال ہی نہیں ہے، اور زمانے گذرنے پر ورثاء کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی، اور کیا بھائی بہنوں کو یہ رقم لینا جائز ہے؟ اور اگر نہ ہو تو ان کا حصہ بھی اس فلیٹ پر برقرار رہے گا؟

(۲) زید کے والد کے انتقال کو ۹/ سال کا عرصہ ہو گیا ان کے کچھ شیئرز ہیں اس پر زکوۃ ہر سال کون ادا کرے؟ یا جو ڈیویڈنڈ تقسیم ہوتے رہتے ہیں وہی رقم پر ورثاء زکوۃ دیں؟

(۳) والدہ کے انتقال کو ۲/ سال ہوئے ان کے زیور ہنوز تقسیم نہیں ہوئے تو ان

کی دو سال کی زکوۃ کون دے؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① جب یہ فلیٹ زید کے نانا نے پگڑی کے بغیر حاصل کیا تھا اور ان کے بعد زید کے باپ کے پاس اور ان کے بعد زید کے پاس قبضہ در قبضہ پہنچا ہے اب اس کی پگڑی کے نام سے جو رقم بھی ملے گی یا مل سکتی ہے وہ پوری کی پوری مالکِ مکان کا حق ہے، اس میں سے کچھ بھی لینا زید یا اس کے بھائی بہنوں کے لیے درست نہیں ہے۔

فلیٹ زید کے باپ کی ملکیت نہیں ہے؛ بلکہ کرایہ کا ہے، اس لیے اس میں زید یا اس کے بھائی بہنوں کے حصہ کا شرعاً کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

② زید کے والد کے انتقال فرماتے ہی ان کے متروکہ شیئرز پر والد کے ورثاء کی ان کے حصۂ میراث کے بقدر ملکیت ثابت ہو چکی ہے، ہر وارث اپنے دوسرے اموال کے ساتھ اپنے اس حصۂ میراث کی زکوۃ ادا کرے بشرطیکہ وجوبِ زکوۃ کے شرائط اس وارث میں پائے جاتے ہوں، ڈیویڈنڈ کی رقم اگر جمع ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

③ والدہ کے متروکہ زیور کا بھی ایسا ہی حکم ہے جیسا کہ والد کے متروکہ شیئرز کا حکم اوپر بتلایا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ایک کنویں میں ورثاء کا تنازع

**سوال**: بندہ کے چھ بھائی اور دو بہن ہیں اور والدہ صاحبہ بھی بقیدِ حیات ہے،

اور والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، اور والد صاحب نے اپنی حیات میں سب چیزوں کی تقسیم کر دی تھی بفضلہٖ تعالیٰ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایک کنواں ہے جو والد صاحب نے بڑے بھائی کے تعاون سے ۱۰/ فٹ کھدائی کی تھی، اس کے بعد بڑے بھائی رہائش کے اعتبار سے الگ ہو گئے، اور پانچ بھائی فی الحال شریک ہیں، اور اس کے بعد دوسری بار کنویں کی گہرائی کے لیے ۱۰/ فٹ سے آگے کھدائی کے لیے اور دو لاکھ سے زائد مرمت وغیرہ میں خرچ کیا، اس کے بعد والد صاحب نے بڑے بھائی کو چھوڑ کر پانچ بھائیوں میں کنویں تقسیم کر دی، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کنویں میں اپنا حصہ مانگ رہے جب کہ دو لاکھ جو خرچ ہوا اس میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا، اور والد صاحب نے تقسیم بھی کر دیا تھا، اس لیے پانچ بھائی حصہ دینے سے منع کر رہے ہیں اور بڑے بھائی حصہ لینے کے لیے مصر ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ ان کو حصہ دیا جائے یا نہیں؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

کنویں کے شروع کے دس فٹ کی کھدائی میں بڑے بھائی نے والد مرحوم کا جو تعاون کیا تھا اس وقت وہ والد صاحب کے ساتھ ہی رہتے تھے اور کھانا پینا وغیرہ بھی والد صاحب کے ساتھ ہی تھا، اس لیے کنویں کی کھدائی میں انہوں نے جو حصہ لیا اس کی حیثیت محض تعاون کی ہے، اس بنیاد پر نہ تو ان کو کنویں میں کوئی حصہ ملتا ہے، نہ ہی اس کام کے معاوضہ یا اجرت کے طور پر کسی چیز کے حقدار ہیں، اس کنویں پر پوری ملکیت والد صاحب ہی کی تھی، اور پھر آگے چل کر جب والد صاحب نے اس کی مزید کھدائی کی اور اس میں خرچہ کیا اور بعد میں تیار ہونے پر وہ کنواں بڑے بھائی کے

علاوہ باقی پانچ بھائیوں کو ہبہ کر دیا، تو اب اس میں بڑے بھائی کا کوئی حق نہیں، اس لیے ان کا اس کنویں میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## والد کے انتقال کے بعد بہنوں کے حصص میں تصرف تبرع ہے

سوال: ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں، اور ہماری والدہ ہیں، ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوئے دس سال ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنی جائیداد میں گھر، کھیت، گارنمنٹ فیکٹری، ہوٹلس اور بلڈنگ کنٹرکشن یہ سب چھوڑا تھا، اس وقت ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں کچھ وصیت نہیں کی تھی، اب اللہ کے حکم سے بھائیوں نے دھندے میں بہت ترقی کی ہے، اور اب تک انہوں نے ہم بہنوں کو نہ ہی کچھ دیا ہے، اور نہ ہی کچھ والد صاحب کے انتقال کے بعد کوئی حصہ کی بات کی ہے، اب ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ ہمارے والد صاحب کے انتقال کے پہلے کی جائیداد میں لگے گا یا اب تک جو بھائیوں نے بنایا ہے اس میں بھی ہمارا حصہ لگے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کے انتقال کے بعد باپ کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو والدہ صاحبہ کی موجودگی میں بھائیوں نے آگے بڑھایا ہے، ہمارے یہاں کا عرف یہی ہے کہ اس طرح کے کاروبار کو مشترک ہی سمجھا جاتا ہے، گویا کہ بھائی بہنوں کے حصہ میں جو تصرف کر رہے ہیں وہ از قبیلِ تبرع ہے جو بضاعت پر محمول ہوگا، اس لیے مالِ مشترک میں تجارت

کر کے بھائیوں نے جو نفع حاصل کیا ہے، مال بڑھایا ہے وہ تمام ورثاء پر تقسیم ہوگا۔

كما صرح به الشيخ المفتي كفاية الله الدهلوي في فتاواه (۱۰۱،۱۰۲/۸)

البتہ اگر بھائی یہ دعویٰ کریں کہ اب تک جو کچھ کاروبار اور تصرف ہم نے کیا وہ اپنے لیے کیا، بہنوں اور والدہ کے لیے نہیں تو اس صورت میں نفع بھائیوں کی ملک سمجھا جائے گا؛ لیکن نفع کی جو مقدار ترکہ میں بھائیوں کے حصہ سے حاصل ہوئی وہ تو ان کے لیے حلال اور پاکیزہ ہے، اور جو مقدار ترکہ میں بہنوں کے حصہ سے حاصل ہوئی وہ خبیث ہو کر واجب التصدق ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## غیر مسلم کی میراث عطیہ کی صورت میں

**سوال**: ایک فرانسیسی ساتھی جس کو حق تعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے نوازا ہے، اور اچھی پختگی حاصل ہے، اس کے سامنے ایک مسئلہ ہے، میں نے عرض کیا کہ دریافت کر کے یورپ روانہ کر سکتا ہوں، مذکور ساتھی کے والدین بھی ایمان سے محروم ہیں، والد فوت ہو چکے ہیں، اسے یہ معلوم کرنا ہے کہ دین کے اختلاف سے وراثت تو نہیں ہوتی؛ مگر یہاں فرانس میں سرکاری قانون یہ ہے کہ میراث کے مال کی تقسیم حکومت کی زیرِ نگرانی ہوتی ہے، اگر میرے والدین کی میراث میں نہیں لیتا ہوں، تو وہ مال حکومت لے لے گی، ایسی صورت میں میرے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب**: حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد

منقول ہے: "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" اسی ارشاد کی بنیاد پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی کافر مورث کے مال میں وارث نہیں ہوگا؛ البتہ بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ وہ کافر مورث کے مال میں مسلمان وارث کو مستحقِ وراثت قرار دیتے تھے؛ لیکن جمہور صحابہ وتابعین کا یہ مسلک نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ نومسلم ساتھی اپنے غیر مسلم باپ کے مال میں بطورِ حصہ وراثت پانے کا حقدار نہیں؛ لیکن اگر وہاں کی حکومت اپنے قانون کے ماتحت مالِ میراث تقسیم کرتے ہوئے اس کو مال دیتی ہے اور اس کے اس مال کو قبول نہ کرنے کی صورت میں خود حکومت وہ مال لے لیتی ہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اس مال کو لینے کی اجازت ہے، اس کے لیے یہ حکومت کا عطیہ سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نوٹ: یورپی کونسل برائے تحقیق وافتاء نے تو باقاعدہ اپنی قرارداد میں اس کی صراحۃً اجازت دی ہے، کونسل کی اس قرارداد کی فوٹو کاپی اور اس کونسل کے اراکین کے ناموں کی فہرست اس فتویٰ کے ہمراہ منسلک ہے، اس قرارداد کا اردو ترجمہ بھی ساتھ میں بھیجا جا رہا ہے۔ (قرارداد وفتاوی "المجلس الاروبی للإفتاء والبحوث المجموعتان الأولی والثانیة" سہ ماہی بحث ونظر ۴/ ۱۳، جنوری ۲۰۰۱ء)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عبد القیوم راجکوٹی)

## باپ نے بیٹوں کی کمائی سے جائداد خریدی تو مالک کون ہے؟

سوال: تین لڑکے اور ایک لڑکی اور ماں باپ یعنی میں اور میری بیوی ہیں، بمبئی میں میرا ایک گھر تھا اس کو بیچ کر میں نے ایک دکان خریدی، اس کے بعد ہم اس دکان

میں رہنے لگے، یہاں سے میں نے اپنے بڑے لڑکے کو سعودی بھیجا، پھر میں نے دوسرے لڑکے کو سعودی بھیجا، میں اور میرا چھوٹا بیٹا اور بہن انڈیا ہی میں کام کرتے رہے، سعودی سے جو پیسے آتے تھے میں نے دکان خریدی، گھر خریدے، اس وقت میرے پاس ٦/ دکانیں ٥/ گھر ہیں، میں نے بڑے لڑکے کی شادی کی، بیٹی کی شادی کی، پھر بڑے لڑکے سے چھوٹا لڑکا ہے اس کی شادی کی، بڑے لڑکے کی تین لڑکیاں ہیں، ایک لڑکا ہے، بیٹی کا ایک لڑکا اور تین لڑکیاں، چھوٹے لڑکے کی شادی ابھی نہیں کی ہے، اس کی بھی شادی کرنی ہے انشاء اللہ، میری سب سے اچھی دکان جس کی سب دکانوں سے زیادہ قیمت ہے اس دکان کو میرے بڑے لڑکے نے بنانے کے لیے مجھے کہا تو میں نے اپنے چھوٹے لڑکے سے کہا - جو کہ سعودی ہی میں تھا - تمہارے بھائی جان دکان بنانے کو کہہ رہے ہیں، میرے پاس دکان بنانے کے پیسے نہیں ہیں؛ لہٰذا تو سعودی سے کیسے بھی کر کے اپنے سیٹھ سے بول کر یا اپنے دوستوں سے ادھار لے کر بھیج جس سے دکان بنائی جائے، تو لڑکے نے ادھار لے کر پیسے بھیجے، کچھ پیسے میں نے یہاں سے ادھار لیے اور دکان بنائی، دکان بنانے کے بعد میرا لڑکا دکان پر بیٹھ گیا، دکان پر بیٹھنے کے بعد لڑکے نے مجھ کو کچھ نہیں دیا؛ یہاں تک کہ جو قرض میں نے دکان بنانے کے لیے لیا تھا وہ بھی پیسے نہیں دیئے، وہ قرضہ بھی مجھ کو ہی چکانا پڑا، ایک فلیٹ بھی اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا جو کہ سب سے اچھا ہے، اتنا ہونے کے بعد اب میرے بڑے لڑکے کا کہنا ہے کہ میں نے جو اپنا گھر بیچ کر دکان خریدی تھی اس کو چھوڑ کر ہم دونوں بھائی جو سعودی میں تھے جتنی بھی دکانیں اور گھر ہیں وہ صرف ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوں گے، اس میں نہ تو چھوٹے بھائی کا حصہ ہے اور نہ ہماری بہن کا

حصہ ہے، یعنی پانچ دکان اور پانچ گھر صرف ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوں گے؛ کیوں کہ ہم دونوں بھائیوں نے سعودی سے کما کر بھیجا تھا، اور نہ ہی اس میں ہم دونوں میاں بیوی کا حصہ ہے، اس کے علاوہ یہ بھی بڑے لڑکے کا کہنا ہے میں نے زیادہ کمایا ہے؛ لہٰذا مجھ کو اور بھی زیادہ ملنا چاہیے، میری سمجھ میں نہیں آتا مجھ کو کیا کرنا ہے؟ میرا چھوٹا لڑکا بھی کماتا ہے، میں خود بھی کماتا ہوں، میری تقریباً ساٹھ سال کی عمر ہے، پھر بھی مجھ سے جو کچھ ہوتا ہے کماتا ہوں، اللہ جانتا ہے میں بہت تنگا ترشی کر کے یہ سب کچھ بنایا ہے، ایک پیسہ بھی غلط خرچ نہیں کیا ہے، میں بہت پریشان ہوں میں کس طرح سے تقسیم کروں میری سمجھ میں نہیں آتا، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کا حق مارا جائے؛ لہٰذا برائے مہربانی مجھ کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بتایئے میں کس طرح تقسیم کروں؟ ہم دونوں میاں بیوی کے حصہ میں کیا آئے گا؟ میری لڑکی کے حصہ میں کیا آئے گا؟ اور میرے تینوں لڑکوں کے حصہ میں کیا آئے گا؟ تفصیل وار مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی، میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

آپ نے جو تفصیلات اپنے سوال میں لکھی ہیں، اس کا حاصل یہی ہے کہ بحیثیت باپ آپ نے اپنا مکان بیچ کر دکان خرید کر کاروبار شروع کیا اور اسی ضمن میں آپ نے اپنے مصارف سے اپنے دو بیٹوں کو بیرونِ ملک کمانے کے لیے بھیجا، اور وہ دونوں جیسا کہ دستور ہے وہاں سے حاصل شدہ کمائی آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہے، ان کا آپ پر ان رقوم کا بھیجنا بطورِ قرض یا توکیل نہیں تھا؛ بلکہ جیسا کہ ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں مشترکہ خاندان کا دستور رہے کہ اولاد کما کر باپ کی خدمت میں

پیش کرتی ہے، ان کا یہ دینا بطورِ تملیک اور سلوک واحسان ہی ہوتا ہے، اس لیے اس میں حساب کتاب کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی؛ بلکہ باپ بحیثیتِ مالک کے اس میں پورا تصرف کرتا ہے، اور یہ سب باپ کی ملک سمجھا جاتا ہے، اس لیے آج تک آپ نے اس طرح جو دکانیں اور مکانات خریدے وہ آپ ہی کی ملک ہیں، ان کے متعلق آپ کے بڑے بیٹے کا یہ کہنا کہ وہ صرف ہم دو بھائیوں کا ہے جو سعودی میں تھے درست نہیں، آپ اس تمام جائداد کے تنہا مالک ہیں۔

اگر آپ اپنی موجودہ اولاد میں اس کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی طرف سے ہبہ اور بخشش شمار ہوگا، جس کی مناسب صورت یہ ہے کہ آپ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پاس رکھ کر اپنی بیوی کو اس میں سے ان کی ضرورت کے بقدر دے کر باقی جائداد کو چار مساوی حصوں میں تقسیم فرما کر ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ان کے قبضے کے ساتھ بطورِ ہبہ دے دیں، اگر کسی شرعی مصلحت کے پیشِ نظر ان میں سے کسی کو زیادہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ جمادی الاولی سنہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## بیٹے کی کمائی میں والد کا حقِ مطالبہ

سوال: (۱) میرے والد عبدالقدوس کانپور کپڑا کی میل میں ملازمت کرتے تھے، اور مجھے بھی وہیں بلا کر بیگ بنانے والے کے یہاں ملازمت پر رکھوادیا، اب سوال ہے کہ کیا میری کمائی کے شرعی مالک والد صاحب ہیں یا میں خود؟

(۲) چار یا پانچ سالوں کے بعد میں کپڑے کا کاروبار کرنے کے لیے ۱۹۹۱ء میں بمبئی آیا اور اپنے بردار نسبتی نیاز احمد کے یہاں کاروبار سیکھنے کی غرض سے رہا، کاروبار سیکھ لینے کے کچھ ہی دنوں بعد میں نے پانچ ہزار روپئے اپنے برادر حقیقی محمد عیسیٰ بن عبد القدوس کو کاروبار کے لیے دیا، اور میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگا، یہ واضح رہے کہ یہاں میں ملازم کی حیثیت سے کام نہیں کر رہا تھا، اس کام میں تقریباً دس سال میں ان کے ساتھ تھا، محنت اور دیگر امور میں ہمیشہ آگے رہا، ۴/ مئی ۲۰۰۱ء کو ہم دونوں بھائیوں نے تقریباً دس سال باہمی رضامندی سے کل کاروبار کو آپس میں نصف نصف تقسیم کرلیا، اب سوال ہے کہ کیا میرا علیحدہ ہونا شرعاً غلط تھا؟ اور اس طرح جو کچھ حصہ مجھے میرے بھائی محمد عیسیٰ بن عبد القدوس نے دیا تھا وہ اب آیا بھائی اور والد صاحب کی ملکیت ہے؟ اور اب میں محمد اسحاق اس کا مالک نہیں رہا؟

(۳) علاحدگی کے ساڑھے چار سال بعد اب والد صاحب مجھ سے: سب سے چھوٹے والے بھائی محمد الیاس بن عبد القدوس کا حق مانگ رہے ہیں، کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟ جب کہ کاروبار کے وقت محمد الیاس نہیں تھے، اور علاحدگی کے وقت بھی وہ نہیں تھے، درمیان میں بغرض تعلیم تقریباً دو سال ہمارے ساتھ رہے، ان دو سالوں میں ان کے تعلیمی اخراجات اور دیگر ضرورتوں کو ہم دونوں بھائی محمد عیسیٰ اور اسحاق نے پورا کیا۔

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

(۱) بیگ بنانے والے کے یہاں بطور ملازم کام کر کے مزدوری اور اجرت کے طور پر جو کچھ بھی آپ نے حاصل کیا ہے، اس کے مالک آپ ہیں؛ والد صاحب نہیں۔

(۲) اپنے حقیقی بھائی محمد عیسی کے ساتھ پانچ ہزار روپیوں کے ذریعہ شرکت کرکے جو کچھ کمایا اور حاصل کیا اور بعد میں دونوں بھائیوں نے باہمی رضامندی سے کل کاروبار کو آپس میں نصفا نصف تقسیم کرلیا تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اس طرح تقسیم کے بعد آپ کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے اس کے تنہا مالک آپ ہی ہیں، والد صاحب یا کوئی اور بھائی اس پر ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ قابلِ قبول نہیں۔

(۳) نمبر دو میں مذکور آپ کے حصہ میں آئے ہوئے کاروبار میں والد صاحب کا آپ کے چھوٹے والے بھائی محمد الیاس کے لیے بطورِ حق حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ اوپر تینوں جوابات میں باعتبارِ ملکیت جس کا شرعی حقِ ملک ہے اس کی وضاحت کردی گئی ہے؛ البتہ سوال کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ والد صاحب آپ سے مطالبہ فرمارہے ہیں تو جیسا کہ اوپر جواب میں صاف صاف بتلا دیا گیا کہ بطورِ ملک اس میں ان کا کوئی حق اور حصہ نہیں؛ لیکن چوں کہ معاملہ والد صاحب کا ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اولاد پر والدین کے بڑے حقوق رکھے ہیں، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا سب کچھ آپ کی ملک ہونے کے باوجود آپ والد صاحب کو ٹکا سا جواب دینے کے بجائے ایسی صورت اختیار کیجئے کہ وہ آپ سے خوش رہیں، اس کے لیے اگر آپ کو مالی قربانی دے کر کچھ بوجھ برداشت بھی کرنا پڑے تو کرلیں، اور اسی میں آپ کی دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# مورث کی حیاتی میں حصۂ میراث مانگنا اور گرام پنچایت میں نام ہونے سے ملکیت سمجھنا

سوال: میری والدہ ماجدہ حیات ہے، آج سے تقریباً بیس سال قبل انہوں نے اپنے ذاتی پیسوں سے ایک زمین خریدی تھی، جس میں نہ تو میرے والد صاحب کا کوئی پیسہ لگا اور نہ ہی ہم بھائی بہنوں کا، زمین کی خریداری کے بعد میری ایک بہن نے گرام پنچایت میں ہم چاروں بہن بھائیوں کے نام بطورِ وارث ڈال دیئے، (اس وقت ہم دو بھائی اور دو بہن والدہ محترمہ کے شرعی وارث تھے) اب ایک بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم بھائی کی اہلیہ اور ان کا لڑکا (میری بھابھی اور بھتیجا) والدہ سے اپنا حصہ مانگ رہے ہیں تو آپ سے درخواست ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں کہ میری والدہ کی زمین میں ان کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بنتا ہے تو کتنا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی والدہ صاحبہ نے جو زمین اپنی ذاتی رقم سے خریدی اس زمین کی وہ تنہا مالک ہیں، اور جب تک وہ حیات ہیں اس میں اپنی مرضی سے جس نوع کا تصرف کرنا چاہیں کر سکتی ہیں؛ نیز جب تک وہ حیات ہیں اس زمین میں ان کی اولاد یا اور کسی وارث کو حصۂ وراثت حاصل نہیں؛ اس لیے کہ وراثت کا تعلق آدمی کی موت سے ہے، اس لیے آپ کے مرحوم بھائی کی بیوہ اور ان کے بیٹے کا اس زمین میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا جائز اور درست نہیں، آپ کی جس بہن نے پنچایت میں اس زمین کے

وارثوں کے طور پر آپ بھائی بہنوں کے نام ڈلوا دیئے تھے ان کا یہ اقدام شرعاً جائز اور درست نہیں، اور اس طرح نام ڈلوا دینے کی وجہ سے جن کے نام ڈلوائے گئے ہیں وہ اس کے مالک نہیں بن گئے؛ بلکہ آج بھی وہ زمین آپ کی والدہ صاحبہ کی ملکیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

## وراثت اور جائیداد میں تنازع پر مختلف سوالات

سوال: میرے والد صاحب کے دو بیٹے ہیں: ایک کا نام زید، اس کی عمر ۴۴/ سال، دوسرے کا نام ابوبکر، اس کی عمر ۴۰/ سال، اور ایک بہن: اس کی عمر ۳۶/ سال، اور والدہ کی عمر ۶۰/ سال۔

میں محمد زید ۱۳/ سال کی عمر سے اسکول جاتے ہوئے والد محترم کے ساتھ دکان میں لگ گیا تھا، اس کے بعد پندرہ سال کی عمر میں اسکول چھوڑ کر دکان کے کاروبار میں لگ گیا، میرے چھوٹے بھائی دینی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے مدرسہ میں پڑھ رہے تھے، دکان کی خرید وفروخت میں ہی سنبھالتا تھا، والد صاحب صرف نگرانی کرتے تھے، اور بھاڑا چھٹی (گڈوِل) والد صاحب کے نام تھی، کئی لوگوں نے کہا کہ گڈوِل میں آپ کے بیٹے زید کا نام ڈال دو؛ مگر انہوں نے گڈوِل کے بجائے مال میں بیس فیصد حصہ ڈال دیا، شادی کے بعد میں والد صاحب کے بازو میں رہتا تھا، یہ جگہ ہمارے دادا کی تھی، جگہ بڑی تھی؛ مگر صرف ایک بڑا کمرہ، غسل خانہ بنالیا تھا، جہاں پر ہمارا سونا بچھونا تھا؛ مگر کھانا، پینا والدین کے ساتھ تھا، میری بیوی کے والد

یعنی میرے خسر کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد بیوی کی وراثت میں ایک لاکھ روپیہ ملا، یہ ایک لاکھ بیوی کے اور پانچ ہزار کل مل کر ایک لاکھ پانچ ہزار میرے، اور والد کی پیڑھی سے ایک لاکھ پچھتر ہزار، یہ دونوں رقم ملا کر دو لاکھ اَسّی ہزار سے پان کا کاروبار شروع کیا، اس سے منافع ہوا، اب یہ رقم تین لاکھ ہوگئی، تین لاکھ کی رقم ہم نے اپنے سالے کو ویڈ روڈ پر ایک جگہ لینے کے لیے دی، کچھ مہینوں کے بعد اس جگہ میں سے دو پلاٹ دے، جس میں ایک پلاٹ کی قبضہ رسید پر والد صاحب نے (Industris) اپنا نام لکھوایا، میرے بھائی نے دینی تعلیمات حاصل کر کے مولوی کی سند حاصل کرنے کے بعد ایک سال جلال آباد دارالافتاء میں مفتی کی سند حاصل کی، اور اس کے بعد جلگاؤں چلے گئے، اور کچھ مہینوں کے بعد مفتی صاحب اور میری بہن کی بھی شادی ہوگئی، مفتی صاحب اہلیہ کے ساتھ جلگاؤں میں مدرسہ کی نظامت کرتے تھے، دادی، دادا کا انتقال ہوگیا، دادا کے وراثوں میں میرے والد صاحب اور ان کے دو بھائی اور پانچ بہنیں تھیں، دادا کی جگہ پر میرا کمرہ تھا، اس جگہ پر سے میرا کمرہ توڑ کر وہاں پر اپارٹمنٹ بنا کر تمام وارثوں کو دو روم، کچن کا فلیٹ تقسیم کریں گے، اپارٹمنٹ کا باندھ کام خرچ باقی فلیٹوں کے بیچنے سے ہو جائے گا، باندھ کام کی ساری ذمہ داری والد صاحب کے بہن کے لڑکے کی اور میری تھی، یہ طے ہوا تھا کہ دو آدمی پیسوں کا لانا، کنٹراکٹر کی جواب داری وغیرہ سبھی یہ کریں گے، جس میں سے ہم دونوں کو دو دو لاکھ روپیہ دینا طے ہوا؛ اپارٹمنٹ کے فلیٹ بیچ کر منافع ہوا تو اس میں سے، اور نہ ہوا تو وارث دار اپنے اپنے پاس سے نکال کر ہم دونوں کو دو دو لاکھ دیں گے، منافع چار لاکھ ہوا، دو لاکھ والد صاحب کے بھانجے نے لیا، اور میرے حق کے دو لاکھ والد صاحب

نے لے لیے، حساب کتاب والد صاحب کے پاس ہی تھا (کمرہ ٹوٹنے پر میں اپنی بیوی اور تین بچیوں کے ساتھ والد صاحب کے گھر پردہ میں رہتا تھا) دکان کا کاروبار کافی ٹھنڈا ہونے لگا، دکان بیچنے کا مشورہ ہوا، اور یہ طے ہوا کہ دکان کی رقم میں سے تین حصے کریں گے: ایک والد صاحب کا، دوسرا میرا، تیسرا مفتی صاحب کا، اس بات پر سب ہی راضی تھے، دکان بیچ دی؛ مگر گھر کے دوسرے افراد کے سمجھانے پر یہ طے ہوا کہ حصے نہ بانٹو؛ بلکہ اس رقم سے کپڑے کی فیکٹری بنانے کا معاملہ طے ہوا، دکان کی رقم سے ان میں دو پلاٹ لیے اور فیکٹری کا باندھ کام شروع ہوا، پلاٹ دو لیے، ایک پلاٹ کے دستاویز پر والد صاحب نے اپنا نام لکھوایا، اور دوسرے دستاویز پر میرا نام لکھوایا، میں نے والد صاحب کو کہا کہ اگر آپ اس پلاٹ پر ایسے ہی میرا نام لکھوا رہے ہو تو بہتر ہوگا کہ والدہ کا نام لکھوا دو؛ تاکہ قانوناً مستورات کو زیادہ حق ملتا رہے؛ مگر والد صاحب نے کہا کہ اس پر نہ صرف آپ کا نام رہے؛ بلکہ یہ پلاٹ آپ کا رہے گا، دکان کے بیچنے کے بعد اور باندھ کام کے دوران مفتی صاحب جلگاؤں چھوڑ کر لندن چلے گئے (اہل وعیال کے ساتھ) دکان کے بکنے پر مال کے بیس فیصد حصہ سے مجھے کچھ نہ ملا، مطلب کہ منافع کچھ بھی نہ ہوا۔

دکان کے پیسوں کے پلاٹ لے کر جب باندھ کام شروع ہوا تب ویڈ روڈ کے دو پلاٹ ایک والد صاحب کا اور ایک میرا دونوں چار لاکھ میں بیچ دیئے ان تمام رقموں سے پلاٹ دکان کا قرض، گھر کا خرچ، باندھ کام، بجلی کا کوٹیشن بل، ایک ورینگ اور دو ٹوسٹیگ لے؛ بس اب پیسے بالکل ختم ہوئے، ویڈ روڈ میں جو چار لاکھ آئے اس میں کل منافع ایک لاکھ بیس ہزار تھا، جس میں والد صاحب کے

175000+60000=235000

اور میرے　　165000=60000+105000

اپارٹمنٹ بن جانے کے بعد والد صاحب نے اپنی وراثت میں مجھے رہنے کو کہا، کچھ مہینوں کے بعد مجھے میری سہولت کے لیے الگ رہنے کو کہا، ۱۹۹۷ء سے آج تک میں اپنی چار بیٹیوں کے ساتھ الگ رہتا ہوں، مذکورہ بالا تمام اخراجات کے بعد ہمارے پاس بالکل بھی پیسہ نہ تھا، تب لندن سے مفتی صاحب نے دو یا تین مہینہ خرچ میں تھوڑا ہاتھ بٹایا تھا، فیکٹری کی باقی مشینری کے لیے ہمارے پاس بالکل پیسہ نہ تھا، تب میں نے اپنی ذمہ داری پر قرض لیا تھا، بہت سارا قرض لینا پڑا تھا، اور فیکٹری برابر چوبیس مشینوں کے ساتھ چالو ہوگئی۔

ایک گھریلو بات پر والدہ سے میری بیوی اور میرا جھگڑا ہوگیا، شیطان کا بڑا کھیل رہا، کافی دنوں تک ناراضگی رہی، تب والد صاحب نے مجھے اور ہم سب ہی وارث داروں کو اور بہت سارے گواہوں کو کہا کہ میں الگ ہونا چاہتا ہوں، اور کہا کہ اس کے نام جو فیکٹری ہے یہ لے لے، میرے نام جو فیکٹری ہے میں لے لیتا ہوں، مشینری اس کے پاس زیادہ رہے گی تو قرض بھی یہ لے لے، اور قرض داروں کے قرض یہ چکا دے اور بیچ میں دیوار بنوا دے، الحمد للہ کچھ دنوں کے بعد سب ہی میل محبت ہوگئی، اور اتفاق ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد والد صاحب اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے، میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ وراثت کا کیا کرنا ہے؟ تو بتایا کہ میں آ رہا ہوں، ایسا کئی مرتبہ کہا، والد صاحب کے گذرنے کے بعد والدہ ہمارے ساتھ فلیٹ ہی میں رہتی تھی، (والد صاحب کے انتقال کے) ڈھائی سال بعد جب بھائی آئے، تب وراثت لے کر بیٹھے، تب

میں نے کہا کہ انتقال کے بعد میں نے آپ کو فون کیا تھا اس وقت کے حساب سے تقسیم کریں، تو کہا کہ نہیں آج کے حساب سے، اور ایک کاغذ پر حساب کیا اور کسے کتنا ملے گا یہ بھی طے ہوگیا؛ مگر کم وقت میں یہ طے نہ ہوا کہ کس کو کتنا، کب دینا ہے؟ یہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ ابھی دینا ہے، اور یہ بھی طے نہ ہوا کہ جب دیں گے جب کی ویلیو، اسی روز والدہ، بھائی، میں اور گواہ کے بیچ بھائی نے کہا تھا کہ آپ کی رقم (اس کاغذ پر دو لاکھ ویڈ روڈ کے پلاٹ اور بیوی کا گولڈ تقریباً دو لاکھ پچھتر ہزار) مجھ سے زیادہ ہے، یہ رقم تین یا چار مہینوں میں آپ کو لندن سے بھیج دوں گا، والدہ اور بہن کو آپ اپنے حساب سے دینا، میں اور آپ برابر کے پاٹنر رہیں گے، اسی روز مفتی صاحب نے والدہ کو ایک اسٹامپ پیپر لا کر دیا تھا کہ یہ کاغذ پر لکھی ہوئی رقمیں ٹائپ کرا لینا؛ مگر یہ بات والدہ نے کبھی نہ بتائی، کچھ دنوں کے بعد تمام چیزوں کی ویلیو بڑھ گئی، اور کہا کہ وہ ساری باتیں فوت (کینسل)۔ اسی روز ۷ یا ۸/ ستمبر ۲۰۰۵ء کو یہ میٹنگ ہوئی تھی، ۱۰/ ستمبر ۲۰۰۵ء کو بھائی لندن چلے گئے، تین یا چار مہینے کے بعد بھائی کا فون آیا تھا، تب انہوں نے کہا کہ یہاں پر مجھ کو مکان لینا ہے وہ رقم جو میں بھیجنے والا تھا نہ بھیج سکوں گا، آپ اپنے حساب سے مجھے میری رقم دے دینا، تب میں نے بھی بھائی سے کہا تھا کہ ہر سال ایک ایک کو رقم دے دوں گا، تب بھائی نے کہا تھا آپ یہ بات منیر بھائی جو ہمارے گواہ ہے اسے کہہ دے، میں نے امی کو اسٹامپ پیپر دیا ہے اس پر ٹائپ کرا لینا (تب مجھے پتہ چلا کہ اسٹامپ پیپر امی کے پاس ہے، تب تک انہوں نے مجھے بتایا نہ تھا)۔

تقریباً جنوری ۲۰۰۶ء پہلے ہی ہفتہ میں نے منیر بھائی سے یہ بات کہی تو انہوں نے کہا کہ اب ویلیو بڑھ گئی، اب میں اکیلا اس فیصلہ کو نہ سنبھال پاؤں گا، مطلب پہلے

والی ساری بات اور کاغذ پر لکھی ہوئی تمام چیزیں فوت (کینسل)، پہلے ان لوگوں نے کی میں نے ۲۰۰۶ء میں اس وقت کی ویلیو سے اس سوال کو حل کرنے کے بعد فتوی لکھ کر والدہ کے ساتھ لندن بھائی کو بھیجا، جہاں پر پانچ مہینے تک ساتھ رہنے کے بعد بھی اس کا جواب نہ آیا، بہن نے دو بار کہا تھا، پیسہ کی کوئی جلدی نہیں، آپ اپنی سہولت سے دینا۔

① میں اپنے والد صاحب کے ساتھ دکان میں رہا، قریب بائیس سال کام کیا؟ مجھے معاوضہ لینا چاہیے؟

② والد صاحب نے اون گاؤں میں جو دو فیکٹری کے پلاٹ لیے، جن میں سے ایک پلاٹ کے دستاویز میرے نام کروائے اور زبانی بھی کہا کہ یہ پلاٹ آپ کا ہے، کیا اس پلاٹ میں کسی اور کو حق ہے؟

③ میرے دستاویز پلاٹ پر جو تعمیری باندھ کام ہے، اس کا کیا؟

④ جو مشینری میں نے اپنی ذمہ داری پر قرض لے کر چالو کی، بہت سا قرض تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلے والی مشینری میں نئی ٹیکنالوجی لگانے کے بعد کافی خرچہ کر کے وہ سارا قرض میں نے چکایا، اس مشینری میں کس کا حق ہے؟

⑤ جب جھگڑا ہوا تھا، سبھی وارث دار اور بہت سارے گواہوں کو والد صاحب نے کہا تھا کہ اس کے نام جو فیکٹری ہے وہ یہ لے لے، اور میرے نام جو فیکٹری ہے وہ مجھے دے دے، مشینری اس کے پاس زیادہ ہے تو قرضہ بھی یہ ادا کرے، یہ الفاظ کافی نہیں؟ تمام وارث اور گواہ آج بھی حیات ہیں۔

⑥ والد صاحب کے انتقال کے بعد میں نے اپنے بھائی سے کئی بار کہا تھا کہ

وراثت کا کیا کریں گے؟ تو آخر انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں جب انڈیا آؤں گا تب انتقال کے کچھ دنوں بعد کی ویلیو طے کریں گے، کیا یہ الفاظ کافی نہیں؟

⑦ بھائی جب انڈیا آئے اور ایک دن تمام وارث اور گواہ بیٹھے تو بھائی نے مجھے ساری باتیں بھولنے کو کہا، ٹھیک ہے، پھر ایک کاغذ پر نیا حساب ہوا اور کاغذ پر کسے کتنی رقم ملے گی؟ اس کے سامنے اس کا نام لکھ کر زبانی بھی طے کر کے اٹھ گئے تھے، یہ طے نہ ہوا تھا کہ کس کو کب دینا ہے؟ یہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ ابھی دینا ہے، اور یہ بھی بات نہ ہوئی تھی کہ جب دیں گے تب کی ویلیو، ان باتوں کا کیا جواب ہے؟

⑧ میری بیوی کے ایک لاکھ باسٹھ ہزار جوان کی فیکٹری ہی میں ڈالے، تو اس کو کس ویلیو سے نکالیں گے، تب کی یا آج کی؟

راقم الحروف محمد اشفاق مندرجۂ بالا تحریر سے متفق ہے مع اضافہ ایں کہ شادی سے قبل احقر جملہ آمدنی والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا، میری شادی کے بعد اہل وعیال کے اخراجات کا خود کفیل تھا، بجز ایں کہ والد مرحوم عید کے موقع پر کپڑے سلوا دیا کرتے تھے، برادرم محمد یوسف اور ان کی فیملی کے جملہ اخراجات والد صاحب برداشت کرتے تھے، اور ہر ماہ ایک مخصوص رقم جیب خرچ کے نام سے انہیں دیا کرتے تھے۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② والد صاحب نے دکان کے کاروبار کو سنبھالنے کے معاوضہ کے طور پر اس کے مال میں آپ کا بیس فیصد حصہ ڈالا، والد صاحب کا یہ معاملہ شرعی اعتبار سے اجارۂ فاسدہ ٹھہرتا ہے، اور اس صورت میں آپ بیس فیصد کے بجائے اجرت مثل

(یعنی اس طرح کا کام کرنے پر عام طور پر جو معاوضہ ملتا ہے اس) کے حقدار ہیں۔

إذا كان صباغ حانوت له فيها نيل وغيره من آلات الصباغة، فاستعان برجل يعمل معه فيها على أن يكون له نظير ذلك نصف الربح المجهول الحاصل من ذلك، فعمل معه مدة ويريد أخذ نصف الربح بدون وجه شرعي فهل ليس له ذلك؟ وله أجر مثله عمله؟

الجواب: نعم (تنقيح الفتاوى الحامدية ١/٩٥)

پھر بعد میں جب دکان کا کاروبار ٹھنڈا ہوا، اور دکان بیچ دی گئی اور پھر اس کی آئی ہوئی رقم سے دو پلاٹ خریدے گئے جن میں سے ایک پلاٹ آپ کے نام کروا کر ان کا یہ کہنا کہ یہ پلاٹ آپ کا ہے، بظاہر دکان کے مال میں آپ کا جو حصہ رکھا گیا تھا اسی کی جگہ پر انہوں نے آپ کو دے دیا ہے؛ اگرچہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ اس کی جگہ پر ہے، دیگر تمام ورثاء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، اس لیے آپ کے نام جس پلاٹ کا دستاویز کرایا گیا ہے اور وہ آپ ہی کا ہے، اس میں والد صاحب کے دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں۔

③ ④ دونوں پلاٹوں پر جو تعمیری کام ہوا تھا وہ والد صاحب کا ہے، اور جو مشینری قرض لے کر چالو کی گئی تھی وہ بھی؛ چوں کہ والد صاحب ہی کے نام پر قرض لے کر چالو کی گئی تھی، اس لیے ان ہی کی شمار ہوگی۔

بعد میں نئی ٹیکنالوجی لگا کر وہ سارا قرض ادا کیا گیا تھا، چوں کہ وہ بھی کارخانہ کی آمدنی سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے یہ مشینری والد صاحب کی شمار ہو کر اس میں تمام ورثاء کا حق وراثت جاری ہوگا؛ البتہ دکان والے کاروبار کے زمانہ میں بھی والد

صاحب نے آپ کے لیے آپ کی محنت کے معاوضہ کے طور پر دکان کے مال میں بیس فیصد حصہ طے کیا تھا، گویا وہ آپ کی محنت کا معاوضہ دینا چاہتے تھے تو کارخانہ شروع ہونے کے بعد بھی آپ نے جو محنت کی اس کا معاوضہ آپ کو ملنا چاہیے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس طرح کا کارخانہ کوئی آدمی تمام اختیارات کے ساتھ بحیثیت ملازم چلائے اس کو جو ماہانہ تنخواہ دی جاسکتی ہے اتنی رقم ان تمام ایام کی محنت کی آپ کے لیے تجویز کی جائے، اور حق وراثت کے ساتھ وہ رقم بھی آپ کو دی جائے، اس طرح جتنے سال تک آپ نے کارخانہ کا کاروبار سنبھالا ہے ورثاء کو چاہیے کہ اس کا مناسب معاوضہ آپ کے لیے تجویز کریں۔

⑤ والد صاحب کے اس طرح کہنے سے آپ کے نام والے پلاٹ کا آپ کا ہونا تو ثابت ہوتا ہے، باقی مشینری وغیرہ کے متعلق جو بات اس وقت انہوں نے کہی چوں کہ بعد میں میل ومحبت ہو جانے کے بعد یہ نزاع باقی نہیں رہا، اس لیے اس حصہ کی مشینری آپ کو مل جانے والی بات بھی ختم ہو چکی۔

⑥ ⑦ بھائی صاحب کے ہندوستان آنے پر ۷/ستمبر ۲۰۰۷ء کو جب تمام ورثاء وراثت کا معاملہ طے کرنے کے لیے بیٹھے اور اس وقت ترکہ میں شامل تمام جائداد کی قیمت طے کی گئی، والد صاحب کے ذمہ جو قرض تھا وہ بھی لکھ کے طے کر لیا گیا، اور اس کو جائداد کی طے کردہ قیمت سے منہا کرنے کے بعد بقیہ قیمت میں ورثاء کے حصے بھی واضح طور پر تجویز کر دیئے گئے، اور اسی مجلس میں تمام ورثاء کی موجودگی میں یہ جملہ کہا کہ آپ والدہ اور بہن کو اپنی سہولت سے جلد دے دیں، میں لندن جا کر تین مہینے میں پونے تین لاکھ روپیہ بھیج دوں گا، (دونوں بھائیوں کے حصے میں آنے والی رقوم

میں جوفرق پڑتا تھا یہ وہ رقم ہے) اور ہم دونوں کارخانہ میں برابر کے شریک رہیں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی مجلس میں کارخانہ دونوں بھائیوں نے لے لیا اور اس میں والدہ اور بہن کا جو حصہ تھا اس کی ادائیگی کے لیے آپ کو پابند کیا گیا، مطلب کہ سارا معاملہ طے ہوگیا، اس لیے اب ورثاء میں سے کسی کا یہ کہنا کہ قیمتیں اب بڑھ گئی ہیں، اس لیے پہلے والی بات کینسل سمجھی جائے درست نہیں؛ کیوں کہ جب بھی قیمت طے کر کے معاملہ حل کیا جائے گا کہ ادائیگی بعد کے دنوں میں ہوگی، اور جیسا کہ دستور ہے ہر دن میں قیمتوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس صورت میں بھی اضافہ ہوگا اور پھر وہ فیصلہ بھی اسی بہانے سے فسخ کردیا جائے، اس طرح کبھی بھی معاملہ طے نہیں ہوگا۔

بھائی نے لندن جا کر تین ماہ میں جو رقم بھیجنے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے تین ماہ کے بعد آپ سے جو کہا کہ مجھے اپنی رقم بھی آپ اپنی سہولت سے ہوسکے اتنی جلدی دے دینا، گویا انہوں نے بھی اپنا حصۂ وراثت آپ کو دے کر اس کی قیمت لینے کے لیے رضامندی بتلادی، اس لیے اب کارخانہ اور اس مشینری کے مالک آپ ہی سمجھے جائیں گے؛ البتہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ جلد از جلد باقی ورثاء کو ان کے حصۂ میراث کی طے شدہ قیمت رقم کی شکل میں ادا کریں، اور اگر تنگ دستی اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی طرف سے اس کی ادائیگی میں ڈھیل ہو تو ورثاء کو چاہیے کہ آپ کو مہلت دیں۔﴿وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة﴾(البقرۃ:۲۸۰) اور کشادگی نیز اسباب کی فراہمی کے باوجود آپ ڈھیل کریں گے تو آپ گنہگار ہیں۔ ”مطل الغني ظلم“۔(الحدیث)

⑧ آپ کی بیوی والی رقم کارخانہ میں ڈالی گئی تھی، اس کی حیثیت اگر قرض کی

تھی توجتنی مقدار رقم ڈالی گئی ہے اتنی ہی اس کو دی جائے، اور والد صاحب کی چھوڑی ہوئی جائداد میں سے جو قرض منہا کیا جارہا ہے اس میں اس کو بھی منہا کیا جائے، اور اگر وہ رقم فیکٹری میں حصہ داری کے طور پر ڈالی گئی تھی تو جس روز فیصلہ کے لیے بیٹھے تھے اور جو قیمت فیکٹری کی تجویز کی گئی تھی، اسی حساب سے بیوی کا حصہ بھی تجویز کر کے اس کو دے دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ		الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## بہنوں کے میراث چھوڑنے سے حقِ میراث ختم نہیں ہوتا ہے

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے ایک بیوی، ایک لڑکا اور تین لڑکیاں چھوڑیں، انتقال کے بعد بھائی نے اپنی تینوں بہنوں کو جمع کیا کہ والد صاحب کا یہ مکان ہے، اور اس میں شرعاً آپ کا جو بھی حصہ ہو وہ میں آپ کو دے دیتا ہوں، اب تینوں بہنوں کی اپنی اپنی گھریلو حالات ماشاء اللہ بڑی اچھی ہے، ایک بہن تو امریکہ میں ہے بقیہ دو بہنیں ہندوستان میں ہیں، سب مالدار ہیں؛ لہٰذا اپنے بھائی کی مدد کے طور پر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے، ہم اپنا اپنا حصہ چھوڑ رہے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ سرکاری طور پر بھی اس کے لیے جن کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے ان پر ان تمام نے دستخط کر دیئے، اور جس وقت ان تینوں بہنوں نے یہ کہا کہ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے تو بھائی نے کہا اس سلسلہ میں جلدی مت کرو؛ بلکہ اپنے اپنے شوہروں سے مشورہ کر کے پھر جواب دینا اور اس کے بعد تقریباً تین ماہ ان

کو وقت دیا، پھر بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اپنا حصہ آپ کو دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہر بہن نے سرکاری کاغذ پر یہ مضمون لکھا کہ ہمارے والد کے انتقال کے بعد ہم ہمارا حصہ بھائی کے لیے چھوڑ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے اوپر کوئی زور زبردستی نہیں، ہم اپنی خوشی سے اپنے بھائی کو یہ ملکیت ہبہ کر رہے ہیں، یہ اس میں جو چاہے تصرف کرے، جو بہن امریکہ میں ہے وہ چوں کہ یہاں آ نہیں سکتی تھی، اس نے امریکہ سے سرکاری کاغذات روانہ کئے، وہ اس طرح کہ یہاں ایک کو وکیل بنایا جاتا ہے، وہ امریکہ کے کاغذات لے کر ہندوستان کورٹ میں اس کی شہادت دیتا ہے کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اس بہن نے اپنے بھائی کے لیے تمام ملکیت چھوڑ دی اور اس پر کوئی زبردستی نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ وہ اپنی خوشی سے یہ کر رہی ہے، اور اس کا وکیل بن کر وہ دستخط کر دیتا ہے، پھر ان کاغذات کو کورٹ میں پیش کیا جاتا ہے پھر تمام ورثاء کو حاضر کیا جاتا ہے ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ لکھی ہوئی باتیں درست ہیں؟ ان کی تصدیق کے باوجود سرکاری کاغذات میں ورثاء کی فہرست سے ایک ماہ تک ان کا نام کاٹا نہیں جاتا؛ تا کہ ان کو اگر اپنا حصہ لینا ہو تو وہ لے سکیں، ایک ماہ بعد جب ان کی طرف سے دوبارہ مطالبہ نہیں ہوتا تو ان کے نام پر نشان لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اب وراثت سے دست بردار ہو رہے ہیں، اور اس میں میراث لینے والوں کا نام ہی رہ جاتا ہے، اس کے لیے باقاعدہ خرچ بھی ہوتا ہے، پھر تمام کاروائی مکمل ہوتی ہے۔

دوسری طرف ایک پریشانی یہ ہے کہ اگر مکان وغیرہ باقاعدہ بہنوں کے نام کر دیا جائے تو قانونی اعتبار سے یہ کرنا پڑتا ہے کہ ان کی حدیں الگ کرنی پڑتی ہیں یعنی

باقاعدہ دیواریں الگ کرنا پڑتا ہے؛ نیز اس طرح کرنے کی صورت میں یا مکان فروخت کرنے کی صورت میں انکم ٹیکس والوں کی طرف سے چالیس فیصد کا مطالبہ ہوتا ہے، پھر اس کے لیے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ نیز اس میں بلاوجہ نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے، ان تمام وجوہات کی بناء پر بہنوں کا اس طرح کاغذات پر اپنے حصہ سے دستبرداری کا تصدیق نامہ لکھ دینا کیا شرعاً معتبر ہے؟ اب ان کاغذات کی بناء پر بھائی نے بہنوں کا حصہ لے لیا، آئندہ چل کر اگر کوئی بہن اپنے حصہ کا مطالبہ کرے تو کیا اس قدر اقرار و تصدیق کے باوجود انہیں اپنا حصہ طلب کرنے کا حق ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اب یہ بہنیں کبھی کبھی اپنی والدہ کی ملاقات کے لیے آتی ہیں تو گھر میں بھائی کی اہلیہ کے ساتھ رنجش ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے تو کیا اب یہ بھائی اپنی بہنوں کو گھر آنے سے منع کر سکتا ہے؟ اگر منع نہیں کر سکتا تو ان جھگڑوں سے بچنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کرنا مناسب ہوگا؟

**الجواب**: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بہنوں کے اس طرح کہنے اور اس طرح کے مضمون کو تحریری طور پر لکھ کر دینے سے کہ "ہمارے والد کے انتقال کے بعد ہم ہمارا حصہ بھائی کے لیے چھوڑ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے اوپر کوئی زور زبردستی نہیں، ہم اپنی خوشی سے اپنے بھائی کو یہ ملکیت ہبہ کر رہے ہیں، یہ اس میں جو چاہے تصرف کرے" والد کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سے بہنوں کا حصہ ختم نہیں ہوا؛ بلکہ گھر میں ان کا حصہ ابھی بھی باقی ہے، اور وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(سئل) فی أحد الورثة إذا أشهد علیه قبل قسمة الترکة المشتملة

على أعيان معلومة أنه ترك حصة من الإرث وأسقطه وأبرأ ذمة بقية الورثة منها، ويريد الآن مطالبة حقه من الإرث فهل له ذلك؟ (الجواب) الإرث جبرى لا يسقط بالاسقاط، وقد افتى به العلامة الرملى كما هو محرر فى فتاواه من الإقرار نقلا عن الفصولين وغيره، فراجعه إن شئت (تنقيح الحامدية ۲/۲۷)

جب مکان میں بہنوں کا حصۂ میراث بدستور باقی ہے تو بھائی کے لیے بہنوں کو گھر میں آنے سے منع کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، ان جھگڑوں سے بچنے کے لیے بیوی کو فہمائش کرے اور حکماً اس کو بہنوں کے ساتھ الجھنے سے منع کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# والدین کی تیمارداری پر خرچ رقم ترکہ سے وصول کرنے کا حکم

سوال: (الف) ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوا، اور ہم پانچ بھائی اور تین بہن ہیں، ہم تمام کے درمیان شرعی طریقے سے میراث تقسیم ہوگئی ہے، آگے والدہ صاحبہ کی میراث کا مسئلہ آیا تو ہمارے والد صاحب کا ایک صاحبزادہ خورشید احمد نامی جو والد صاحب کے ساتھ رہتا تھا، اور بیماری وغیرہ کے اخراجات وہی پورے کرتا تھا، اس کا کہنا ہے کہ والدہ صاحبہ کی میراث میں سے مجھے وہ رقم چاہیے جو میں نے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی بیماری میں خرچ کی ہے، تو کیا وہ از روئے شرع میراث میں سے والد صاحب، والدہ صاحبہ کی بیماری میں خرچ کی ہوئی رقم لے سکتا ہے؟

(ب) ہماری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا اور انہوں نے ترکہ میں دو مکان چھوڑے، جن کی قیمت تقریباً ایک لاکھ ستر ہزار روپئے ہیں اور ساتھ دیگر سامان برتن وغیرہ چھوڑا۔

اور وارثین میں پانچ لڑکے: شبیر احمد، مشتاق احمد، خورشید احمد، اقبال احمد، سراج احمد، اور تین لڑکیاں: فاطمہ، طاہرہ، صابرہ، اور ایک ماں شریک لڑکا عثمان غنی چھوڑا، از روئے شرع ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور مکان کی قیمت کا اعتبار کونسے وقت سے کیا جائے گا؟ اور والدہ صاحبہ کے دیگر سامان برتن وغیرہ کس طرح تقسیم ہوں گے؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

(الف) خورشید احمد نے والد صاحب کی بیماری میں اگر ان کے کہنے سے بطورِ قرض وہ رقم ان پر خرچ کی تھی مثلاً والد صاحب نے کہا تھا کہ آپ میرے علاج ومعالجہ پر خرچ کیجئے اور جو کچھ خرچ ہوگا اس کی ادائیگی میرے ذمہ واجب ہے، تب تو یہ رقم خورشید احمد والد صاحب (نہ کہ والدہ) کے ترکہ میں سے وصول کرسکتا ہے، اسی طرح والدہ صاحبہ کی بیماری میں بھی ان پر جو رقم خرچ کی وہ بھی اسی طرح خرچ کی ہے تو اس کو والدہ کے ترکہ میں سے وصول کرسکتا ہے؛ مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس رقم کے قرض ہونے کا شرعی ثبوت موجود ہو یا تمام ورثاء اس کو تسلیم کریں، اور اگر خورشید احمد نے یہ رقم بطورِ قرض والد صاحب یا والدہ صاحبہ کی طرف سے ادا نہیں کی؛ بلکہ محض تبرع اور احسان کیا ہے تو اب اس کو ترکہ میں سے وصول کرنا درست نہیں، ہمارے یہاں عام دستور یہی ہے کہ والدین کی بیماری میں اولاد کی طرف سے خرچ کی جانے والی رقم بطور تبرع واحسان ہوتی ہے۔

(ب) آپ نے والدہ کے ورثاء میں ایک ماں شریک لڑکا بھی شمار کرایا ہے، یہ اصطلاح ہمارے لیے نئی ہے، اس لیے کہ ماں شریک بھائی تو ہوتا ہے ماں شریک لڑکا نہیں؛ بہرحال اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ لڑکا عثمان غنی والدہ ہی کی اولاد ہے جو پہلے شوہر سے ہوئی ہے، تو صورتِ مسئولہ میں والدہ نے بوقت وفات جو کچھ چھوڑا اس میں سے تقسیمِ میراث سے پہلے کے حقوق (یعنی ان کی تجہیز و تکفین وتدفین کے متوسط مصارف اور اس کے بعد ان کے تمام دیون کی ادائیگی پھر جو بچ جاوے اس کے ایک تہائی میں سے ان کی شرعی اصول کے مطابق کی ہوئی وصیت) ادا کرنے کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے مال کے کل پندرہ حصہ کئے جاویں، ان میں سے چھ لڑکوں (شبیر احمد، مشتاق احمد، خورشید احمد، اقبال احمد، سراج احمد، عثمان غنی) میں سے ہر ایک کو دو حصے اور تین لڑکیوں (فاطمہ، طاہرہ، صابرہ) میں سے ہر ایک کو ایک حصہ دیا جائے، جس وقت تقسیم کے لیے بیٹھیں اس وقت بازار میں جو قیمت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا، سامان اور برتن کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## ''منہ دکھائی'' میں دیے جانے والے زیورات کا مالک کون؟

(سوال): (ج) مالیگاؤں میں یہ رسم ہے کہ جب شادی ہوتی ہے اور دولہن شوہر کے گھر آتی ہے تو شوہر کے رشتہ دار، دوست واحباب کی جانب سے منہ دکھائی کے نام پر کچھ زیورات دیتے ہیں جس کو شوہر کے گھر کے لوگ جمع کر لیتے ہیں تو وہ زیورات

کس کی ملکیت ہوں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(ج) شادی کے وقت دولہن کے شوہر کے رشتہ داروں اور دوست واحباب کی طرف سے ''منہ دکھائی'' کے نام پر ملنے والے زیورات میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر یہ دولہن کے سمجھے جاتے ہوں تو اس کی ملک شمار ہوگی، اور اگر شوہر کے سمجھے جاتے ہوں تو شوہر کی ملک شمار ہوگی، اپنے یہاں کا عرف مقامی علماء سے دریافت کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ    الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

## میت کا قرضہ ترکہ میں سے وصول کرنا

سوال: ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ایک مکان تعمیر کروایا تھا کہ دونوں بیٹے شادی کے بعد اس میں قیام کرسکیں، مکان کی تعمیر کے لیے جو زمین خریدی تھی اس کی قیمت ایک لاکھ پینسٹھ ہزار روپئے تھی، تعمیر کے سلسلہ میں دونوں بھائیوں نے اپنے پاس سے ۴۵-۴۵ ہزار روپئے والد صاحب کو دیئے تھے، والد صاحب نے تعمیر کے لیے بطور قرض کچھ رقم کا مطالبہ مولانا اسماعیل واڈی والا صاحب جو انگلینڈ میں مقیم ہیں ان کے سامنے رکھا، مولانا اسماعیل صاحب نے اپنے کچھ دوستوں کو متوجہ کیا اور رقم وصول ہوئی۔

والد صاحب کی عمر اور بیماری لگاتار بڑھتی جارہی تھی، اس درمیان والد صاحب

نے قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے دونوں بیٹوں اور دو دامادوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ یہ قرض کسی صورت میں ادا کرنا ہے:

پہلی تجویز یہ تھی کہ ہر ماہ دونوں بیٹے پانچ پانچ سو روپئے جمع کرتے رہیں؛ تاکہ آگے چل کر قرض سے چھٹکارا حاصل ہو، اسی مجلس میں بڑے بیٹے فضل حق نے انکار کر دیا کہ میں ہر ماہ کچھ نہیں دے سکتا ہوں، انہوں نے کہا کہ مکان کو فروخت کر دیں اور قرض ادا کر دیں، اس تجویز کو چھوٹے بیٹے (میں نور الحق) اور گھر کے دوسرے افراد نے بھی مسترد کر دیا؛ کیوں کہ قرض کی ادائیگی اپنی سہولت پر تھی کوئی تاریخ یا وقت کی قید نہ تھی۔

دوسری صورت والد صاحب نے یہ طے کر دی کہ اس مکان کا قرض جو ادا کر دے گا مکان اس کا ہو جائے گا، بڑے صاحبزادے سے پہلے پوچھا انہوں نے قرض کی ادائیگی سے انکار کر دیا، اس کے بعد چھوٹے صاحبزادے سے پوچھا انہوں نے ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر لی، اور والد صاحب کے انتقال کے بعد آہستہ آہستہ سہولت کے مطابق قرض ادا کر دیا۔

نوٹ: مکان کی تعمیر کے سلسلے میں جو رقم بڑے صاحبزادے فضل حق نے پینتالیس ہزار کی والد صاحب کو دی تھی وہ والد صاحب سے ناراض ہو کر شدید تقاضے کے ساتھ واپس لے لی، اب اس مکان کی تعمیر میں سب سے زیادہ رقم میری لگی ہوئی ہے، اس کے بعد والد صاحب کی اور والدہ صاحبہ کی، بڑے صاحبزادے فضل حق کی رقم بالکل نہیں ہے، اس کے باوجود فضلِ حق اس مکان میں اپنا حصہ بتاتے ہیں، اور اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں، دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعاً ان کا حصہ پورے

مکان میں ہے یا والد صاحب کی اس رقم میں جو مکان کی تعمیر میں لگی ہوئی ہے؟

اگر ان کا حصہ ہے تو آج کے حساب سے اس رقم کی ادائیگی ہوگی یا جس وقت وہ رقم دی گئی تھی؟ یعنی تعمیر کے وقت۔

**الجواب**: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں لکھا ہے کہ ''دوسری بات یہ ہوئی تھی کہ مکان کا قرض جو ادا کرے گا مکان اس کا ہو جائے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مکان کا قرض جب ادا کر دیا جائے تب مکان قرض ادا کرنے والے بیٹے کا ہو جائے گا؛ لیکن جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ والد صاحب کے انتقال تک مکان کا قرض ادا نہیں کیا گیا، اور اسی حالت میں والد صاحب کا انتقال ہوا، اور پھر ان کے انتقال کے بعد چھوٹے بیٹے نے وہ قرض تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ انتقال کے وقت مکان والد صاحب ہی کی ملکیت میں تھا، اب انتقال کے بعد جیسا کہ شریعت کا اصول ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے جو ترکہ چھوڑا ہے اس میں سے سب سے پہلے تین حقوق بالترتیب ادا کئے جائیں، اس کے بعد ہی اس ترکہ میں وارثوں کا حق لگتا ہے، ان تین حقوق میں سب سے پہلے مرنے والے کی تجہیز وتکفین وتدفین کے متوسط مصارف ہیں، اس کے بعد مرنے والے کے اوپر جو (دیون) قرضے ہیں وہ ادا کئے جائیں، اس کے بعد اگر کچھ بچا ہے تو اس کے ایک تہائی میں سے مرنے والے کی وہ وصیت جو شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہو ادا کی جائے، اس کے بعد باقی ترکہ میں وارثوں کا حق لگتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں والد صاحب نے اپنے پیچھے جو کچھ ترکہ چھوڑا جس میں یہ مکان بھی ہے، اس میں سے سب سے پہلے ان کی تجہیز وتکفین کے مصارف نکال کر ان کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، چھوٹے بیٹے نے والد صاحب کے انتقال کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے جو قرض ادا کیا وہ اپنی ادا کی ہوئی اس رقم کو والد صاحب کے ترکہ میں سے وصول کر لے، اسی طرح اس مکان کو تعمیر کرنے میں والدہ نے تیس ہزار کی جو رقم دی تھی وہ بھی اگر انہوں نے والد صاحب کو قرض کے طور پر دی تھی تو وہ رقم بھی ترکہ میں سے وصول کی جائے، چھوٹے بیٹے نے پینتالیس ہزار کی رقم والد صاحب کو اگر بطور امداد دی تھی تو ترکہ میں سے وصول نہیں کی جاسکتی، اور اگر قرض کے طور پر دی تھی تو وہ رقم بھی ترکہ میں سے وصول کی جائے، اور اگر والد صاحب کا اور بھی کوئی قرض ہو تو وہ بھی اسی میں سے ادا کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ والد صاحب کے تمام وارثوں کے درمیان شرعی اصول کے مطابق بطور میراث تقسیم ہوگا۔

جس روز تمام ورثاء فیصلہ کے لیے بیٹھیں اس روز مکان کی جو قیمت طے کی جائے، یا اگر اس مکان کو فروخت ہی کرنا ہے تو اس کو بیچ کر جو قیمت آوے اس میں سے اوپر لکھی ہوئی تفصیل کے مطابق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

# ترکہ کا مال دین سے بھی کم ہونے کی صورت میں وارث نے بڑھائی ہوئی تجارت کا حق دار

سوال: ہمارے والد صاحب کا انتقال ۱۹۵۸ء میں ہو گیا تھا، اس وقت ان کے وارثین میں مرحوم کی ایک بیوی، تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، ہم بھائی بہنوں میں، 'میں خود' جان محمد سب سے بڑا یعنی بیس سال کا تھا، جب کہ منجھلہ بھائی اسماعیل گیارہ سال کا اور سب سے چھوٹا بھائی ادریس چار سال کا تھا، بہنوں میں زبیدہ ۱۸/ سال کی اور چھوٹی بہن نور النساء پندرہ سال کی تھی۔

والد صاحب کا اخیر تک ذاتی مکان نہیں تھا؛ بلکہ ہم تمام کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اور والد صاحب کا کاروبار چونے کا تھا، تفصیل جس کی یہ تھی کہ چونے کی دوکان کرایہ کی تھی اور اس دکان میں چونا فروخت ہوتا تھا اور والد صاحب کی موجودگی میں امیر گڈھ سے محمد شفیع بھائی کے والد صاحب کے یہاں سے چونا لایا جاتا تھا اور چونا بھی والد صاحب کے معذور ہونے کی وجہ سے میں خود ہی امیر گڈھ سے لے آتا تھا، والد صاحب کے انتقال کے وقت اس کرایہ کی دوکان میں کچھ چونا رکھا ہوا تھا، لیکن اس کے بالمقابل چونے کے مالک محمد شفیع بھائی کے والد صاحب کا ہمارے والد صاحب کے ذمہ چونے کی رقم کافی ادا کرنے کی باقی تھی، یہاں تک کہ اگر اسٹاک چونے کو فروخت کر کے والد صاحب کا قرضہ ادا کیا جاتا تب بھی قرضہ ادا نہ ہوتا۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد چوں کہ میں سب سے بڑا تھا اس لیے امورِ خانہ داری و کاروبار کی مکمل ذمہ داری مجھ پر آ گئی اب میں اسی کرایہ کی دوکان میں

کاروبار کرتا رہا اور میں خود ہی امیر گڈھ سے چونا لا کر فروخت کرتا رہا اور کرایہ خود ہی ادا کرتا رہا اور اس سے کما کر والد صاحب کا قرضہ اس طرح ادا کیا کہ ڈھائی سال تک ہر ماہ ۲۰۰ روپیہ ادا کرتا رہا، نیز اسی کاروبار سے پوری فیملی کا گذر بسر چلتا رہا اور تمام بھائی بہنوں کی شادی بھی کروائی اور بہنوں کی شادی کے موقع پر کچھ زیورات بھی دیئے اور اس کاروبار سے کما کر میں نے ایک زمین اور دیگر کچھ املاک خریدیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ اس چونے کی دوکان سے جو روپیہ کما کر زمین و دیگر املاک خریدیں اس میں دیگر وارثین کا حقِ وراثت رہے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً شرکت عقد کے لیے ایجاب وقبول اور دیگر شرائط ضروری ہے، صورتِ مسئلہ میں ان میں سے کوئی چیز پائی نہیں گئی؛ بلکہ سائل خود ہی ادھار مال لا کر فروخت کرتا رہا اور تجارت کا سلسلہ جاری رکھا؛ اس لیے مذکورہ تجارت سے روپیہ حاصل کر کے جو زمین اور دیگر املاک خریدی گئی ہیں ان میں دیگر وارثین کے حقِ وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خصوصاً جب کہ والد صاحب نے بوقتِ وفات چونے کا جو اسٹاک اپنے پیچھے چھوڑا تھا وہ ان کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے: (أقول) هٰذا إنما يجري في شركة العقد و الواقع في السوال شركة ملك فيما يظهر اذا لم يذكر فيه أنهم عقدوا شركة فيما بينهم و لاأان التركة نقود او عروض بيع بعضها ببعض فالظاهر أنها شركة ملك لا يجري فيها تفاوت في الربح بل يكون ما في أيدهم بينهم سويّة كما مر وهذه المسئلة تقع كثيراً خصوصاً فى

أهل القرى حيث يموت الميت منهم و تبقى تركته بين أيدي ورثته بلا قسمة يعملون فيها و ربما تعددت الأموات و هم على ذالك و قد يتوهم أنها شركة مفاوضة و ذالك باطل لأن شركة المفاوضة لها شروط منها العقد بلفظ المفاوضة فان لم يذكر لفظها فلا بد من أن يذكر تمام معناها بان يقول أحدها للآخر و هما حران بالغان مسلمان أو ذمّيان شاركتك في جميع ما أملك من نقد و قدر ما تملك على وجه التفويض العام من كل منا للآخر في التجارات و النقد و النسيئة و على أن كلاًّ ضامنٌ عن الآخر ما يلزمه من أمر كل بيع كما في البحر ومنها أنها لاتكون بين صبى و بالغ و أنها لا تصح بالعروض و أنها تبطل بالموت و لا يخفى أن الواقع في زماننا ليس فيه شيئ من ذالك فليس للمفتى أن يفتى بأنها مفاوضة و يلزمهم بأحكامها بأن يلزمهم مثلا بأن ما لزم احدهم من دين يلزم الآخر نعم! ان صرحوا له بأنهم شركاء مفاوضة يفتيهم بأحكامها و ليس عليه أن يسألهم عن استيفاء شرائط العقد كما لو سئل عن غيرها من العقود كما صرح به في البزازية و مما يناسب هذا المقام ما كتبته في حاشيتى رد المحتار على الدر المختار في آخر كتاب المزارعة نقلا عن التتارخانية و غيرهامات رجل و ترك اولاداً صغاراً و كباراً و امرأة و الكبار منها،أو من امرأة غيرها فحرث الكبار و زرعوا في أرض مشتركة أو في ارض الغير كما هو المعتاد و الأولاد كلهم في عيال المرأة تتعاهدهم وهم يزرعون و يجمعون الغلاّت في بيت واحد ينفقون من ذالك جملة قال صارت هذه واقعة الفتوى و اتفقت الأجوبة أنهم ان زرعو من بذر مشترك بينهم

باذن الباقين لو كبارا أو باذن الوصی لو صغاراً فالغلة مشتركة و أن من بذر انفسهم أو بذر مشترك بلااذن فالغلة للزارعين اھ فاغتنم هذه الفائدة. (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة١/٩٤)

البتہ سائل نے سوال میں اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ بعد میں دوسرے بھائیوں کو اس کاروبار میں اپنے ساتھ لگایا تھا یا نہیں؟ اگر ایسا کیا گیا ہے تو مناسب یہ ہے کہ قوم اور برادری کے بڑے دین دار اور پابندِ شرع لوگوں کو ساتھ میں رکھ کر اس زمین اور املاک میں سے ان کو بھی اس کی سعی اور محنت کے تناسب سے کچھ دیا جائے، آج تک ان کے ساتھ جو حسنِ سلوک اور کفالت کا معاملہ کیا اس کا تقاضہ یہی ہے، البتہ ان بھائیوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ بطورِ استحقاق وہ اس کا مطالبہ نہ کریں اور یہ بھی صرف ان بھائیوں کے لیے ہے جنہوں نے کاروبار میں سائل کا ساتھ دیا؛ ورنہ بہنوں اور وہ بھائی جس نے کاروبار میں تعاون نہ کیا ہو ان کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بلیک میل کر کے ورثاء کے حصے ختم کرنا اور خود زیادہ لینا

سوال: میں نے آپ کی خدمت میں پٹرول پمپ (Bharuch Auto Swrvice) وراثت کے تعلق سے ایک طویل استفتاء بھیجا تھا، جس کا جواب آپ نے ١٠/ ذی القعدہ ١٤١٤ھ کو مرحمت فرمایا تھا، جس میں آپ نے واضح فرمایا تھا کہ ہمارے مرحوم والد کے بعد اس میں وراثت کے احکام جاری ہوں گے، دراصل اس استفتاء میں مذکورہ تجارت کی تفاصیل میں نے آپ کے علم میں لانے کی کوشش کی تھی؛

مگراس کے تعلق سے ہمارے تنازعات جورخ اختیار کرتے رہے اس کی تفاصیل نہیں تھیں، ہمارے والد صاحب کا انتقال ۲۰ / جنوری ۱۹۹۸ء کو ہوا، پس ماندگان میں چار بیٹے، دو بیٹیاں، ایک بیوی تھیں، انتقال کے فوراً بعد مذکورہ کمپنی اور بینک نے ہم لوگوں سے بتایا کہ اگر آپ لوگ اس کاروبار اور اکاؤنٹ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آپ لوگوں کو عارضی مصالحت نامہ بنانا ہوگا؛ تا آنکہ کمپنی کسی بھی وارث سے نیا ایگریمنٹ کرے، اسی کے پیش نظر ہم لوگوں نے ۲۱ / جنوری ۱۹۹۸ء کو عارضی مصالحت نامہ بنایا اور اس میں صرف ہم تین بھائیوں نے اپنے آپ کو کمپنی کا برابر سرابر شریک قرار دیا، تقریباً ایک مہینہ کے عرصہ میں جب تمام وارثین - سوائے ایک بھائی کے جو لندن میں مقیم تھا - حاضر تھے، اس میں یہ طے ہوا کہ جو لوگ باقاعدگی سے اپنا وقت دے کر پٹرول پمپ چلا رہے ہیں یعنی تینوں بھائی ان کو محنتانہ کے عوض سولہ ہزار روپئے ماہانہ دیا جائے گا، اور سالانہ تمام وارثوں کو ان کے حصص کے حساب سے منافع تقسیم ہوں گے، اس کو سبھی لوگوں نے قبول کیا تھا، لندن والے بھائی کو بھی میں نے بتایا تو اس نے بھی کہا ٹھیک ہے، جو طے ہوا وہی صحیح ہے، ۲۰۰۲ء تک اسی پر عمل ہوتا رہا، شہر کے ایک محترم مفتی صاحب نے چھوٹے بھائی کو یہ بتایا کہ اس میں وراثت نہیں ہے، اس لیے اس نے کہا کہ سالانہ ہم لوگ جو باقی لوگوں کو منافع دیتے ہیں وہ لوگ اس کے حق دار نہیں ہیں، اس لیے اب منافع ہم تینوں بھائیوں میں ہی برابر سرابر تقسیم ہوں گے، اس کے بعد اس بھائی نے اپنی من مانی شروع کردی، اس وقت بینک میں ہم تینوں بھائیوں کے نام تھے، قاعدہ کے حساب سے کسی بھی کام کے لیے دو بھائیوں کی دستخط ضروری ہوتی تھی، ایک بھائی جو امریکہ میں زیادہ تر رہتا تھا وہ جب بیرون

ملک گیا تو چھوٹے والے نے چیک پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر تجھے میری دستخط چاہیے تو تو مجھے اپنی جیب سے کم از کم پچاس ہزار روپئے دے، وجہ یہ بتائی کہ تو کام نہیں کرتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے، دوسری شرط یہ رکھی کہ اب سے منافع میں سے مکمل ایک تہائی میں لوں گا، اس وقت حالت یہ تھی کہ اگر میں اس کی اس شرط کو نہیں مانتا تو کاروبار بند ہو جاتا، اس طرح اس نے مجھے مجبور کیا، جسے کاروباری زبان میں بلیک میل کرنا کہتے ہیں، مذکورہ مفتی صاحب کے علم میں یہ حالات تھے؛ مگر وہ خاموش رہے، انہوں نے کچھ نہیں کہا؛ بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہیں کی شہہ پر ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ بدگمانی سے بچائے اور میرے اس قصور کو معاف فرمائے، اس بدگمانی کی بہت بڑی وجہ مفتی صاحب کا رویہ ہے، وہ یہ کہ انہوں نے چھوٹے بھائی کو یہ بتایا کہ اس میں وراثت نہیں ہے، انہی کے اس زبانی فقرے کی بنا پر ہم لوگوں میں ایک تنازعہ کی بنیاد پڑ گئی، مفتی صاحب نے بہت اصرار کے باوجود آج تک زبانی فتوے کو تحریری شکل میں نہیں دیا، میں جب استفتاء کرتا ہوں تو پہلی مرتبہ انہوں نے کہا کہ سوال بہت مشکل ہے مجھے دیوبند بھیجنا پڑے گا، یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی، کچھ مہینوں کے بعد انہوں نے پھر اسی طرح بہانہ کیا، کبھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ ناقص ہے یا کہتے ہیں کہ اس میں خامی ہے، ۲۰۰۲ء سے آج تک تحریری جواب دینے سے وہ مسلسل پہلو بچا رہے ہیں؛ حتی کہ میں نے درمیان میں یہاں تک کہا کہ مفتی صاحب! آپ تو حالات سے واقف ہیں، آپ بتایئے آپ جو کہیں گے وہ سوال میں لکھ لوں گا، آپ اسی کا جواب دے دیجیے؛ مگر اس پر بھی انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، اس دوران میرے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا تھا کہ اگر واقعۃً اس کاروبار میں وراثت ہوگی تو میں گنہگار رہوں گا، اس

دوران ایک اور موقر مفتی صاحب بمبئی تشریف لائے، ان کے یہاں ہم دونوں بھائی بیٹھے اور دونوں نے ان کو حکم تسلیم کیا، وہاں جب باتیں ہوئیں تو شہر کے مذکورہ مفتی صاحب جو تنازعہ کا سبب ہیں وہ بھی تھے، میرا بھائی چرب زبان ہے، اس نے جو کچھ کہا موقر مفتی صاحب نے اسے سن کر کہا کہ تمہارے چھوٹے بھائی کا احسان ہے کہ وہ تم کو کچھ دے رہے ہیں، ورنہ وہ تو کل کا مالک ہے، میں نے کہا کہ آپ جو کچھ فرمارہے ہیں اسے تحریری شکل دے دیں، تو انہوں نے کہا کہ وہ تحریر دیں گے، کچھ مدت کے بعد جب وہ دوبارہ تشریف لائے تو میں نے ان سے اس تحریر کا مطالبہ کیا؛ مگر انہوں نے کہا کہ وہ تحریر دے چکے ہیں، میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کوئی تحریر نہیں دی، تو انہوں نے اصرار کیا کہ وہ دے چکے ہیں، چھوٹے بھائی کا رویہ بھی اس کے بعد سے کچھ اور بدل گیا ہے، وہ شیر ہو گیا اور ہر معاملہ میں اپنی من مانی کرتا ہے، اس نے کہا کہ مفتی صاحب مجھے تحریری طور پر دے چکے ہیں، میں نے اس سے نقل مانگی اور میری والدہ نے بھی مانگی تو اس نے دینے سے انکار کر دیا، اس تعلق سے میں نے آپ سمیت ملک کے مشہور مفتیان کرام سے استفتاء کیا، سب نے بیک زبان اس میں وراثت کے جاری ہونے کا جواب دیا ہے، کسی ایک بھی مفتی نے تحریری طور پر وراثت نہ ہونے کا حکم نہیں دیا، اب سوال یہ ہے کہ درمیان میں جو تبدیلیاں آتی رہیں اس کا شریعت کی نگاہ میں کیا حکم ہے؟

(۱) درمیان میں چھوٹے بھائی نے مجھے بلیک میل کر کے اپنی شرائط منوائی اور آج تک اس پر عمل پیرا ہے، کیا وہ شرعاً معتبر ہیں؟

(۲) بمبئی کے مفتی صاحب جو رویہ اپنا رہے ہیں، کیا وہ صحیح ہے؟ زبانی جواب

دینا اور تحریر سے انکار کرنا کیا گناہ کا سبب نہیں؟

③ باہر سے جو مؤقر مفتی صاحب آئے تھے، انھوں نے جو فیصلہ کیا، کیا میں اور دیگر ورثاء جو وہاں موجود نہ تھے اس کے پابند ہیں؟ جب کہ اتنے طویل تنازعہ کا فیصلہ انھوں نے صرف مغرب کے بعد عشاء سے پہلے کر دیا؟ انھوں نے تحقیق کے لیے نہ تو گواہ طلب کئے، اور نہ ہی حلفیہ بیان لیا۔

④ چھوٹا بھائی اپنی من مانی کرتے ہوئے جو رقم باقی ہے کسی بھی وارث کی مرضی کے بغیر اٹھاتا ہے، اگر میں بھی اتنی ہی رقم اٹھا کر ورثاء میں ان کے حصص کے حساب سے تقسیم کر دوں تو یہ جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے بھائی نے آپ کو بلیک میل کر کے اپنی جو شرط منوائی ہے وہ خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں؛ اس لیے کہ اس نے منافع میں سے مکمل ایک تہائی لینے کی شرط منوائی ہے، حالاں کہ منافع میں تمام ورثاء کا بقدرِ وراثت حق اور حصہ ہے، آپ کے اس شرط کو مان لینے سے دوسرے ورثاء کا حق منافع میں سے ختم نہیں ہوتا۔

② عالم اور مفتی کے ذمہ اتنی بات ہے کہ جو مسئلہ اس کے علم میں مستحضر ہو اور کوئی دریافت کرے تو بتا دے، اور مستحضر نہ ہو مگر کتاب دیکھ کر بتانے پر قدرت ہو اور اس میں اسے کوئی کلفت نہ ہو تو دیکھ کر بتا دے؛ لیکن کسی حال میں تحریری جواب دینا اس پر لازم نہیں۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۳۵)

البتہ تحریری جواب کی خدمت انجام دینے کے لیے کسی ادارہ (مدرسہ یا انجمن وغیرہ) نے ان مفتی صاحب کے ساتھ عقدِ اجارہ کیا ہو تو وہ تحریری جواب دینے کے

پابند ہیں۔

③ شریعتِ مطہرہ نے حقوق العباد سے متعلق متنازع فیہ معاملہ میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے جن اصول وضوابط کا قاضیٔ شرعی یا حَکَم (فریقین کی طرف سے فیصلہ دینے کے لیے تسلیم کیا گیا ہو) کو پابند کیا ہے، ان اصول وضوابط کے مطابق فیصلہ دینا ان کے لیے ضروری ہے، اگر کوئی قاضی یا حَکَم ان اصول اور ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فیصلہ صادر کرے گا تو وہ شرعاً معتبر نہیں۔

④ پٹرول پمپ کی ملکیت تمام ورثاء میں مشترک ہونے کی وجہ سے اس کے منافع بھی ان کے درمیان بقدرِ حقِ وراثت تقسیم ہونے چاہییے، چھوٹا بھائی دیگر ورثاء کے حق کو ادا نہ کرتے ہوئے ان کے حصہ کی رقم خود لے لیتا ہے، اس صورت میں اگر آپ اتنی ہی رقم اٹھا کر ورثاء میں ان کے حصہ کے مطابق تقسیم کر دیں تو آپ کا یہ اقدام جائز اور مستحسن ہی نہیں؛ بلکہ ایک اعتبار سے ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

# وارث کا کرایہ دینے سے انکار، ترکہ کی زمین کا مشاعاً وقف اور میراث لینے سے انکار

**سوال**: ① زید کے ۶ رلڑکے تھے اور تین لڑکیاں تھیں، اس نے اپنی حیات ہی میں ساری اولاد کے مابین ساری وراثت تقسیم کر دی، بعدہ اس کا انتقال ہو گیا، سارے لڑکے الگ الگ کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ زید مرحوم کا بڑا لڑکا (فقیر محمد)

لاولد تھا؛ اس لیے اس نے اپنے بھتیجے کو متبنیٰ بنالیا، پھر فقیر محمد نے اپنے چھوٹے بھائی حسن کو اپنی جائداد ٹھیکے کے طور پر اجارۃً دے دیا؛ لیکن چھوٹے بھائی حسن نے بڑے بھائی فقیر محمد کو کبھی بھی کرایہ نہیں ادا کیا، اس درمیان میں فقیر محمد کا سفر کی حالت میں انتقال ہوگیا؛ مگر انھوں نے کرایے کی بقایا رقم حساب کر کے چھوٹے بھائی کو اپنی موت سے قبل دے دیا تھا، کہ میرا تمھارے ذمہ جائداد کے کرایے کی اتنی رقم باقی ہے، اس پر چھوٹے بھائی نے اعتراف بھی کیا اور اس کاغذ پر دستخط بھی کی؛ لیکن فقیر محمد کے انتقال کے بعد حسن نے صاف انکار کردیا کہ میں ادا کر چکا ہوں، جب کہ دوسرے حضرات کو کچھ بھی علم نہیں، اور وہ کاغذ جس پر دستخط کیا تھا شاہدِ عدل ہے۔

(۲) پھر مرحوم فقیر محمد کے انتقال کے بعد حسن نے یہ دعویٰ کیا کہ: ساری وراثت کا مَیں مالک ہوں، اس میں کسی کا حق نہیں، حالاں کہ مرحوم کی بیوی زندہ ہے اور مرحوم کے پانچ بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں، تو کیا اس کا یہ دعویٰ ازروئے شریعت درست ہے؟

(۳) مرحوم فقیر محمد کے انتقال کے بعد ان کی بیوی نے اپنے شوہر (فقیر محمد) کی زمین کو مدرسے کے نام وقف کردیا، اور مکان اپنے متبنیٰ کے نام کردیا۔

مذکورہ تفصیلات سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ: حسن کا یہ رویہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ پھر حسن کے ذمہ کرایے کی رقم وراثتِ مرحوم فقیر محمد میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز حسن کا دعویٰ کرنا کہ میں ادا کر چکا ہوں جب کہ کوئی گواہ نہیں، نیز وہ کاغذ جس پر ادائیگیٔ رقم کے لیے حسن نے دستخط کیا تھا، وہ بقایا کی شکل میں موجود ہے اور عدمِ ادائیگی پر دال ہے، تو اس سلسلے میں کس کی بات معتبر سمجھی جائے گی؟ نیز فقیر محمد کی بیوی کا مدرسہ کے نام وقف اور اپنے متبنیٰ کے نام مکان کا دینا قبل از تقسیمِ وراثت

درست ہوا یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ مرحوم فقیر محمد کے وارثین مندرجۂ ذیل ہیں: ایک بیوی، ۵ر بھائی یعنی: محمد بھائی، اسماعیل بھائی، احمد، یوسف، حسن۔ ۳ر بہنیں (عائشہ، سعدیہ، سعیدہ)۔

نوٹ: حسن کے علاوہ دیگر چار بھائی وراثت کے لینے سے انکار کررہے ہیں، اور یہ چاروں بھائی انڈیا سے نقلِ مکانی کرکے افریقہ میں مستقل طریقے پر اقامت اختیار کرلیے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کی وراثت کس جانب منتقل ہوگی؟ اگر مذکورہ حضرات بہ ذریعۂ خط کسی کو نامزد کردیں کہ فلاں کو یہ حصہ دے دیا جائے، تو کیا شرعاً اعتبار کیا جائے گا؟ ہر ایک وارث کا حصہ علاحدہ علاحدہ تحریر فرمائیں۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

میـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــت

| زوجہ | بھائی ۵ | | | | | بہنیں | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | محمد، اسماعیل، احمد، یوسف، حسن (۳۹) | | | | | عائشہ، سعدیہ، سعیدہ | | |
| ۱۳ | ۶ | ۶ | ۶ | ۶ | ۶ | ۳ | ۳ | ۳ |

مرحوم فقیر محمد کے ترکہ (مکان، زمین، نقد، زیورات وغیرہ) میں سے حقوقِ متقدمہ علی الارث (یعنی تجہیز وتکفین کے متوسط مصارف، اس کے بعد مرحوم کے تمام دیون کی ادائیگی، اس کے بعد مابقی کے ثلث میں سے مرحوم کی وصیت شرعیہ) کی ادائیگی کے بعد مابقی ترکہ کو باون سہام پر تقسیم کرکے اُن میں سے مرحوم کی بیوی کو تیرہ سہام، اور پانچوں بھائیوں میں سے ہر ایک کو چھ سہام، اور تینوں بہنوں میں سے ہر

ایک بہن کو تین سہام دیے جائیں۔

① حسن کرایہ کی بقایا رقم کا انکار کرتا ہے تو شرعی گواہی کے ذریعے ہی اس کا ثبوت ہوسکتا ہے، اس کا دستخط شدہ کاغذ ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے؛ البتہ دیگر ورثاء حسن سے اُس کے اس انکار پر قسم لے سکتے ہیں، اور اگر حسن اس تحریر اور اس پر اپنے دستخط کا اقرار کرنے کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ: میں ادا کر چکا ہوں، تو اس کی ادائیگی کے اس دعوے پر شرعی ثبوت طلب کیا جائے، اگر وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس سے وہ رقم وصول کی جاسکتی ہے، اور وہ رقم بھی ترکے میں شمار ہوگی۔

② مرحوم فقیر محمد کے ترکے کے متعلق اس کے بھائی حسن کا یہ دعویٰ کہ: میں تنہا اس کا وارث ہوں، جب کہ فقیر محمد کی زوجہ اور دیگر چار بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں، باطل ہے؛ بلکہ مرحوم فقیر محمد کا ترکہ اس کے مذکورہ تمام ورثاء میں مندرجۂ بالا طریقے پر تقسیم ہوگا۔

③ مرحوم فقیر محمد کی بیوی نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد جو زمین وقف کی ہے، چوں کہ وہ مرحوم کا ترکہ ہے؛ اس لیے تمام ورثاء کے درمیان مشترک ہے، تو یہ وقف مشاع کا مسئلہ ہے جو مختلف فیہ ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیوی کے حصے میں وقف درست ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں، دونوں قول کی طرف مشائخ گئے ہیں، اور دونوں قول پر فتویٰ دیا گیا ہے؛ اس لیے دونوں قول مصحح ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وقف المشاع المتحمل القسمة لا يجوز عند محمد، وبه أخذ مشائخ بخارىٰ وعليه الفتوىٰ، كذا في السراجية؛ والمتأخرون أفتوا

بقول أبي يوسف أنه يجوز، وهو المختار كذا في خزانة المفتيين. (٣٦٥/٢)

شامی میں ہے:

(قوله لاختلاف الترجيح)فإن كلا من قول أبي يوسف وقول محمد صُحِّح بلفظ الفتویٰ كما مر (٣٠٩/٣) وغيرذلك من العبارات الفقهية.

ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''فتاویٰ محمودیہ'' (١٠/ ١٧٤۔ ١٥/ ٣١٠) سے بیوی کے حصے کے وقف کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے۔

مرحوم فقیر محمد کی بیوی کا مکان کو متبنیٰ کے نام کر دینا درست نہیں ہے، اگر ہبہ کیا بھی ہے تو یہ ہبۂ مشاع ہے جو جائز نہیں ہے۔ كما هومصرح في كتب الفقه

④ حسن کے علاوہ بقیہ چار بھائیوں کے وراثت لینے سے انکار کرنے کی وجہ سے اُن کا حق مرحوم کے ترکہ میں سے ختم نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ بزازية علیٰ هامش الهندیه ٣٨١٥الاشباه والنظائر ص:٣١٦)

البتہ اگر وہ یہ کہیں کہ: معاف کر دیا، تو اس صورت میں اعیان (زمین، مکان اشیاء وغیرہ) میں تو حق ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ ملکیت باقی رہے گی؛ مگر دیون (یعنی مرحوم کے جو دین دوسروں کے ذمہ ہیں، مثلاً صورت مسئولہ میں اگر حسن کے ذمہ بقایا کرایہ ثابت ہو جائے) میں سے ان کے حصے کے بہ قدر معاف ہو جائے گا۔

(كما يستفاد من الفتاویٰ الخيرية علیٰ هامش تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٥٦٢)

بقیہ بھائیوں کو اگر ترکہ میں سے اپنا حصہ نہیں لینا ہے تو اولاً وہ بہ ذریعۂ خط کسی کو اپنا حصۂ میراث وصول کرنے کا وکیل مقرر کریں، اور وہ وکیل ترکہ تقسیم کروا کر جب ان کے حصے پر قابض ہو جائے اِس کے بعد وہ اپنا حصہ جس کو چاہیں اُس کو ہبہ کر کے

اس کے قبضے میں دے دیں۔ (از امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## اولاد کی بخشش میں جہیز کا سامان شمار کر سکتے ہیں

سوال: زید نے اپنی زندگی میں انتہائی تگ ودو ومحنت سے مندرجۂ ذیل اثاثہ جمع کیا ہے، الحمد للہ اس پر ہر سال حساب سے زکوۃ بھی ادا کی جاتی ہے، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد کو اثاثہ تقسیم کر دے، اس کے وارثوں میں حسب ذیل لوگ موجود ہیں: ایک بیوی، ایک بیٹا، اور تین بیٹیاں۔ اثاثہ کی نیز جائداد کی تفصیل اس طرح ہے:

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | ۳/ عدد دکانیں پگڑی کی کل ویلیو: | ۴۸/ لاکھ روپیے |
| ۲ | ایک کمرہ پگڑی کا | ۱۵/ لاکھ روپیے |
| ۳ | ایک اونرشپ کا فلیٹ، ویلیو: | ۴۰/ لاکھ روپیے |
| ۴ | کاروبار میں ۴۰/ کے حساب سے نقد حصہ اور اثاثہ | ۶۰/ لاکھ روپیے |
| ۵ | متفرق سامان زیور اور کچھ قیمتی چیزیں | ۱۰/ لاکھ روپیے |
| | مجموعی ٹوٹل | ایک کرڑوڑ ۷۳/ لاکھ روپیے |

برائے کرم یہ ضرور وضاحت فرمائیں کہ: بیوی کے لیے کس قدر رقم مخصوص کی جائے اور لڑکے کو نیز تینوں لڑکیوں کو کس حساب سے رقم دی جائے؟ واضح ہو کہ

چاروں بچے شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں پر خوش ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

شریعت کی اصطلاح میں وراثت اس کو کہتے ہیں جو آدمی کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ میں ثابت ہوتی ہے، جب تک وہ زندہ ہے وہ خود اس کا مالک ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، آدمی اپنی زندگی میں اپنی اولاد وغیرہ کو جو کچھ دیتا ہے وہ ہبہ اور بخشش کہلاتی ہے، اس کا شریعت کے نزدیک پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اپنی تمام اولاد - چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں - کو یکساں طور پر دے، بلا وجہِ شرعی اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو محروم رکھنا، یا کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم دینا ممنوع ہے، اگرچہ اس طرح دیا تب بھی جس کو دیا گیا ہے وہ مالک ہو جاتا ہے۔

آپ اگر اپنی زندگی میں اپنا اثاثہ دے دینا چاہتے ہیں، تو اپنے لیے جتنا اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں وہ نکال کر بقیہ اثاثہ میں سے آٹھواں حصہ اپنی بیوی کو دیں، اس کے بعد جو بچے اس کے چار یکساں حصے کر کے تمام اولاد کو ایک ایک حصہ دے دیں۔ جو اثاثہ قابلِ تقسیم ہے اس کے حصے الگ کر کے ہر ایک کے قبضے اور تصرف میں دے دیں گے، تب ہی ہبہ اور بخشش مکمل اور درست ہوگی۔ اگر لڑکیوں کو نکاح کے وقت کچھ دیا تھا اس کو بھی ان کو دیے جانے والے حصہ میں شمار کرنا چاہیں تو کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

# ترکہ کا قبل از تقسیم استعمال کرنا اور یتیموں کا نفقہ

سوال: ① میرے بھائی نے مرحوم بھائی کی بیوہ سے نکاح کیا ہے، مرحوم بھائی کے پانچ بچے ہیں، جس نے نکاح کیا اس کے تین بچے ہیں، یہ سب بچے اور میاں بیوی ساتھ میں رہتے ہیں، مرحوم بھائی کا گیرج ہے، جس کی آمدنی کم وبیش دو ہزار روپئے ماہانہ ہے، جس بھائی نے نکاح کیا ہے وہ گوشت کا کاروبار کرتے ہیں، اور تقریباً روزانہ سو روپئے کی آمدنی ہے، تو کیا اس بھائی کے ذمہ ان یتیم بچوں کو کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی ذمہ داری ہے؟

② مرحوم بھائی کی بے حد آمدنی ہے، وہ آمدنی یہ بھائی استعمال کر سکتا ہے؟ اور اگر کر سکتا ہے تو کتنا؟

③ میری بھابھی نے یعنی ان یتیم بچوں کی ماں نے نکاح کیا ہے تو مرحوم بھائی کی آمدنی میں اس کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

④ مرحوم بھائی کا اسکوٹر ہے، اس اسکوٹر کو جس بھائی نے نکاح کیا ہے اس کا لڑکا استعمال کرتا ہے، وہ مرحوم بھائی کی گیرج پر آنے جانے میں استعمال ہوتا ہے، اور اس کے اپنے ضروری کام میں بھی، تو اس کے لیے اسکوٹر استعمال کرنا جائز ہے؟

⑤ مرحوم بھائی کے تمام بچے نابالغ ہیں، اس کے گیرج کی دیکھ بھال کرے تو آمدنی میں کچھ حصہ ہوگا؟

⑥ اگر جس بھائی نے نکاح کیا ہے اس کا لڑکا گیرج کی دیکھ بھال کرے تو آمدنی میں کچھ حصہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جب ان یتیم بچوں کے پاس اپنا مال اور اپنی آمدنی موجود ہے تو ان کا نفقہ اسی میں سے نکالا جائے گا۔

② اب یہ آمدنی مرحوم بھائی کی نہیں؛ بلکہ ان کے ورثاء کی ہے، ورثاء اگر عاقل بالغ ہیں اور برضاء ورغبت اپنے حصہ میں سے استعمال کی اجازت دیتے ہیں تو یہ بھائی اس کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں، اور اگر ورثاء نابالغ ہیں تو استعمال نہیں کر سکتے، اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں۔

③ مرحوم بھائی کے ترکہ میں اس کی بیوی کا حق وراثت آٹھواں حصہ ہے۔

④ اس لڑکے کے لیے اسکوٹر کا استعمال بلاوجہ شرعی درست نہیں ہے، اگر اپنے کام میں استعمال کرنا چاہے تو اس کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

⑤ مرحوم بھائی نے وفات سے پہلے جس آدمی کو اپنی اولاد اور املاک کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہو اس کی یہ ذمہ داری ہے، ایسے آدمی کو شریعت کی اصطلاح میں ''وصی'' کہتے ہیں۔

⑥ اس قسم کا کام کرنے پر دستور اور عرف کے مطابق جو اجرت مل سکتی ہے، اس کا وہ حق دار ہے، اور اگر اس نے پہلے سے اپنے اس کام کی اجرت مقرر کروالی ہے تو اس کے مطابق ادا کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

## شوہر کی موت پر حکومت سے ملنے والی رقم کا مالک کون؟

سوال: میں ایک بیوہ ہوں، میرے شوہر کا چار سال پہلے انتقال ایکسیڈنٹ میں

ہو گیا، میری کوئی اولاد نہیں ہے، میرے سسرال والوں نے میرے شوہر کی جائیداد کو شریعت کے حساب سے تقسیم کردیا ہے، میرے حصہ میں آئی ہوئی رقم سے میں صرف اپنے رہنے کا بندوبست کرسکی نہ کہ اپنے گذر بسر کا، میرے لیے میرے کچھ رشتہ داروں نے حکومت سے معاوضہ طلب کیا تو آج چار سال بعد حکومتِ ہند کی طرف سے کچھ معاوضہ کی رقم مجھے ملی ہے، تو اس رقم میں میں تنہا حصہ دار ہوں، یا کوئی اور حصہ دار ہے؟ میرے شوہر کی والدہ بھی اس قسم کی رقم کی طلب کرنے میں ساتھ ہے، اور ملی ہوئی رقم ہم دونوں کو کورٹ میں حاضر کر کے دی گئی، تو اس صورت میں میرے شوہر کی والدہ اس رقم کی حصہ دار ہے؟ حالاں کہ وہ صاحبِ حیثیت ہے اور اپنے تین بیٹوں کے ماتحت ہے اور ان کو اس معاوضہ میں داخل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ معاوضہ کی رقم کچھ اس قدر ہو جائے کہ میرا گذر بسر آرام سے ہو جائے تو اس صورت میں آپ کو یہ جواب دینا ہے کہ یہ رقم کس کی ہے؟ یہ رقم صرف میں استعمال کرسکتی ہوں یا میرے شوہر کی والدہ بھی اس رقم کی حصہ دار ہے؟ یا اور کوئی بھی حصہ دار ہے؟

**الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً**

حکومت کی طرف سے دی جانے والی رقم اگر امداد وتعاون کے طور پر ہے تو حکومت نے وہ رقم جن دو افراد (بیوہ اور والدہ) کے حوالہ کے ہے ان دونوں کی سمجھی جائے گی، اگر حصوں کی تعیین حکومت کی طرف سے کردی گئی ہے تو اسی کے مطابق دونوں تقسیم کرلیں اور اگر حکومت کی طرف سے حصوں کی تعیین نہیں کی گئی ہے تو یہ رقم دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگی۔ اور اگر حکومت کی طرف سے دی جانے والی یہ رقم معاوضہ یعنی مرنے والے کی جان کی قیمت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں

’’دیت‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس رقم میں مرنے والے کے تمام ورثا اپنے اپنے حصوں کے بقدر شریک ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری عفا اللہ عنہ، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## حکومت سے ملنے والا جانی و مالی معاوضہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: گذشتہ سال فضاء میں سعودی طیارہ اور قزاقستان طیارہ حادثہ کا شکار ہو گئے، جس میں تمام مسافر راہیٔ عدم ہو گئے، اسی طیارہ میں ایک خاتون سفر کر رہی تھیں وہ بھی حادثہ کا شکار ہو گئیں، انہوں نے شوہر، ۴/بچیاں، والدین، ۵/بھائی، ۳/بہنیں چھوڑیں، حادثہ کے چند روز بعد سعودی طیارہ کمپنی نے یہ اعلان کیا کہ بھین اینڈ کمپنی سے معاوضہ کے بارہ میں رابطہ قائم کیا جاوے، معلوم ہوا کہ بھین کمپنی سعودی طیارہ کی بیمہ کمپنی کے وکیل (قانونی مشیر) جو لندن میں ہیں کے نمائندے ہیں، معاوضہ کی رقم انہی کے ذریعہ تقسیم کی جا رہی ہے۔

بھین اینڈ کمپنی نے رابطہ کے وقت بتایا کہ سعودی طیارہ کمپنی اپنی غلطی تسلیم نہ کرتے ہوئے بطور انسانی ہمدردی کے دس سے بیس ہزار ڈالر جانی معاوضہ دینے کی پیشکش کرتی ہے۔ اور اس کے لیے اپنی طرف سے کسی خاص رشتہ دار کو متعین نہیں کرتی۔ البتہ رقم دیتے وقت رقم لے جانے والے سے مطالبہ کرتی ہے کہ باقی رشتہ داروں سے یہ لکھوا کر لادیں کہ ہمیں ان کو رقم ملنے سے کوئی اعتراض نہیں۔ یہ تحریر (سارٹیفکیٹ) کمپنی غالباً قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے لیتی ہوگی، تاکہ آئندہ کوئی وارث دوبارہ مطالبہ نہ کر سکے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کمپنی کی طرف سے کوئی رشتہ دار متعین نہیں ہے تو شرعاً مذکورہ بالا ورثہ میں سے یہ رقم لینے کا حق کس کو ہے، اور کس حساب سے ہے، واضح رہے کہ جو رشتہ دار یہ لکھ کر دیں گے کہ ہمیں اس رقم کے لینے والے پر کوئی اعتراض نہیں، صرف کاغذی کاروائی ہوگی، ورنہ چاہتے ہیں کہ شرعی طور پر اس میں جو ہمارا حصہ ہو وہ ہمیں ملے۔

نیز خاتون کے مالی نقصان کے عوض کمپنی آٹھ سوڈالر تک دینے کی پیشکش کرتی ہے، خواہ وہ مال کسی بھی قیمت کا ہو، واضح رہے کہ خاتون کا نان ونفقہ اور اس کے اخراجات شوہر کی طرف سے تھے، اور اس کے ساتھ شوہر کا بھی کچھ قیمتی سامان تھا۔

خلاصۂ سوال: (۱) جانی معاوضہ کی رقم کا حق دار شرعاً کون ہے؟ اور کس حساب سے، نیز یہ رقم دیت ہے یا کچھ اور؟

(۲) مالی معاوضہ کا حق دار شرعاً کون ہے اور کس حساب سے؟ نیز یہ رقم میراث ہے یا کچھ اور؟ برائے کرم مدلل ومفصل جواب سہل اور آسان اردو میں عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

۱۲ عولہ ۱۵

میـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــــت

| زوج | بنات ۴ | ام | اب | اخ ۵ | اخت ۳ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۳ | ۸ | ۲ | ۲ | م | م |

جانی معاوضہ میں ملنے والی رقم بحکم دیت ہے اور تمام ورثہ پر بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

واعلم أنه يدخل في التركة الدية الواجب بالقتل الخطأ أو

بالصلح عن العمد أو بانقلاب القصاص مالاً بعفو بعض الأولياء فتقضي منه ديون الميت. (شامي ٥/٥٣٥)

مرحومہ کے دیگر ترکہ کے مانند اس رقم میں سے حقوق متقدمہ علی الارث (ادائیگی دیون، اور تنفیذ وصیت از ثلث) کے بعد، اس کو پندرہ سہام پر تقسیم کر کے مرحومہ کے شوہر کو تین سہام ان کی چار بیٹیوں کو آٹھ سہام (ہر ایک بیٹی کو دو سہام) ان کی والدہ کو دو سہام اور والد کو دو سہام دیئے جائیں گے۔

② مالی معاوضہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ مرحومہ کے ساتھ سفر میں جو کچھ سامان تھا، اس کا معاوضہ، تو ملنے والی پوری رقم کو ساتھ میں موجود سامانِ سفر کی قیمت کے مطابق علی قدر الحصص تقسیم کیا جائے، اس میں سے جو مقدار مرحومہ کے مملوکہ سامان کے حصہ میں آئے وہ تمام ورثاء پر ان کے حصۂ میراث کے مطابق تقسیم کی جائے، جس کی تفصیل جواب ۱؍ میں آچکی ہے، اور جو مقدار مرحومہ کے ساتھ جانے والے شوہر کے سامان کے حصہ میں آئے، وہ شوہر کو دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## نا قابلِ تقسیم اشیاء میں تقسیم میراث

سوال ① ٹیپ ریکارڈر جیسی اشیاء تمام ورثاء کی رضامندی کے ساتھ مشترک رکھی جاسکتی ہیں یا اس کی قیمت نکال کر تقسیم کر دینا ضروری ہے، نیز قیمت نکالنے کے بعد ورثاء میں سے کوئی اس کو خریدنا چاہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

② کیسیٹ (Cassets) جیسی اشیاء ترکہ میں چھوڑی اور اس میں خالی

(بغیر ریکارڈ کی ہوئی) اور بھری ہوئی ہونے کی وجہ سے ان کی قیمت میں فرق آجاتا ہے، اس کے باوجود ورثاء نے بقدرِ حصص تقسیم کرلیا اور اس تقسیم پر ورثاء راضی ہیں یا بعد میں راضی ہو گئے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ٹیپ ریکارڈ اور اسی جیسی وہ اشیاء جن کے ٹکڑے کرنے کی صورت میں ہر ایک کا نقصان ہے اور کسی کے لیے قابلِ انتفاع نہیں رہتی تو اس کی تقسیم ٹکڑے کر کے درست نہیں ہے، البتہ اگر تمام ورثاء ٹکڑے کرنے پر راضی اور آمادہ ہیں تو اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے۔

فإن كان في تبعيضه ضرر بكل واحد منهما فلا تجوز قسمة الجبر فيه الخ (بدائع ۷/ ۱۹)

رہا قیمت کا اعتبار تو یہ درحقیقت اس کی تقسیم نہیں بلکہ بیع ہے، اس لیے اس میں تمام کی رضامندی ضروری ہے، اگر سب راضی ہوں تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کرلیں یا اپنے ہی میں سے ایک وارث کے ہاتھوں دیگر ورثاء اپنا حصہ فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کرلیں، کوئی ایک وارث بھی اپنا حصہ دوسرے وارث یا اجنبی کے ہاتھوں فروخت کرسکتا ہے، اور اس کے لیے دیگر ورثاء کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وكل من شركاء الملك اجنبي في الإنتفاع عن تصرف مضر في مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة فصح له بيع حصته ولو من غير شريكه بلا إذن الخ (درمختار مع الشامی ۳/ ۳۶۵)

② کیسیٹ اگر بھری ہوئی ہو اس صورت میں اور خالی ہو اس صورت میں دونوں کی قیمتوں میں فرق رہتا ہے تو دونوں الگ جنس شمار ہوں گی پھر اگر تمام خالی کیسیٹ یکساں قیمت کی شمار ہوتی ہیں تو وہ عددی متقارب ہونے کی وجہ سے بحکم مثلی ہوں گی اسی طرح تمام بھری ہوئی یکساں قیمت کی شمار ہوتی ہیں تو وہ بھی آپس میں عددی متقارب بن کر مثلی کے حکم میں ہوں گی اس لیے اصولِ تقسیم کے پیش نظر دونوں انواع کی تقسیم الگ الگ ہونی چاہیے تھی لیکن جب دونوں کو بقدرِ حصص تقسیم کرلیا اور تمام راضی ہیں تو یہ تقسیم درست ہوگی اور اگر تمام راضی نہیں ایک بھی ان میں ناراض ہے تو اس کی تقسیم از سرِ نو عمل میں لائی جائے۔

وعلى هذا الأصل تخرج ايضا قسمة الجمع في الأجناس المختلفة أنها غير جائزة جبرا بالإجماع لتعذر تعديل الأنصباء إلا بالقيمة وأنها ليست محل القسمة. (بدائع ۷/ ۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مختلف اشیاء کی تقسیم کی کیا شکل ہے؟

سوال: ① قیمت کے لحاظ سے جائیداد تقسیم کرنے کی کوئی نص شریعت میں موجود ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر کریں۔

② ورثاء جائیداد میں اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وارث یہ چاہتے ہیں کہ تقسیم قیمت کے لحاظ سے ہو قیمت کے لحاظ سے تقسیم ہوتی ہے تو حصوں میں فرق آتا ہے شرعاً تقسیم کی کیا سبیل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② اگر ترکہ میں مختلف جائیدادیں ہیں مثلاً متعدد مکانات، زمین، دکان وغیرہ ہے تو ہر ہر مکان، ہر ہر زمین اور ہر ہر دکان میں تمام ورثاء کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے، یعنی ہر ہر جائیداد میں سے ہر ایک وارث کو اس کے حصۂ میراث کے بقدر دیا جائے۔

دور مشتركة او دار وضيعة او دار وحانوت قسم كل وحدها منفردة مطلقا ولو متلازقة او في محلتين او مصرين الخ.

(در علی هامش الشامية ١٨٤/٥)

جب تمام جائیدادوں کو ملا کر تقسیم کریں گے تو فرق آئے گا؛ لیکن الگ الگ تقسیم کی صورت میں فرق نہیں آوے گا، ورثاء آپس کی رضامندی سے قیمت کے لحاظ سے تقسیم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے تمام کی رضامندی شرط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰؍ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ